اسلامی دستور

کے

بنیادی اور رہنما اصول

از

مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوری

ناشر

مکتبہ عبادیہ نہٹور ضلع بجنور یوپی

سول ایجنٹ

مدنی دار التالیف بجنور۔ یوپی

نام کتاب : اسلامی دستور کے بنیادی رہنما اصول

مؤلف :- ———— مفتی عزیز الرحمن صاحب

صفحات :- ۳۸۴

قیمت مجلد :- چودہ ۱۴ روپے

سن طباعت :- ۱۹۷۷ء
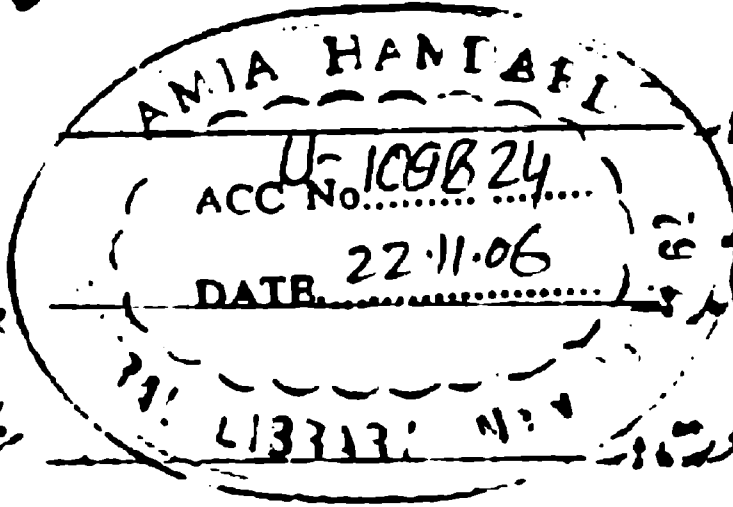
کتابت :- ———— محمد سلیم صدیقی دیوبند

طباعت :- ———— کوہ نور پرنٹنگ پریس دہلی

معاونین خصوصی || (۱) سیٹھ محمد مصطفیٰ و سیٹھ رفیع الدین۔ احمد آباد
(۲) غلام دستگیر صاحب، و غلام محی الدین۔ احمد آباد

مدنی دار التالیف بجنور یوپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات

حامداً و مصلیاً ـــــ امابعد

میں عرصہ دراز سے جدید تعلیم یافتہ حضرات کی زبان سے اکثر سنتا چلا آیا ہوں کہ اسلام میں لچک پیدا کی جائے۔ یہ مطالبہ دھیرے دھیرے اتنا بڑھا کہ اب، یہ کہا جانے لگا کہ "اسلام کی تشکیل جدید" کی جائے[1]

میں حیرت میں ہوں کہ یہ لوگ اگر اسکو جانتے ہیں، تو اسلام کو کیا بنانا چاہتے ہیں۔ اور اگر نہیں جانتے تو اسلام کے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے کسی بھی مذہب کی تشکیل جدید یا اس میں مقرر شدہ رعایتوں کے بعد لچک اگر تحریف یا تبدیل نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

میں یہ بھی سمجھنا چاہتا ہوں کہ کسی بھی مذہب کی غرض وغایت کیا ہے؟ آیا حالات اور زمانہ کے مطابق مذہب کو بنا لیا جائے یا انسان مذہب کے مطابق بنیں؟ اگر پہلی صورت مراد لی جائے تو پھر مذہب نام کی کوئی چیز دنیا میں قائم نہیں رہ سکتی بلکہ ہر زمانہ کا مذہب وہی ہوگا جو لوگوں کا چلن اور لوگوں کی خواہشات ہوں گی۔ یاد رکھو! مذہب لوگوں کو اپنے تابع کرنا چاہتا ہے لوگوں کے تابع نہیں ہونا چاہتا اور کم ازکم اسلام تو ہرگز اس کو قبول نہیں کرتا ہاں

---

[1] جنوری ۱۹۷۵ء میں جامعہ ملیہ دہلی میں ایک سیمنار اسی عنوان سے بلایا گیا تھا جس کا افتتاح صدر جمہوریہ ہند مسٹر فخرالدین علی احمد نے کیا تھا۔

جو مذہب صرف چند مراسم مخصوصہ کا مجموعہ ہیں وہ بدلتے رہیں تو بات دیگر ہے اسلام میں تو پیشاب و پاخانہ کرنے کا بھی طریقہ ہے اسلام چاہتا ہے کہ لوگ اسی طرح پیشاب و پاخانہ کریں۔ اب اگر لوگ چاہیں کھڑا ہو کر کرنے کی لچک لاؤ تو یہ لچک کون لائے؟ اور اگر آئی تو وہ اسلامی بات نہ ہوگی، غیر اسلامی بات ہوگی

مجھے اس سے بھی بہت واسطہ پڑا کہ اکثر کسی درسگاہ کے فاضل تو ہیں مگر وضو، پاکی، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کے عام مسائل بتلانے سے بھی عاجز نظر آتے ہیں بس یہی دو چیزیں اس کتاب "اسلامی دستور کے بنیادی اور رہنما اصول" کی داعی بنیں۔ ظاہر ہے کہ کام بہت مشکل تھا کسی ادارہ کو کرنا چاہیئے تھا، جیسا کہ کتاب کے پڑھنے سے ظاہر ہوگا کہ میں نے اس کتاب کے لکھنے میں سرسری تحقیق سے کام نہیں لیا ہے بلکہ ہر چیز کو خوب تحقیق کے بعد لکھا ہے جیسا کہ کتاب کے حوالوں سے ظاہر ہوگا۔

یہ اللہ تعالےٰ کا محض کرم ہی ہے کہ میرے تمام مشاغل برابر چلتے رہتے ہیں اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا ہے اور جو لکھا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے اس کی طباعت کا بھی انتظام فرما دیتا ہے ورنہ بظاہر دیکھنے میں اب تک جس قدر کتابیں لکھی ہیں ان کے وجود میں آنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ برکت اور اس کی عنایت بے پایاں ہے وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم

میں نے زیر نظر کتاب کا مسوّدہ دو مرتبہ لکھا۔ پہلی مرتبہ مکمل کر لینے کے بعد جب نظر ثانی کی تو کتاب اتنی مشکل تھی کہ عام علماء کے لئے بھی اس سے استفادہ مشکل تھا چہ جائیکہ اردو داں حضرات ـــــ وہی قدیم اصولی طرز تھا اس لئے اسکو میں نے بالکل ختم کر دیا۔ حسن اتفاق اور تائید الٰہی کہ حجۃ اللہ البالغہ" کی چند سطریں (جو سامنے صفحہ پر مندرج ہیں) میری نظر سے گذریں اگرچہ

ان کی اس سے زیادہ شرح کہیں نہیں ملی تاہم میں نے اپنی اس کتاب کی بنیاد انہیں سطروں کو قرار دیا۔

اسلام کے چاروں شعار قرآن پاک۔ نبی اللہ۔ کعبۃ اللہ۔ نماز کو جس طرح راقم الحروف نے پیش کیا ہے۔ اور ان کا جو ربط اور تعلق ہے اور ان سے جو مقصد ہے اس کو راقم الحروف نے جس قدر سمجھا ہے، لکھا ہے۔ خیال یہ ہے کہ اس طرز پر اسلامی لٹریچر میں راقم الحروف کی یہ سب سے پہلی اور سب سے نئی کوشش ہے اللہ تعالےٰ قبول فرمائے اور سب کے لئے مفید بنائے اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

جو چیز ان چاروں شعار کے ذریعے راقم الحروف نے ظاہر کی ہے بہت ممکن ہے کہ بعض اہل علم اس کو اجنبی قرار دیں لیکن براہ کرم کیچڑ نہ اچھالیں بلکہ اصلاح کی غرض سے مجھے مطلع فرمائیں ان کا کرم ہوگا اور ثواب آخرت بھی ملے گا اور میں مشکور بھی ہونگا۔

سب کے آخر میں میں نے قیاس، استحسان وغیرہ مباحث کا ذکر کیا ہے اور قیاس کی بحث کو بہت زیادہ طویل کر دیا ہے وہ ضرورۃً ہے اور اس میں اس قدر کام کی باتیں ہیں کہ اہل علم کو پڑھ کر خوشی ہوگی امید ہے کہ ان کی علمیت میں اس سے اضافہ ہوگا۔ میں نے اسی باب میں جدید مسائل کو حل کرنے کی بھی کوشش کی ہے اور غلط قیاسات پر تنقید و تبصرہ بھی کیا ہے۔

قیاس، اختلافی اصول، فرق و امتیاز، اصول کلیہ۔ یہ چند عنوانات زیادہ تر تو الاشباہ سے ماخوذ ہیں اس لئے بیشتر کا میں نے حوالہ چھوڑ دیا ہے کیونکہ ایک ہی کتاب سے ماخوذ ہیں اس کے علاوہ اگر کوئی چیز مجھے ان کے تحت دوسری کتابوں سے ملی ہے اس کا میں نے حوالہ نقل کر دیا ہے اس لئے مندرجہ عنوانات کے تحت اگر حوالہ درج کرنے سے رہ گیا ہے

تو وہ الاشباہ سے سمجھنا چاہیئے۔

رہنما اصول اور فوائد علمیہ کا ماخذ بھی الاشباہ ہی ہے ان اصولوں کو میں نے مدلل کرنے کی کوشش کی ہے اور ہر ایک کے تحت کچھ مثالیں بھی دی ہیں۔ زیادہ مثالوں سے گریز کیا ہے تاکہ کتاب بہت زیادہ طویل نہ ہو جائے۔ بہرحال راستہ بن گیا ہے اب چلنے میں دشواری کا سوال ہی نہیں ہے۔ آسانی کے ساتھ کسی کی بات کو ان ہی باٹوں سے تولا جا سکتا ہے وہ خواہ اپنے ہوں یا پرائے ہوں۔

فقط والسلام

عزیز الرحمٰن غفرلہ

مدنی دار الافتاء

و

مدنی دار التالیف۔ بجنور

۱۷ شوال ۱۳۹۷ھ

مطابق یکم اکتوبر ۱۹۷۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہماری شریعت کی بنیاد

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ	اللہ کے شعائر کی عظمت بجالانا
اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ	پس بلاشبہ دل کے تقویٰ میں سے ہے

چار چیزوں پر ہے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح نے فرمایا :- خدا کے چار بڑے شعار ہیں

۱- قرآن پاک
۲- کعبۃ اللہ
۳- نبی صلی اللہ علیہ وسلم
۴- نماز

" معلوم رہے تمام شریعتوں کی بنا شعائر الہٰی کی تعظیم پر ہے ."

(حجۃ اللہ البالغہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شعار کا تعارف

عربی لغت میں شعار کے معنی نشان یا علامت کے ہیں چنانچہ ہدیٰ کے جانور بھی شعار اللہ کہلاتے ہیں اس لئے کہ وہ حج کے لئے ایک علامت مخصوصہ ہیں ہدی کے جانور (اونٹ) کی کوہان میں چھرا لگانے کو بھی شعار کہتے ہیں کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں ہدی کے اونٹ اور دیگر اونٹوں میں یہ شعار ہی وجہ امتیاز بنتا تھا اور اس علامتِ مخصوصہ کی وجہ سے ان جانوروں سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا"۔ غرضکہ شعار ایسی علامت یا نشان کو کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ چیز اپنی نوعیت کی تمام چیزوں میں نمایاں اور ممتاز ہو جائے۔ چنانچہ اذان، جماعت، نماز، ختنہ وغیرہ چیزیں شعار اسلام ہیں۔ اور اسیطرح عیسائیوں میں صلیب، عیسائیت کی اور زنار یا جنیؤ کفر اور شرک کی علامت یا شعار رہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رہ نے مذکورہ چاروں شعار کو شریعت محمدی کی بنیاد قرار دیا ہے جسکا یہ مطلب ہے کہ شریعت محمدی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) میں یہ چار چیزیں بہت نمایاں ہیں اور تمام احکاماتِ شریعت ان ہی کے ساتھ قائم ہیں اس لئے سب سے پہلے علیحدہ علیحدہ ان چاروں چیزوں کی عظمت کو بتلایا جاتا ہے اور اس کے بعد یہ بتلایا جائے گا کہ ان چار چیزوں پر شریعت کا مدار کس طرح پر ہے اور شریعت کے ہر حکم سے ان کو کیا ربط اور تعلق ہے۔

قرآن پاک

تمام علمائے اسلام اور اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ قرآن پاک قدیم ہے اور غیر مخلوق ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جبرئیل علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں۔ اور اصطلاح میں اسی کو وحی متلو بھی کہتے ہیں۔ ہر طرح اس کی عظمت بجالانا نہایت ضروری ہے۔ شریعت اسلامیہ کا یہی ماخذ اور یہی بنیاد ہے۔ اور احادیث پاک اور فقہ ائمہ اس کی تفسیر اور تشریح ہیں۔

قرآن پاک کی عظمت

قرآن پاک نے اپنی عظمت کے بارے میں خود ہی ارشاد فرمایا ہے:۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین

(البقرہ)

اگر تم شک میں ہو اس کتاب کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندۂ خاص پر اتاری ہے تو اس کی مثل ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلالو! اگر تم سچے ہو

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتوا بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔

(بنی اسرائیل)

فرما دیجئے! اگر تمام انسان اور جنات قرآن کے مثل لانے پر جمع ہو جائیں تو نہیں لاسکتے۔ اگرچہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں۔

یعنی بالفرض اگر تمام انسان اور جنات قرآن کے مثل لانے پر ایک دوسرے کی جی وجان سے مدد کریں تب بھی محال ہے وہ قرآن کا مثل نہیں لاسکتے، نہ

اس کی ایک سورت یا ایک آیت کا مثل لا سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک جس دن سے نازل ہوا ہے اس وقت سے لے کر آج تک کسی نے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا۔ مومنین پر اس کی عظمت اور احترام بجالانا نہایت ضروری ہے۔

ا۔ قرآن پاک کا احترام اور تعظیم یہ ہے کہ اس کی حقانیت اور صداقت پر یقین رکھا جائے اور اس کے تمام احکامات کو بے چون وچرا قبول کیا جائے اور ان پر عمل کیا جائے

ھذا کتاب انزلناہ مبارک	اس کتاب کو ہم نے اتارا ہے بہت برکت
فاتبعوہ واتقوا لعلکم ترحمون	والی ہے اس کا اتباع کرو اور ڈرو تاکہ
(انعام)	تم پر رحمت ہو۔

اسی طرح سے متعدد آیات ہیں جن میں صراحتاً مذکور ہے کہ قرآن پاک کی مکمل اتباع کی جائے۔ اتباع کرنے میں صرف تسلیم کرنا ہی داخل نہیں ہے بلکہ اس پر عمل کرنا بھی داخل ہے حضرت عائشہ رض سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا :-

کان خُلقہ القرآن	قرآن پاک ان کا خُلق ہے۔

خلق میں تمام امور داخل ہیں یعنی تمام عادات واطوار، حرکات وسکنات کو قرآن پاک کے تابع کر لینا خلقِ عظیم ہے اسی کو قرآن پاک نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے۔

انک لعلی خلق عظیم	بلاشبہ آپ خلق عظیم پر ہیں۔

ب ۔ منجملہ تعظیم قرآن یہ بھی ہے کہ اسکو پاکی اور طہارت کے ساتھ چھویا جائے :-

لا یمسہ الا المطھرون	اسکو بالکل پاک اور طاہر ہی چھوئیں

چنانچہ بلا وضو قرآن پاک کا چھونا حرام ہے حد یہ ہے کہ جو جلد یا کپڑا قرآن پاک سے متصلاً سلا ہوا یا جڑا ہوا ہوتا ہے اس کا حکم بھی یہی ہے اسی طرح

حالت جنابت میں قرآن پاک کا پڑھنا حرام ہے یہ سب احکام اسی آیت کے ضمن میں آتے ہیں اور اس کی تفسیر میں متعدد قولی اور فعلی احادیث بھی ہیں۔

لا تقرأ الحائض ولا الجنب	حیض والی عورت اور جنبی آدمی قرآن پاک
شیئاً من القرآن (ترمذی)	کی کوئی آیت نہ پڑھے۔

۳۔ منجملہ تعظیم قرآن کے اس کا پڑھنا اور سننا بھی ہے۔ جب کوئی آدمی قرآن پاک پڑھے تو ہمہ تن گوش ہو کر اور مؤدب ہو کر سنا جائے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ	جب قرآن پڑھا جائے تو اسکو سنو
وانصتوا لعلکم ترحمون	اور سکوت اختیار کرو۔

قرآن پڑھنے، پڑھانے اور سننے سنانے کے بہت آداب ہیں ان سب کو بجا لانا چاہیئے۔ یہ تمام احکامات قرآن پاک کی عظمت کو واضح کرتے ہیں اور (جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے) کہ

ومن یعظم شعائر اللہ فانہا	جو اللہ تعالیٰ کے نشانات کی تعظیم بجالائے
من تقوی القلوب	وہ دل کے تقویٰ سے ہے

یعنی تعظیم شعائر اللہ (بتفصیل مذکورہ دائرہ) قلبی تقویٰ کی بات ہے اسی پر فوز و فلاح ہے اور یہیں سے دنیا کی عزت اور کامرانی کی راہیں نکلتی ہیں جس طریق زندگی اور دستور کو یہ خصوصیت حاصل ہو وہی دنیا میں عدل و مساوات پیدا کر سکتا ہے اس میدان میں اسلام اپنے کو صف اول کے داعی کی حیثیت سے پیش کرتا ہے جس کا جی چاہے، عدل و مساوات، نظام معیشت و معاشرت، نظام حکمرانی میں اس کے دستور کو پرکھے بلا شبہ دنیا کے تمام دستور و قوانین اپنے یہاں جھول اور خامیاں بکثرت رکھتے ہیں لیکن اسلام میں ذرہ برابر کوئی کمزوری نہیں ہے وہ جس طرح قرون ماضیہ میں کامیاب ثابت ہو چکا ہے اسی طرح آج بھی کامیاب ہے اور یہ کیا کم بات ہے کہ موجودہ

سائنسی دور میں دنیا کے مذاہب اور ان کے رہنماؤں نے اپنے نظریات بدل دئے ہیں لیکن اسلام کی کسی بات میں ادنیٰ درجہ کا فرق نہیں آیا بلکہ جو لوگ پہلے آسمان و زمین کی حرکت اور سکون اور خلاء کے بارے میں متردد تھے آج وہ شق القمر کا کسی طرح انکار نہیں کر سکتے۔ بقول شخصے "جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے" مدعیانِ باطل آج بھلے ہی اسلام کا نام زبان سے نہ لیں۔ لیکن ان کی تھیوریاں اور نظریات ہی ان کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور اسلامی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ سطور ذیل میں ہم قرآنی آیات احکام کی ایک فہرست درج کر رہے ہیں۔ اس کے بعد بعض امور کو قرآنی روشنی میں پیش کریں گے مسلمانوں کو چاہیئے کہ عملی زندگی میں اپنے اسی شعار کو برقرار رکھیں اور منہمک غیروں سے نہ ہو جائیں۔

"ہر کام اور ہر حال میں، ہر حرکت و
سکون میں شعائر اللہ کی عظمتوں کا اظہار
ہونا چاہیئے اسی میں تمہاری خوبی ہے
اور یہی تمہارا طرۂ امتیاز ہے یہ باقی
رہنا چاہیئے۔"

ربنا آتنا فی الدنیا حسنة	الٰہی ہمیں دنیا میں بھی خوبی عطا فرما
وفی الاخرة حسنة وقنا	اور آخرت میں بھی خوبی عطا فرما
عذاب النار (البقرہ)	اور دوزخ کے عذاب سے بچا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(پہلی بنیاد۔ شعار اللہ)

قرآنِ پاکؐ

۱۔ اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے۔

(بقرہ)

۲۔ اسلام کے علاوہ جو کوئی دوسرا طریقۂ زندگی اختیار کریگا وہ ہرگز قبول نہیں۔

——— (آل عمران)

آیاتِ احکامات

پورے قرآن پاک میں چھ ہزار آیات ہیں[1] لیکن فقہاء اور مفسرین حضرات نے بیان فرمایا ہے کہ آیاتِ احکام چھ سو[2] ہیں اور بعض نے فرمایا ہے کہ پانچسو ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ دوسو ہیں۔ آیاتِ احکام کے بارے میں اتنا بڑا اختلاف کچھ زیادہ اہم نہیں ہے کیونکہ جن حضرات نے پانچسو یا چھ سو تعداد لکھی ہے انہوں نے طریق استنباط کا لحاظ رکھا ہے اور جنہوں نے دوسو تعداد لکھی ہے انہوں نے نظم قرآن کا اعتبار کیا ہے۔ نظم قرآن کے اعتبار سے ہی ہم نے مندرجہ ذیل فہرست تیار کی ہے۔

پارہ	سورت	آیت	احکام
۶	المائدہ	یاایھا الذین اٰمنوا تا الکعبین	وضو
"	"	او جاء تا الغائط	"
۵	النساء	ان کنتم تا ایدیکم	تیمم
۶	المائدہ	ان کنتم جنبًا تا فاطھروا	غسل
۵	النساء	ولا جنبًا تا تغتسلوا	"
۲	البقرہ	یسئلونک تا المتطھرین	حیض
۱	"	اقیموا تا راکعین	نماز باجماعت
۱	"	واتخذوا تا السجود	نماز اور مقام ابراہیم

[1] بستان ابو اللیث سمرقندی [2] تاریخ التشریع الاسلامی ص۲۵ [3] اتقان از جلال الدین سیوطی و نور الانوار از ملا جیون ص۲

پارہ	سورۃ	آیت	احکام
۲	البقرہ	حافظوا تا قانتین	نماز کی حفاظت
۵	النساء	یاایھا الذین اٰمنوا تا غفورًا	تیمم میں اعضا کا مسح
۵	”	اذا ضربتم تا موقوتا	نماز قصر
۱۵	بنی اسرائیل	اقم الصلوٰۃ تا مشھودًا	اوقات الصلوٰۃ. پانچ
”	”	ولا تجھر تا سبیلا	نماز میں جہر کی حد
۱۶	طٰہٰ	سبح تا النھار	اوقات صلوٰۃ
۱۸	المومنون	الذین ھم تا خاشعون	نماز میں خشوع
”	”	والذین ھم تا یحافظون	اوقات صلوٰۃ کی حفاظت
”	النور	رجالٌ تا اقام الصلوٰۃ	نماز سے غفلت
۲۱	العنکبوت	ان الصلوٰۃ تا المنکر	نماز برائیوں سے روکتی ہے
۲۸	الجمعہ	اذا نودی تا تعلمون	اہتمام جمعہ
۳۰	الماعون	فویل تا یُراؤن	دکھاوے کی نماز
۲	البقرہ	قل ما انفقتم تا ابن السبیل	زکوٰۃ
”	”	انفقوا تا فیہ	”
”	”	ان تبدوا تا خیر لکم	”
”	”	وما تنفقوا تا یحزنون	”
۸	انعام	وآتوا تا حصادہ	”
۱۰	التوبہ	انما الصدقات تا حکیم	”
۱۸	النور	وآتوا الزکوٰۃ تا ترحمون	”
۱۹	الفرقان	والذین اذا تا قوامًا	”
۲۱	الروم	وما آتیتم تا المضعفون	”
۲۹	الدھر	ویطعمون تا شکورًا	”

پارہ	سورۃ	آیت			احکام
۱	البقرہ	أن طهّر	تا	العاكفين	اعتکاف
۲	״	كتب	تا	تشكرون	روزہ
״	״	احل لكم	تا	الليل	״
״	״	ولا تباشروهن	تا	المساجد	اعتکاف
۲۵	الدخان	انا انزلناه	تا	عندنا	لیلۃ القدر
۳۰	القدر	انا انزلناه	تا	الفجر	״
۱	البقرہ	واذ جعلنا	تا	امنا	بیت اللہ
۳	آل عمران	ان اول	تا	سبيلا	״
۱۷	الحج	واذ بوانا	تا	عميق	״
۲	البقرہ	الحج	تا	رحيم	ایام حج
۲۹	الحج	وليطوفوا	تا	العتيق	طواف
۱	البقرہ	واتخذوا	تا	مصلى	رکعت طواف
۲	״	ان الصفا	تا	عليم	سعی
۲	״	واتموا	تا	لله	عمرہ
۲۶	الفتح	لقد صدق	تا	قريبا	حلق
۶	المائدہ	يا ايها الذين	تا	حرم	احرام میں شکار
۷	״	״ ״	تا	״	״ ״
״		حرم	تا	حرما	״ ״
۲	البقرہ	فاذا آمنتم	تا	العقاب	احرام تمتع
۷	المائدہ	جعل الله	تا	عليم	قربانی کا جانور
۱۷	الحج	ويذكروا	تا	الفقير	״ ״
۱۷	״	ذلك	تا	العتيق	جانور

پارہ	سورت	آیت			احکام
۱۷	الحج	وَالبُدْنَ	تا	المحسنین	جانور
۷	المائدہ	یاایہاالذین	تا	ذوانتقام	جنایت
۲	البقرہ	فَاِن اُحصِرتُم	تا	اونسک	حصر
۴	النساء	وَاِن خِفتُم	تا	اَلّا تعولوا	نکاح
۲	البقرہ	وَلاتنکحوا	تا	اَعجَبَتکُم	"
۴، ۵	النساء	وَلاتنکحوا	تا	کتاب اللہ	"
۵	"	فَانکحوھن			ولی
۲	البقرہ	لَاجُنَاحَ	تا	بَصِیر	مہر
۵	النساء	واُحِلّ لکم	تا	الفریضۃ	"
۲۰	القصص	قَالَ اِنّی	تا	وَکیل	"
۲۲	احزاب	قَد عَلِمنَا	تا	ملکت ایمانکم	"
۱۸	النور	وانکحوا	تا	عَلِیم	نکاح
۵	النساء	وَلن	تا	کَالمُعَلّقَۃِ	عورتوں میں عدل
۲	البقرہ	وَالوَالِدَاتُ	تا	اَلرَّضَاعَۃ	رضاعت
۲۶	احقاف	وَحملُہٗ	تا	شَھراً	"
۲	البقرہ	اَلطَّلَاقُ	تا	باحسان	طلاق
"	"	وَاِذَا طَلَّقتُم	تا	ھُزُواً	"
"	"	" "	تا	بِالمَعرُوفِ	"
"	"	فَاِن طَلَّقَھَا	تا	حُدُودَاللہِ	تین طلاق
۲۱	احزاب	یَاَیُّھَاالنبی	تا	تَسرِیحاً	خیار طلاق
۲	البقرہ	وبعولتھن	تا	اِصلاحًا	رجعت
"	"	لِلّذِینَ یُؤلُونَ	تا	عَلِیم	ایلاء

پارہ	سورت	آیت			احکام
۲	البقرہ	وَلا یحل لکم	تا	افتدت بہ	خلع
۲۸	المجادلہ	اَلَّذِین	تا	مِسْکِینا	ظہار
۱۸	النور	وَالَّذِین	تا	الصادِقِین	لعان
۲	البقرہ	وَالمُطَلَّقٰتُ	تا	اَرْحَامِهِنَّ	عدت
”	”	وَالذین	تا	اِخرَاج	عدت وفات
۲۲	احزاب	اِذَا نَکَحْتُم	تا	جَمِیلاً	غیر مدخول بہا
۲۸	الطلاق	والّٰئی	تا	حَمْلَهُنَّ	عدت آئسہ
”	”	اسکنوهُنَّ	تا	عُسرٍ یُسرًا	نفقہ
۶	المائدہ	وَالسَّارِقُ	تا	حَکِیم	چوری
۶	”	وَیَسْعَوْنَ	تا	عظیم	رہزن
۴	النساء	وَالّٰتِی	تا	رَحِیمًا	زنا
۱۸	النور	اَلزَّانِیَةُ	تا	الفٰسِقُونَ	”
”	”	لَاتدخلُوا	تا	تُفْلِحُون	پردہ
”	”	لِیَستَاذنکم	تا	سَمِیعٌ عَلِیم	”
۲۲	احزاب	وَاذا	تا	شہیدًا	”
”	”	یَا اَیُّهَا النبی	تا	جَلَابِیبِهِنَّ	”
۲	البقرہ	کُتِبَ علیکم	تا	رَحِیم	میراث
”	”	وَالَّذِینَ	تا	اِخْرَاج	”
۴	النساء	للرجال	تا	معروفًا	”
”	”	یُوصِیکم	تا	عَلِیمٌ حَلِیم	”
۵	”	وَلِکُلٍ	تا	نصیبهم	”
۶	”	قل اللہ	تا	عَلیم	”

پارہ	سورت	آیت			احکام
۷	المائدہ	یَا اَیُّھَا الذین	تا	وَاسْمَعُوا	میراث
۱۰	انفال	وَاُولوا	تا	عَلِیم	"
۲	البقرہ	لیسَ علیکم	تا	مِن رَّبِّکُمْ	بیوع
۳	"	وَاحلَّ اللّٰہُ	تا	الربٰو	سود
"	"	یَا اَیُّھَا الذِینَ	تا	عَلِیم	بیوع
۵	النساء	" "	تا	تراضٍ منکم	"
۱۸	النور	تجارۃ ولا بیع			"
۲۸	الجمعہ	فاذا قضیت	تا	فضل اللّٰہُ	"
۲۹	مزمل	وآخرُونَ	تا	" "	"
۳	البقرہ	اَلَّذِین	تا	خالِدونَ	سود
"	"	یَا اَیُّھَا الذین	تا	تَعلمُون	"
۶	النساء	وَاخذھم	تا	عنہ	"
۲	البقرہ	وَقاتلوا	تا	المتقین	جہاد اور غنیمت
"	"	یَسْئلونَكَ	تا	القتل	جہاد
۵	النساء	خُذُوا	تا	جمیعًا	"
"	"	وَمَا لکم	تا	ضعیفًا	جہاد
"	"	فَان توَلوا	تا	مُبِینًا	"
"	"	اِذَا ضَربتم	تا	خَبِیرًا	"
۹	انفال	یَسْئلونَكَ	تا	وَالرَّسُول	"
"	"	واضربُوا	تا	رسُولہ	"
"	"	اِذَا لَقِیتم	تا	المصِیر	"
"	"	وقاتلوھم	تا	لِلّٰہِ	"

پارہ	سورت	آیت			احکام
۱۰	انفال	وَاعْلَمُوا	تا	السبیل	جہاد
″	″	إِذَا لَقِيتُمْ	تا	محیط	″
″	″	وَاَعِدُّوا	تا	العلیم	″
″	″	فَاِمَّا	تا	خائنین	″
″	″	مَاكَانَ	تا	رَحِيم	″
″	″	اِنَّ الذين	تا	کبیر	″
″	التوبہ	فان تابوا	تا	يَنْتَهُون	″
″	″	اِنَّما المشرکون	تا	صَاغرون	″
″	″	اِنَّ عدة	تا	الکٰفرین	″
″	″	اِنفروا	تا	تعلمون	″
″	″	يَاأيُّهَا النبی	تا	يَنَالوا	″
۱۴	النحل	ان عاقبتم	تا	صابرین	″
۱۷	الحج	أُذِنَ	تا	رَبنا الله	″
۲۲	احزاب	لئن	تا	تبدیلاً	″
۲۶	محمد	فاذا	تا	أَوْزَارَهَا	″
۲۸	الحشر	مَاقَطَعتم	تا	رحیم	″
″	الممتحنہ	إِذَاجَاءَكُم	تا	مومنون	″
۱۰	انفال	اَلَّذِينَ	تا	خَائِنِينَ	غدار خائن
″	″	واعدّوا	تا	حکیم	دشمن سے صلح
″	التوبہ	عاهدتم	تا	المتقین	نقض عہد
″	″	وَاِنْ اَحَدٌ	تا	لایعلمون	پناہ
۳	البقرہ	لَا إِكْرَاهَ	تا	خَالِدُون	اسلام میں داخلہ

پارہ	سورت	آیت	احکام
۲	البقرہ	وَقاتلوا تا المُعتدین	دشمن پر زیادتی
״	״	وَلاتقٰتلوهُم تا علی الظالمین	״ ״
״	״	الشهرالحرام تا مَعَ المتقین	״ ״
״	״	وآتی تا القربیٰ	حقوق العباد
۵	النساء	بالوالدین تا ایمانکم	״
۱۴	النحل	وَإیتاءِ ذِی القُربیٰ	״
۱۵	بنی اسرائیل	وبالوالدین تا غفوراً	״
״	״	وَآتِ تا ابن السبیل	״
״	״	وَإمّا تا میسوراً	״
۱۶	مریم	وبرّاً بوالدیه	״
״	״	وکان تا الزکوٰة	״
״	طٰه	وَأمُر تا الصلوٰة	״
۱۸	النور	وَلا یاتل تا القربیٰ	״
۲۰	العنکبوت	وَوَصّینا تا حُسناً	״
۲۱	الروم	فآتِ تا المُفلحون	״
״	لقمان	وَوَصّینا تا مَعروفاً	״
״	احزاب	أُولو تا مَسطوراً	״
۲۶	الحجرات	وَإنما المؤمنون إخوة	״
۲۸	التحریم	یاأیها الذین تا ناراً	״
۳۰	البلد	یتیماً ذا مقربة	״
۲	البقرہ	هُنّ لباس تا لهُنّ	زوجین
״	״	نساءکم تا لانفسکم	״

پارہ	سورت	آیت			احکام
۲	البقرہ	فَامسَاكٌ	تا	شَيْئًا	زوجین
،،	،،	وَلَاتمسکوھُنَّ	تا	نَفْسَهٗ	،،
،،	،،	وَعَلٰی	تا	عَلَيْهِمَا	،،
۴	النساء	فَإنْ خِفْتُمْ	تا	مَرِيْئًا	،،
،،	،،	الرِّجَال	تا	خَبِيْرًا	،،
۵	،،	وَلَاتعضلُوا	تا	غَلِيظًا	،،
،،	،،	وَإنِ امْرَأَةٌ	تا	خَبِيْرًا	،،
،،	،،	وَلَنْ	تا	حَكِيْمًا	،،
۲۸	التغابن	وَإنْ تَعفُوا	تا	رَحِيْم	،،
،،	الطلاق	اَسْكِنوھُنَّ	تا	اٰتٰھا	،،
۲	البقرہ	وَآتَى المَالَ	تا	الرقاب	غرباء و مساکین اور سائلین
۳	،،	قَولٌ	تا	اَلْأَذٰى	،،
،،	،،	وَإنْ كَانَ	تا	تعلمون	،،
۴	النساء	وَآتوا	تا	فِي اليَتٰمٰى	،،
۵	،،	وَلَاتُوتوا	تا	بِالمَعْرُوفِ	،،
،،	،،	فَمَنْ	تا	،،	،،
،،	،،	وَاليَتٰمٰى	تا	حَلِيمًا	،،
،،	،،	وَمَا يُتْلٰى	تا	بِهٖ عَلِيمًا	،،
۱۵	بنی اسرائیل	وَلاتقربُوا	تا	اَشُدَّهٗ	،،
۱۸	النور	وَلَا يَاتَلِ	تا	اَلْمَسٰكِين	،،
،،	،،	وَالَّذِيْنَ	تا	الدُّنيا	،،
۲۱	الروم	فَآتِ	تا	اَلْمُفْلِحُونَ	،،

پارہ	سورۃ	آیت			احکام
۲۸	الحشر	وَالْیَتَامٰی	تا	مِنکم	غرباء و مساکین اور سائلین
۳۰	الفجر	کَلَّا بَل	تا	مِسْکِین	″
″	البلد	فَكُّ رَقَبَةٍ	تا	مَتْرَبَة	″
″	الضحیٰ	فَاَمَّا	تا	تَنْهَر	″
″	الماعون	یَدُعُّ	تا	المسکین	″
۱۶	الکہف	فَانْطَلَقَا	تا	عَلَیْهِ اَجْرًا	مہمان
۳	البقرہ	یَا اَیُّهَا الَّذِیْن	تا	الکافرین	سائل
۱	″	وَاِذْ اَخَذْنَا	تا	معرضون	یتیم
۲	″	وَیَسْئَلُوْنَكَ	تا	حَکِیم	″
۴	النساء	وَآتُوا الْیَتَامٰی	تا	حَسِیْبًا	″
″	″	وَاِنْ خِفْتُمْ	تا	اَنْ لَا تَعُولُوا	یتیم لڑکی
۲	البقرہ	لَیْسَ الْبِرّ	تا	فی الرقاب	فقیر، مسافر
۳	″	لِلْفُقَرَاءِ	تا	عَلِیْم	″
۶	المائدہ	یَا اَیُّهَا الَّذِیْن	تا	تعلمون	دشمن
″	″	سَمّٰعُوْن	تا	الْمُقْسِطِیْن	″
۹	انفال	اِذَا	تا	قلوبهم	آداب ذکر
۹	اعراف	اِذَا	تا	ترحمون	آداب قرآن
″	انفال	اِذَا	تا	ایمانًا	″
۰	التوبہ	فَزَادَتهم	تا	یَسْتَبْشِرُوْن	″
۲۶	الحجرات	لَا تُقَدِّمُوا	تا	واتقوا الله	آداب النبی ص
″	″	وَلَا تَجْهَرُوا	تا	لَا تَشْعُرُوْن	″
″	″	وَلَا تَرْفَعُوا	تا	صَوْتَ النَّبِیِّ	″

پارہ	سورت	آیت			احکام
۲۶	الحجرات	اِنَّ الَّذِین	تا	عَظِیم	آدابِ النبیؐ
۱۸	النور	فِی بُیُوتٍ	تا	ذکراللّٰہ	آدابِ مسجد
۱۵	الکہف	ھَل	تا	رشدا	آدابِ شیخ
"	"	وَلَا اَعصِی	تا	امرًا	"
"	"	فَلَا	تا	ذکرًا	"
"	"	وَلَا تُؤَاخِذنِی	تا	عسرًا	"
۲۱	لقمان	وَوَصَّینا	تا	وَلِوَالِدَیكَ	والدین
"	"	وَصَاحِبهُمَا	تا	معروفًا	"
۲۶	الحجرات	اِنَّمَا المُؤمِنُونَ			آدابِ معاشرت
"	"	وَلَا یَسخَر	تا	مِنهُم	"
"	"	وَلَا یَلمِزُوا			"
"	"	وَلَا نِسَاء			"
"	"	وَلَا تَنَابَزُوا			"
"	"	وَاجتَنِبُوا	تا	اِثم	"
"	"	وَلَا تَجَسَّسُوا			"
"	"	وَلَا یَغتَب	تا	بَعضکم	"
۵	النساء	وَاِذَا	تا	حَسِیبًا	آدابِ سلام

خصوصیاتِ آیاتِ احکام

سطورِ بالا میں ہم نے نہایت محنتِ شاقہ کے بعد آیاتِ احکام کی فہرست پیش کی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ بعض آیات اور بھی رہ گئی ہیں یہ وہ آیات ہیں کہ جن میں صاف اور واضح طور پر متعلقہ حکم موجود ہے لیکن جن آیات سے اشارۃً یا دلالۃً

یا اقتضاءً کوئی حکم ثابت ہے وہ آیات علیحدہ ہیں اس طرح سے جن حضرات نے آیاتِ احکام کی تعداد پانچسو یا چھ سو بتلائی ہے وہ بھی حق بجانب ہیں۔

جس قدر بھی آیات احکام ہیں ان میں کیا خصوصیات ہیں؟

۱۔ احکامات پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ بتایا جائے کہ اگر عمل کیا گیا تو اس سے فلاں فائدہ ہے اور نہ عمل کیا گیا تو فلاں نقصان ہے تاکہ لوگوں کو رغبت پیدا ہو چنانچہ آیاتِ احکام کے بعد المفلحون الظالمون، المعتدین وغیرہ صیغے اسی چیز کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور یہ قرآن پاک کا داعیانہ اسلوب ہے اور یہ صرف قرآن پاک ہی کی خصوصیت ہے۔

۲۔ آیات احکام کے بعد تعریفی کلمات بھی موجود ہیں مثلاً تقویٰ یا اللہ تعالےٰ ایسے لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

۳۔ آیات احکام کے بعد تنبیہی کلمات بھی موجود ہیں جیسے تم جانتے ہو، کیا تم نہیں جانتے وغیرہ

۴۔ آیات احکام کے بعد اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور اس کے غلبہ و قوت کا اظہار بھی کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم رہے کہ اگر وہ تساہل کرینگے تو اللہ تعالےٰ سب دیکھتا ہے جانتا ہے۔

۵۔ آیات احکام کے بعد سزا و عقاب کا بھی ذکر ہے جس سے ڈرانا دھمکانا مقصود ہے۔

۶۔ آیاتِ احکام کے بعد انعاماتِ جنت کا بھی ذکر ہے جس سے رغبت دلانا مقصود ہے وغیر ذلک۔

یہی وجہ ہے کہ دنیاوی دستور کے تحت روز بروز جرائم کی مقدار اور تعداد بڑھتی رہتی ہے اور مجرمین بھی ایسے محیر العقول جرائم کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں کہ دستور بھی ان کا احاطہ کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اور یہ بات اسلامی قانون میں

نہیں ہے یہ بھی قرآن پاک کے شعار اللہ ہونے کی ایک دلیل ہے۔

ترتیب قرآن پاک

آیات احکام قرآن پاک کی جو فہرست ہم نے گذشتہ صفحات میں پیش کی ہے وہ آیات قرآن پاک کی متفرق سورتوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور وہ سورتیں اور آیات مختلف اور متفرق ادوار اور اوقات میں نازل ہوئی ہیں اگر قرآن پاک کلام الٰہی یا آسمانی کتاب نہ ہوئی ہوتی تو اس کو اسی ترتیب سے مدوّن ہونا چاہئے تھا جسطرح تاریخ مدوّن ہوتی ہے (جیسا کہ سطور ذیل میں بعض تجدد پسندوں کا خیال ہے) لیکن قرآن پاک چونکہ کلام الٰہی اور آسمانی کتاب ہے اس لئے اس کی موجودہ ترتیب وہی ہے جو خدا کی تجویز کردہ ہے اور اس کے یہاں لوح محفوظ میں موجود ہے

قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (البروج) قرآن مجید لوح محفوظ میں ہے

اور لوح محفوظ میں وہی ترتیب ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے" قرآن پاک کو اللہ تعالےٰ نے بہت جگہ "الکتاب" یا کتاب مبین" فرمایا ہے، وہ کتاب کیا ہے، کیا اس کی ترتیب ہے؟ لفظ کتاب خود اس پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ مرتب ہے منتشر نہیں ہے اور وہ جس ترتیب میں ہے وہ لوح محفوظ میں موجود ہے اسکی ترتیب میں کسی انسان کے تصرف کو دخل نہیں ہے، جس ترتیب میں وہ آج ہمارے پاس ہے اسی ترتیب میں وہ شعار الٰہی ہے سطور ذیل میں ہم اس ترتیب پر کچھ اعتراضات اور ان پر اپنی تنقید پیش کر رہے ہیں۔

پروفیسر محمد اجمل خانصاحب نے سیرت قرآنیہ کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی اس کا ایک اقتباس اکتوبر ۱۹۵۶ء میں "مدینہ" اخبار کے "رسول نمبر" میں شائع

ہوا تھا اس پر راقم الحروف نے ایک طویل تنقید کی تھی جو ۲۱ نومبر ۱۹۵۶ء اور ۱۷ فروری ۱۹۵۷ء اور ۱۳ اپریل ۱۹۵۷ء کو مدینہ بجنور میں شائع ہوئی تھی۔ اس تنقید کا خلاصہ اور وہ قابل اعتراض اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے پروفیسر صاحب نے لکھا ہے:-

> قدامت پرستوں کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ جس کسی نے اپنے زمانہ کے توہمات کے خلاف آواز اٹھائی تو اسے قتل کر دیا گیا اگر وہ کسی طرح بچ گیا تو خود اس کے پیغام کو مسخ کر دیا گیا اور مصلح و ہادی کی تعلیم کو وہ معنی پہنائے جو خود ان کے دلوں میں رچے ہوئے تھے ہندوستان میں بدھ مذہب کا یہی حشر ہوا مسیحیت کے متعلق اس کے سینکڑوں فرقے گواہ ہیں کہ وہ حقیقت سے کسقدر دور ہو گئے ہیں! یہی حال اسلام کا ہوا اسلامی تعلیم کیساتھ سب سے بڑی مشکل کی بنیاد ۳۰ھ سے پڑی جبکہ سرکاری حکم سے قرآن کی خدائی ترتیب کو ایک خاص انداز پر متعین کر دیا گیا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر صحابہؓ کے اختلاف کے باوجود وہی ترتیب مفسروں کے لئے باقی رہ گئی۔ اگر قرآن کی خدائی ترتیب باقی رہتی تو کوئی یہ نہ کہتا کہ قرآن تفسیر بالرائے کرنے والوں کی منطق کا محتاج ہے اور انسانی سوسائٹی کو عقل و شعور یعنی جمہوریت[ع] سے محروم کر کے پھر فقیہوں یا پروہتوں کے رحم و کرم پر چھوڑا گیا ہے[1]

مصنف نے ترتیب قرآن کو ۳۰ھ کا واقعہ بیان کیا ہے ساتھ ہی مصنف کو یہ بھی غلط فہمی ہے کہ وہ موجودہ ترتیب قرآن کو خدائی ترتیب تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسکو ۳۰ھ کا اجتہادی نتیجہ قرار دیتے ہیں مصنف کی اس غلط فہمی کے

ع عقل و شعور کا ترجمہ لفظ "یعنی" کے بعد جمہوریت سے کرنا کسی ذہنی پستی کی علامت ہے اللہ تعالیٰ ارتداد ذہنی سے بچائے آمین۔

[1] مدینہ بجنور ۲۱ نومبر ۱۹۵۶ء

بارے میں ملاحظہ فرمائیے :-

وما اشتهر ان جامعه عثمان رضؓ فهو على ظاهره باطل لان عثمان رضؓ انما حمل الناس فى سنة خمس وعشرين على القرأة بوجه واحد باختيار ما وقع بينه وبين المهاجرين والانصار لما خشى الفتنة من اختلاف اهل العراق والشام فى حروف القرأة وايضاً قال العلامة فى حاشية تفسير روح المعانى وقيل فى حدود سنة ثلاثين ولا سند له [1]

اور یہ جو مشہور ہوگیا ہے کہ قرآن پاک کے جامع حضرت عثمان رضؓ ہیں وہ ظاہراً باطل ہے اس لئے کہ موصوف نے تو ۲۵ھ میں لوگوں کو ایک قرأت پر حضرات مہاجرین و انصار کے مشورہ کے بعد مجتمع کردیا تھا کیونکہ اہل عراق و شام کے حروف قرأت میں اختلاف سے فتنہ کا خوف پیدا ہوگیا تھا (علامہ نے) اپنی تفسیر کے حاشیہ میں بیان کیا ہے اور یہ بھی قول ہے کہ یہ واقعہ ۳۰ھ کا ہے لیکن اسکی کوئی سند نہیں ہے۔

اس جگہ اتنی بات اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں عام طور سے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے اپنے اس مصحف کے علاوہ دوسرے مصاحف کو جلا دینے کا حکم دیدیا تھا[2]۔ صاحب تفسیر روح المعانی نے تردید کی ہے یہ بربنائے فساد ایسا کیا تھا۔ اس جگہ حضرت ابن مسعود رضؓ کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے انہوں نے فرمایا تھا اگر میرے پاس طاقت ہوتی تو میں بھی مخالفین کے ساتھ وہی کرتا جو انہوں نے میرے ساتھ کیا ہے، صاحب تفسیر روح المعانی نے بیان کیا ہے کہ یہ اثر موضوع ہے شیعہ حضرات نے گھڑ لیا ہے [3]

قرآن پاک کی موجودہ ترتیب خدائی ترتیب ہے یہی لوح محفوظ میں ہے اور یہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ ترتیب ہے اسی پر

---

[1] روح المعانی ص ۲۳ ج ۱ [2] روح المعانی ص ۲۳ ج ۱

اجماع ہے اور اس کو اجتہادی ترتیب (یا سرکاری ترتیب) کہنا غلط ہے ملاحظہ فرمائیے :-

الفائدة السادسة فی جمعہ القرآن وترتیبہ اعلم ان القرآن جمع اولاً بحضرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم نقلا اخرج الحاکم بسند علی شرط الشیخین عن زید ابن ثابت رض قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن فی الرقاع وثانیاً بحضرة ابی بکر رض [۱]	چھٹا فائدہ جمع اور ترتیب قرآن میں۔ جان لینا چاہئے کہ قرآن پاک کو اولاً حضور صلعم کی موجودگی میں جمع کیا گیا حاکم نے شیخین کی شرائط کے مطابق سند سے حدیث بیان کی ہے کہ زید بن ثابت رض فرماتے ہیں کہ ہم حضورم کی موجودگی میں ٹکڑوں میں قرآن پاک جمع کیا کرتے تھے پھر ہم نے دوسری مرتبہ حضرت ابوبکر رض کی موجودگی میں جمع کیا۔
وعن انس رض قال جمع القرآن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعة کلہم من الانصار ابی بن کعب، معاذ بن جبل و ابوزید وزید بن ثابت رض [۲]	حضرت انس رض فرماتے ہیں کہ حضورم کے زمانے میں چار آدمیوں نے قرآن پاک جمع کیا اور وہ سب انصاری تھے یعنی ابی بن کعب، معاذ بن جبل، ابوزید اور زید بن ثابت رض

اب یہ اشکال کہ قرآن پاک عہد نبوی میں جمع ہوچکا تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رض نے دوبارہ کیوں جمع کرایا اس کا جواب یہ ہے کہ عہد نبوی میں قرآن پاک اگرچہ جمع ہوچکا تھا لیکن یکجائی طور پر (کتابی صورت میں) جمع نہیں ہوا تھا ایک مجلد کتاب کی صورت میں عہد صدیق اکبر رض میں جمع ہوا اور وجہ اس کی یہ ہے :

وانما ترك جمعه فی مصحف	قرآن پاک عہد نبوی میں ایک صحیفہ میں

[۱] روح المعانی ص۲۳ ج۱ [۲] جمع الفوائد ص۱۲۷ ج۲ تفسیر خازن ص۹ ج۱ رواہ الشیخین و ترمذی۔

واحد لان النسخ كان يرد على بعضه يرفع الشئ بعد الشئ من التلاوة[1]

اس وجہ سے جمع نہیں کیا تھا کہ نسخ بعض آیات پر وارد ہوتا رہتا تھا اسطرح پر کہ بعض آیات کو منسوخ التلاوۃ قرار دیدیا جاتا تھا۔

لہٰذا عہد نبوی کے بعد جب یہ وجہ باقی نہ رہی تو قرآن پاک کو یکجائی طور پر جمع کر دیا گیا

اب یہ اشکال باقی رہا کہ جب حضور ؐ کے زمانے میں قرآن پاک جمع ہوا تو وہ موجودہ ترتیب پر تھا یا ترتیب نزولی پر تھا فاضل مصنف نے تو یہ بیان کر دیا ہے

سورتوں کی جو ترتیب موجودہ مخطوطہ یا مطبوعہ قرآنوں میں ہے وہ تاریخی نہیں ہے اور نہ کوئی حدیث صحیح ایسی موجود ہے کہ یہ کہا جا سکے یہ ترتیب خود آنحضرت صلعم کی دی ہوئی ہے[2]

مصنف کے اس قول کے مقابلے میں امت کے بہت بڑے مفسر قرآن کی تحقیق ہے۔

وقد صح عن ابن عباس رضؓ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کان یعرض القرآن علی جبرئیل فی کل عام مرۃ فی رمضان وانہ عرضہ فی العام الذی توفی فیہ مرتین ویقال ان زید بن ثابت رضؓ شہد العرضۃ الاخیرۃ التی عرضہا

صحیح روایت ابن عباس رضؓ کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کو سال میں ایک مرتبہ رمضان شریف میں جبرئیل عؑ پر پیش کیا کرتے تھے اور جس سال آپکا وصال ہوا تو اس سال دو مرتبہ پیش کیا اور کہا گیا ہے کہ اس مرتبہ حضرت زید بن ثابت بھی شریک تھے اور یہ وہی دفعہ ہے کہ

---

[1] تفسیر خازن ص۹ ج۱ [2] اخبار ”مدینہ“ (جنوری سنہ [illegible]ء) آج کل بڑی مشکل یہ ہے کہ حدیث کی کوئی کتاب پڑھنی نہیں آتی اور نہ حدیث ہی کو جانتے ہیں اور نہ اس کا ترجمہ کر سکتے ہیں مگر معلوم نہیں کس بنیاد پر دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔

رسول الله صلى الله عليه وسلم
على جبرئيل عليه السّلام وهى
العرضة التى نسخ فيها ما نسخ
وبقى فيها ما بقى ولهذا اقام ابوبكرؓ
زيد بن ثابت رضؓ فى كتابة المصحف
والزمه بها لانه قرأ على النبى
صلى الله عليه وسلم فى العام الذى
توفى فيه مرتين وكان جمع القرآن
سببًا لبقائه فى الأمة ۱؎
وكان رسول الله صلى الله
عليه وسلم يلقن اصحابه ويعلّمهم
ما ينزّل عليه من القرآن على ترتيب
الذى هو الآن فى مصاحفنا
بتوقيف جبرئيل عليه السلام
اياه على ذلك واعلامه عند
نزول كل اية ان هذه الأية
تكتب عقب اية كذا فى سورة
كذا فثبت ان سعى الصحابة
كان فى جمعه ولا فى ترتيبه فان
القرآن مكتوب فى اللوح المحفوظ
على النحو الذى هو فى مصاحفنا
الآن ۲؎

جو کچھ منسوخ ہونا تھا وہ منسوخ ہو گیا
تھا اور جو باقی رہنا تھا وہ باقی رہ گیا تھا
اسی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زیدؓ
کو کتابت مصحف کے لئے قائم کیا تھا کیونکہ
انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا جس سال وصال ہوا تھا اس سال
دو مرتبہ قرآن پاک پڑھا تھا بہرحال
جمع قرآن پاک امت میں اس کی بقاء
اور تحفظ کے لئے تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو جتنا
قرآن نازل ہوتا اتنا بتلا دیا کرتے اور سکھلا دیا
کرتے تھے اور وہ اسی ترتیب پر تھا جس
ترتیب پر آج ہمارے مصاحف میں موجود
ہے اور یہ حضرت جبریل ع کی توقیف
سے تھا کہ وہ نزول کے وقت بتلا دیا کرتے
تھے کہ یہ آیت فلاں آیت کے بعد فلاں
سورۃ میں لکھی جائے لہذا ثابت ہوا کہ
حضرات صحابہ کی کوشش جمع قرآن کے
بارے میں تھی ترتیب قرآن کے بارے
میں نہیں تھی بلاشبہ قرآن پاک جس
ترتیب پر لوح محفوظ میں ہے اسی ترتیب پر
آج بھی ہمارے مصاحف میں ہے

۱؎ تفسیر خازن ص۹ ج۱ ۲؎ ایضاً۔

اسی کے اوپر اجماع ہے لہذا یہ کہنا کہ یہ ترتیب اجتہادی ہے [۱] اور بقول مصنف "سرکاری" ہے جو زبردستی تھوپ دی گئی تھی غلط ہے علامہ سید محمود آلوسی اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ آیات اور سور کی ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ ہے ترتیب آیات کے توقیفی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور ابن حجر کا یہ قول کہ "یہ ترتیب اجتہادی ہے" مردود ہے اس کو کسی نے قبول نہیں کیا [۲]

مصنف نے اتقان کے حوالہ سے حضرت علی رض کا ایک اثر، اجنوری ۱۹۵۶ء کے مدینہ میں نقل کیا ہے اور اتنا خیال نہ کیا کہ اس اثر کی تحقیق کریں یا اس اثر کا جو مطلب محدثین نے بیان کیا ہے اس پر غور فرمائیں تاکہ حق بات سامنے آجائے۔ حضرت علی رض کا وہ اثر اور محدثین کی رائے ملاحظہ فرمائیے:-

عن علی رض انہ قال لما مات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نذرت ان لا آخذ ردائی اِلّا لصلوۃ الجمعۃ حتی اجمع القرآن فجمعہ [۳]	حضرت علی رض فرماتے ہیں کہ جب حضور کا وصال ہوا تو میں نے قسم کھائی کہ جب تک قرآن پاک جمع نہ ہو جائیگا میں چادر بجز نماز جمعہ کے نہ اوڑھوں گا لہذا انہوں نے قرآن پاک جمع کر لیا

یہ وہ روایت ہے جس کو مصنف نے بڑی دھوم دھام سے نقل کیا ہے میں مصنف سے سوال کرتا ہوں روایت میں "فجمعہ" راوی کا اضافہ ہے یا حضرت علی رض کا مقولہ ہے۔ ونیز روایت سے مطلقاً جمع قرآن ثابت ہے یا کچھ اور؟ روایت صحیح ہے یا ضعیف؟ جب تک اتنے مراحل نہ طے ہو جائیں اس وقت تک مصنف کی رائے نہایت کمزور اور لچر ہے اس روایت کے بارے میں علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری نے عمدۃ القاری میں تحریر فرمایا ہے

---

[۱] روح المعانی ص۲۳ ج ۱ [۲] مطبوعہ مضمون اخبار مدینہ ۲۱ رنومبر ۱۹۵۶ء

[۳] فتح الباری ص۱۰ ج ۹ عمدۃ القاری ص۳۰ ج ۹ ۔

قلت واسنادہٗ ضعیف لانقطاعہ وان سلمنا کونہ محفوظاً فمرادہ بجمعہٖ حفظہٗ فی صدرہٖ
میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے اسناد منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں اور اگر ہم اس کو محفوظ تسلیم کرلیں تو جمع سے مراد حضرت علیؓ کا قرآن پاک کو سینہ میں محفوظ کرلینا ہے لہ

میں مصنف سے سوال کرتا ہوں حدیث منقطع قابل استدلال ہوتی ہے یا نہیں؟ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں

والذی وقع فی بعض طرقہٖ حتیٰ جمعہٗ بین اللوحین وَھم من راویہ ٢ہ
اور اس حدیث کے بعض طرق میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضؓ نے دو تختیوں کے درمیان جمع کرلیا تھا" یہ اس کے راوی کا وہم ہے

بہرحال کسی چیز کے ثابت کرنے کے لئے جب تک صاحب فن کی رائے کو نہ معلوم کرلیا جائے اس وقت تک اس چیز کے بارے میں فیصلہ غلط ہے اول تو مصنف کو چاہیئے تھا کہ اس باب میں اوراق گردانی کرتے اور پھر کسی صاحب فن سے دریافت کرتے ایک جگہ مصنف نے لکھا ہے کہ امام مالک صاحب رحؒ نے قرآن پاک کی موجودہ ترتیب کو ترتیب اجتہادی کہا ہے یہ بھی غلط ہے اتقان کی عبارت جو مصنف کا بھی ماخذ ہے ملاحظہ فرمائیے

قال الزرکشی فی البرھان و الخلاف بین الفریقین لفظیٌ ٣ہ
زرکشی نے برہان میں کہا ہے کہ دونوں فریق کے درمیان یہ لفظی اختلاف ہے

اتقان کی دوسری عبارت ملاحظہ فرمائیے :-

قال البغوی فی شرح السنۃ ان الصحابۃ رضؓ جمعوا بین الدفتین القرآن الذی انزل اللّٰہ علےٰ
بغوی نے شرح السنۃ میں کہا ہے کہ صحابہؓ نے دو دفتیوں کے درمیان قرآن پاک جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا جمع

لہ عمدۃ القاری ص۱۷ ج۹ ٢ہ فتح الباری ص۱ ج۹ ٣ہ اتقان ص۶۲ ج۱

رسوله من غیر ان زادوا ا و نقصوا منه شیئاً (الیٰ قوله) فکتبوا کما سمعوا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر ان قدموا شیئاً او اخروا شیئاً او وضعوا ترتیباً لم یاخذوہ من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم [1]

کر لیا تھا بغیر اس کے کہ اس میں کچھ کمی یا زیادتی کریں (الیٰ قولہ) لہذا انہوں نے جیسا سنا ویسا ہی لکھ لیا بغیر اس کے کہ اس میں کوئی تقدیم یا تاخیر کریں یا کوئی ایسی ترتیب قائم کریں جسکو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو

قد حصل الیقین من النقل المتواتر بھذا الترتیب من تلاوۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (اتقان)

اس پر یقین ہے کہ یہ ترتیب حضورؐ کی تلاوت سے جو نقل متواتر سے ثابت ہے۔

وقال البیھقی فی المدخل کان القرآن علےٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتباً سورۃ و ایاتہ بھذا الترتیب (اتقان)

اور بیہقی نے مدخل میں کہا ہے کہ قرآن پاک حضورؐ کے زمانہ میں بھی اسی ترتیب کے ساتھ اپنی سورتوں اور آیتوں کے ساتھ مرتب تھا۔

اور بخاری شریف کی وہ حدیث کہ جس میں جمع قرآن کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کا تبادلہ خیال ہے اسوقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:۔

کیف افعل شیئاً لم یفعلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

میں وہ کام کیسے کروں جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو۔

یہ کام کی اہمیت اور ان کی انکساری پر دلالت کرتا ہے نہ یہ کہ چونکہ حضورؐ نے یہ کام نہیں کیا تھا اسوجہ سے بدعت ہے حضرت عمرؓ کے اصرار کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی سمجھ میں جب بات آگئی تو انہوں نے جمع قرآن کا حکم

---

[1] اتقان صـ ۶۲ ج ۱

صادر فرمادیا ورنہ پھر (نعوذ باللہ) حضرت ابوبکر رض پر اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ایک غلط کام کا حکم صادر فرمایا [۵۱]

کیا قرآنِ پاک فکر نبوی ہے

اجمل صاحب نے دوسری غلط بات خود قرآن پاک کے بارے میں تحریر فرمائی ہے،

"اس دنیا کی بھوک اور دکھ سے نجات یا فراغت کا معاملہ دونوں کے متعلق رسول عربی ص نے اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر اور تاریخ کے گہرے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالا تھا کہ شاہی اور پروہتی ختم کی جائے اور عقل کی شہنشاہی قائم ہو یہ تصور خدا کے کرم وفضل سے ان کے دل ودماغ پر بچپن ہی سے چھا گیا تھا اور آخر کار چالیس سال کی عمر میں پہونچ کر وہ پاکیزہ افکار اُبل پڑے جو قرآن کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ [۵۲]

کلام اللہ بہرحال کلام اللہ ہے، کلام الرسول جس کو حدیث یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے اس کو بھی فکر نبوی قرار دینا غلط ہے اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے

وما ینطق عن الھویٰ ان ھو	وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے وہ تو
الا وحی یوحیٰ (الآیۃ)	وحی ہے جو ان کی طرف بھیجی گئی ہے

قرآن پاک کے بارے میں ڈھٹائی کے ساتھ یہ اظہار خیال اس آدمی کا ہرگز نہیں ہو سکتا جو قرآن پاک کے کلام اللہ ہونے پر ایمان رکھتا ہے بلکہ ایمان سے کورا آدمی یہ کہنے میں آزاد ہے آخر کفار مکہ بھی تو اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے دل لرز اٹھتا ہے کہ اس قسم کا عقیدہ رکھنے والوں کو زمین کس طرح تھامے ہوئے ہے ہم نے اس قسم کے لوگوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ ایسے ہو گئے کہ ان کی ماں نے ان کو جنا ہی نہیں تھا۔ شعار اللہ قرآن پاک کی عظمت کا اعتراف نہ کرنا بلکہ اس کی اہانت کرنا اور اس کا انکار کرنا بڑے

---

[۵۱] مضمون مطبوعہ ۱۷ر فروری ۵۷ء [۵۲] مدینہ ۲۸ر اکتوبر ۵۶ء

عذاب کا پیش خیمہ ہے۔

قرآن پاک ہندی رسم الخط میں

قرآن پاک پر ایمان لانے کے بعد اور اس کو کلام الٰہی تسلیم کر لینے کے بعد یہ کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ فرمان الٰہی کا ترجمہ تو کیا جا سکتا ہے مگر اس کو اسی رسم الخط میں رکھا جائیگا جو عربی زبان کا رسم الخط ہے۔ یاد رہے سرکاری زبان بہر حال سرکاری زبان ہوتی ہے۔

ہر زبان کی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں جو اس کے اپنے ہی رسم الخط میں محدود ہوتی ہیں اس کے ذاتی رسم الخط سے باہر اور کسی بھی رسم الخط میں اگر اس کی کتابت کی جائے تو وہ اپنا حسن ہی نہیں بلکہ اور کچھ بھی کھو بیٹھتی ہے۔ خصوصًا وہ زبانیں جن کے رسم الخط میں تضاد ہے مثلاً ہندی اولٹے ہاتھ کی طرف سے لکھی جاتی ہے اور فارسی اور عربی سیدھے ہاتھ کی طرف سے لکھی جاتی ہے ان میں سے اگر ہندی زبان کی کسی کتاب کو مع اس کے حروف کی اصوات کو برقرار رکھتے ہوئے عربی یا فارسی زبان میں کتابت کی جائے تو ناممکن ہی نہیں محال ہے مثلاً ایک لفظ (شبد) "ڈھال" ہے بعینہٖ اسکو مع بقائے صوت عربی میں منتقل کرنا ناممکن ہے کیونکہ عربی میں کوئی حرف ایسا نہیں جو "ڈھ" (ढ) کا تلفظ ادا کر سکے اردو والوں نے اس کی ادائگی کے لئے دو حرف (ڈ + ھ) سے کام لیا ہے عربی والے اس کو "دال" کہیں گے اس صورت میں "دال" عربی کے اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی دلالت کرنے والا۔

اسی طرح ہندی کا دوسرا لفظ "ڈر" ہے عربی میں اس کو "دَرّ" کہا جائے گا کیونکہ عربی میں "ڈال" (ड) کی آواز کو ظاہر کرنے والا کوئی حرف نہیں ہے یہی لفظ جس کے معنی خوف کے تھے عربی میں کتابت کرنے کے بعد اس کے معنی دودھ کے ہونگے اسی طرح "جھول" (झूल) "پھول" (फल) "تھل" (थल) "پھل" (फल) "جھیل" (झील) "ڈھیل" (ढील)

وغیرہ ثقیل الفاظ ہیں جنکو اردو والوں نے دو حرف سے مرکب کر کے اپنے یہاں
استعمال کیا ہے۔

اسی طرح سے عربی کے کچھ حروف اور ان سے مرکب الفاظ ایسے ہیں
جن کی ادائیگی کے ہندی حروف متحمل نہیں ہیں مثلاً عربی میں حرف ضؔ کا
ایک خاص تلفظ ہے جس کو ہندی کا کوئی حرف نہیں ادا کر سکتا اس حرف
سے مرکب ہونے والے الفاظ کے ایک خاص معنی ہیں جو دوسرے حرف
کے ساتھ مرکب کرنے کی صورت میں ادا نہیں ہو سکتے مثلاً ضَلَّ (گمراہ ہوا)
ضال (گمراہ ہونے والا) ضلیل (گمراہی) اسکو ہندی کے حروف میں یوں لکھا
جائیگا (दल्ला) یا (जल्ला) یا (ज़ल्ला) یعنی دَلّا۔ جَلّا۔ زَلّا
ان اصوات کے بدلنے کی وجہ سے یہ معنی ہونگے (۱) اس نے دلالت کی۔
(۲) وہ باعظمت یا بڑا ہوا۔ (۳) وہ پھسل گیا یا اس نے پھسلا دیا۔ اسی طرح
دوسرا لفظ "ضال" جس کو ہندی میں (दाल) لکھا جائیگا اس صورت میں
دونوں کے معنی میں تضاد ہوگیا ضاؔل کے معنی گمراہ ہونے والا اور داؔل کے
معنی دلالت کرنے والا ہیں۔

عربی کے کچھ حروف کو ہندی والوں نے اردو کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے
ہوئے اپنے یہاں استعمال کیا ہے مثلاً ف، फ़ ۔ ق، क़ ۔ ز، ज़
وغیرہ لیکن جیسا کہ ہم اوپر ظاہر کر آئے ہیں بہت سے حروف میں فریقین ناکامیاب
رہے ہیں اور اس معاملہ میں وہ بے قصور ہیں

اس کے بعد حرکات کا معاملہ ہے جس کو ہندی میں ماترا کے ذریعہ دکھایا جاتا
ہے اس میں بھی یہی گل کھلتا نظر آئے گا اور کچھ ایسی حرکات آجائیں گی جس سے
ہندی کا دامن خالی ہے مثلاً ہمزہ اس کی ادائیگی ایک خاص طرح سے کی
جاتی ہے اگر اس کو اس کی مقدار سے گھٹا بڑھا کر استعمال کر دیا جائے تو پھر
معنی بدلنے لگتے ہیں۔

عربی میں ایک تلفظ کے کئی کئی حروف آگئے ہیں جن کی ادائیگی اور مخرج
میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے مگر معنی میں بعض دفعہ تضاد اور اکثر بڑا فرق ہوتا ہے ہندی
میں اس کا کوئی حل نہیں ہے مثلاً سرف ۔ صرف جنس کے اعتبار سے تقریباً
ایک ہی ہیں لیکن ان کے مخرج میں فرق ہے حرف س کی ادائیگی منہ کے جس
حصہ سے ہوتی ہے ص کی ادائیگی میں اس کی ہیئت کو بدلنا پڑتا ہے اسی اختلاف
صوت کی وجہ سے معنی بھی بدل جاتے ہیں یعنی صرف (گردان کرنا) سرف (فضول
خرچی کرنا) ہندی میں ان دونوں کا املا یہ ہوگا (सर्फ) یعنی ص اور س
کے لئے ہندی میں صرف स ہے اور س یہ حرف کبھی ص سے مرکب لفظ کے
معنی نہیں بیان کرتا۔ اور لیجئے حرف ط ۔ ت ، ان دونوں کا مخرج ایک ہے
لیکن ادائیگی تلفظ میں فرق ہے اس فرق کی وجہ سے معنی میں بھی فرق ہے
مثلاً طاب اور تاب اول لفظ کے معنی اچھا ہوا ، اور دوسرے لفظ کے معنی
اس نے توبہ کی۔ اس کو ہندی میں ایک ہی تلفظ میں یوں لکھا جائیگا (ताब)
اس تلفظ کے دو معنی ہرگز نہیں پیدا ہو سکتے کیونکہ ط ۔ ت کے اختلافِ صوت
سے معنی میں جو فرق ہوا ہے اس کو ہندی کا "تے" (त) پورا کرنے پر قادر نہیں ہے
پھر مذکورہ لفظ کے املا میں دوسری خرابی اور پیدا ہوگئی ہے تا ۔ طا کے بعد بقدر
ایک الف کے حرکت بڑھ گئی ہے یعنہ وہ حرکت ता کے بعد بڑھ گئی ہے ۔ عربی
کتابت کی صورت میں واحد کا صیغہ تھا ، ہندی کتابت کی صورت میں وہ تثنیہ کا صیغہ
بن گیا ہے اس صورت میں توحید خداوندی میں بھی فرق آجائے گا ۔

ایک مطبوعہ پارہ ہندی حال ہی میں پارہ "عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ" مطبوعہ
بھوپال پرکاشک (ناشر) عبدالعزیز صاحب
و مولوی محمد عمر خاں صاحب ۔ مرتب ، مولوی خداداد خاں صاحب ہاشمی ، میری نظر
سے گذرا میں نے اس پورے پارہ کو پڑھا اور اس چیز سے اور بھی دکھ ہوا کہ اس کے
مرتب کوئی مولوی صاحب ہیں ۔

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے

معلوم ہوا ہے کہ گذشتہ ایام میں بھی اس پر احتجاج کیا گیا تھا معلوم نہیں کہ یہ وہی پارہ ہے یا اور کوئی۔ اگر وہی ہے تو اس مضمون کے ذریعہ سے علمی نقطہ نظر سے عوام اور خواص کو آگاہ کرنا مقصود ہے اور اگر یہ پارہ کوئی دوسرا پارہ ہے کہ جس پر ابھی تک کوئی نوٹس نہیں لیا گیا تو اس مضمون سے تنبیہہ اور احتجاج کرنا مقصود ہے تاکہ اس پارہ کو بھی بند کر دیا جائے۔ تحقیق و تفتیش اس میدان میں کام کرنے والی جماعتوں کے سپرد ہے اس وقت میں اس پارہ کے اقتباسات پر تبصرہ کر رہا ہوں۔

۱۔ عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ   अम्मा यतासाअलून

یہ لفظ عربی میں عنؔ اور مَاؔ سے ملا کر بنایا ہے۔ عنؔ کو مؔ میں ادغام کیا ہے اور آخر سے الف کو حذف کر دیا ہے جس کا ترجمہ ہے کسی چیز کے بارے میں آپس میں سوال کرنا۔ اب آئیے ہندی حروف سے جو لفظ بنا ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ ہندی میں عؔ کی آواز کو الف "अ" سے ادا کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لفظ ادائیگی اور املا کے اعتبار سے الف + م + م + الف = یعنی اَمَّا ہوا۔ عربی میں یہ لفظ حرف شرط کہلاتا ہے جو ان + ما۔ اَمَّا بنایا گیا ہے معنی کے اعتبار سے اکثر اسکو تفصیل کبھی تاکید کے لئے استعمال کرتے ہیں گویا اس لفظ سے ماقبل کی تفصیل یا تاکید بیان کی جاتی ہے حالانکہ مذکورہ آیت تفصیل کے لئے نہیں ہے بلکہ سوالیہ جملہ ہے۔ اس کے بعد دوسرے لفظ پر غور فرمائیے!

۲۔ عَلَیْہِمْ   अलयआहिम

یعنی لام مفتوح اور یا ساکن کو مزید الف ممدودہ۔ آ۔ आ کے ساتھ دکھلایا گیا ہے حالانکہ اصل (عربی) میں کہیں بھی الف ممدودہ۔ آ۔ کا نشان

نہیں ہے گویا آیت میں مستقل ذوالف کا اضافہ ہے کیونکہ الف ممدودہ، دو الف کے قائمقام ہوتا ہے۔

۳۔ ولا الضالین۔ वलद दुल्लीन

عربی میں لام کا ادغام ض کے ساتھ ہے اور پھر اس پر مدہ لگا دیا گیا ہے جس کو دو یا چار الف کے برابر بھی دراز کیا جا سکتا ہے (بچند وجوہ) اب ہندی کا املا بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

و + لام + دال = वलद = व + ल + द = ولد۔ بمعنی بیٹا۔ اور

دُل + لین۔ دُلین न + ल्ली + दु

معلوم نہیں " دُلین " کیا مصیبت ہے اور کیا اس کے معنی ہیں قرآن شریف میں تو کیا کسی لغت میں یہ لفظ نہیں ہے۔ حالانکہ آیت کے معنی ہیں نہ کہ وہ لوگ جو گمراہ ہوئے۔ ہندی میں پڑھنے سے ہرگز یہ معنی ظاہر نہیں ہوتے۔

۴۔ " ولا اعبد " میں نہیں عبادت کرتا لाआ बुदो

اس کو اردو میں اس طرح لکھا جائیگا۔ لا آ بُدُو۔ معلوم نہیں اس کے کیا معنی ہیں بہر حال اگر میں یہ کہدوں کہ اس پارہ مطبوعہ میں کوئی لفظ صحیح نہیں ہے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا کیونکہ میں نے حرکات (ماترائیں) اور کاتب نے جو حروف چھوڑے ہیں ان کی گرفت نہیں کی ہے۔

اسلام میں فن قرأت

قرآن شریف میں حکم ہے

ورتل القرآن ترتیلا۔ قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھو۔!

احادیث اور ائمہ فن کی تشریح کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے حروف کو مع ان کے مخارج اور اوصاف اور صفات کے ساتھ ادا کرو اس وجہ سے قرأت ایک مستقل فن ہو گیا ہے جس کا حاصل کرنا مشق

کرنے سے زیادہ متعلق ہے ہر حرف کو اس کے صحیح مخرج سے اس طرح ادا کرنا کہ ایک حرف کی صوت دوسرے حرف کی صوت سے بالکل ممتاز ہو یہ خصوصیت صرف اسلام ہی میں پائی جاتی ہے۔ ورنہ دوسرے مذاہب میں ان کی مذہبی کتابوں کے حروف کی ادائیگی کے متعلق کوئی فن موجود نہیں ہے ہمارے یہاں س۔ ص۔ ث۔ ش کی آوازوں کو منھ۔ زبان۔ دانت وغیرہ کے اس حصہ سے نکالا جاتا ہے جو اس کے لئے متعین ہے ایسے ہی ت۔ ط کو بھی اور ایسے ہی ک۔ خ۔ ق کو بھی اور ایسے ہی ذ۔ ز۔ ظ۔ ض۔ کو بھی اور ایسے ہی د۔ ض کو بھی اور ایسے ہی ح۔ ہ کو بھی اور ایسے ہی ا۔ ع کو بھی اس کے مقررہ مخرج سے نکالا جاتا ہے اور حرف کے حسن کو باقی رکھا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر الفاظ کی ساخت اور جملوں کے مطالب میں فساد پیدا ہو جائیگا جس کی وجہ سے عبادات وغیرہ کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کا حکم دیا جاتا ہے

اشاعت دین کے لئے صورت

یہ ضرورت نہیں ہے کہ اشاعت دین، قرآن و حدیث کے متنوں کو انگریزی۔ ہندی وغیرہ میں نشر کرنے میں ہوتی ہے بلکہ اس میں تو تخریب ہوتی ہے۔ اشاعت دین نام ہے اس کے قانون اور اس کی تعلیمات اور اخلاقیات کی نشر و اشاعت کا سو یہ کام ہمیشہ تراجم کے ذریعہ کیا گیا ہے۔ قرآن شریف اور احادیث کے ترجمے فارسی۔ اردو۔ انگریزی اور دنیا کی بہت سی زبانوں میں ہوئے ہیں مگر اصل متن کو اپنی جگہ برقرار رکھا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے لہذا اگر آج ضرورت کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کو ہندی میں ترجمہ کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر کسی کو کرنے کا شوق اور خدمت کا جذبہ ہے تو یہ کام کرے نہ کہ اصل متن قرآن کی تبدیلی کے پیچھے لگ جائے۔ میرے نزدیک بلکہ تمام علمائے اسلام کے نزدیک جسطرح

یہ پارہ مرتب کیا گیا ہے فعل حرام ہے اور تحذیف اور تحریف کے مترادف ہے جس کی قطعاً ممانعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب[۱]

اسلام کا نظامِ حکومت

اسلام میں حکومت کا وہ تصور نہیں ہے جو آج کل ہے یا عام طور پر مراد لیا جاتا ہے بلکہ اسلام زندگی گذارنے کا ایک مکمل دستور العمل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی معرفت انسانوں کے پاس بھیجا ہے اور رسول کی حیثیت حکمراں کی سی نہیں ہے بلکہ ان کے فرائض منصبی میں "دعوت و اصلاح" کا عنصر غالب رہتا ہے۔ دعائے ابراہیمی ؑ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان خصوصیات کو اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

ربنا وابعث فیہم رسولاً منہم	الٰہی ان میں، ان ہی میں کا ایک
یتلو علیہم آیٰتک ویعلمہم	رسول مبعوث فرما جو اُن پر تیری آیات
الکتاب والحکمۃ ویزکیہم	تلاوت کرے اور ان کو کتاب و حکمت
(الآیۃ)	سکھلائے اور ان کی اصلاح کرے

اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ میں دعوت و تبلیغ اور اصلاح، تعلیم و تربیت یہی چیزیں نمایاں طور پر ملتی ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت مبارکہ میں کہیں بھی حکمراں جیسا رویہ نہیں ملتا ہے[۲] اگر کسی کو یہ شک یا اعتراض ہو کہ اسلام میں جہاد (جنگی کارروائیاں)

---

[۱] مضمون مطبوعہ مدینہ، ۱۷ دسمبر ۱۹۶۲ء [۲] افسوس کہ مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت کو عہد حکومت سے تعبیر کیا ہے اس پر تفصیلی کلام ہم نے اپنی کتاب "سیرت اصحاب النبی" میں کیا ہے۔

کیوں ہیں ؟ تو ہمارے نزدیک یہ سوال یا اعتراض عدم واقفیت یا قلت تفکر کی وجہ سے ہے کیونکہ سیرت اور احادیث کی تمام کتابوں میں غزوات وسرایا کی تعداد ۲۵ یا ۳۶ یا ۳۳ غزوات ہیں اور ۶۳ سرایا ہیں ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ جن میں جنگ کی نوبت نہیں آئی اور صرف ۲ دو غزوے ایسے ہیں کہ جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جنگ کی ہے

علاوہ ازیں تمام غزوات وسرایا کو تمام کتابوں میں بَعَثَ کے صیغے کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور بعث، بعثت، بعوث، مبعوث اپنے مادہ کے اعتبار سے دعوت کے معنی کو مشتمل ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تمام غزوات وسرایا میں اولاً دعوت ہی ہے جنگ تو بدرجہ مجبوری تیسرے نمبر پر ہے۔

یہی جہاد کا معاملہ ہے عام طور پر جہاد بول کر قتال مراد لیتے ہیں بات صرف ایسی ہی نہیں ہے بلکہ جہاد میں قتال والی صورت بہت بعد کی ہے اور اگر جہاد کو قتال ہی کے معنی میں محصور کر دیا جائے تو بہت سی مکی سورتوں میں جہاد کا تذکرہ ہے اور یہ سب جانتے ہیں جہاد کی فرضیت مکہ میں نہیں بلکہ مدینہ منورہ میں ہوئی ہے۔

علماء اصول کے نزدیک بھی جہاد بمعنی قتال حسن لغیرہٖ ہے یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کی وجہ سے اس میں حسن آیا ہے ورنہ یہ قبیح لعینہ ہے اس لئے اگر بغیر قتال کے اعلاء کلمۃ اللہ حاصل ہو جائے تو پھر قتال کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی ہے۔ بہر حال اسلام کے بارے میں حکمرانی کا وہ تصور نہیں ہونا چاہیئے جو عام طور پر جاری ہے بلکہ اس بارے میں سب سے پہلے اسلام کا نقطہ نظر معلوم کرنا چاہیئے

تاریخی پس منظر

اسلامی حکمرانی کو جاننے سے پہلے۔ اسلام سے پہلے اس باب میں تاریخی پس منظر معلوم ہونا ضروری ہے۔

اسلام سے پہلے شہنشاہیت تھی بادشاہِ وقت کو خدائی کا درجہ حاصل تھا۔ فرعون

نمرود (لعنت اللہ علیہم) کے علاوہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک جس قدر بادشاہ تھے سب کے لئے وہ رسومات اور آداب تھے جو اسلام کے نزدیک صرف خدا ہی کے لئے سزاوار ہیں بادشاہوں کے سامنے رکوع اور سجدہ کی شکل اختیار کر لینا وغیرہ، بادشاہ کسی کو جواب دہ نہیں تھا سب اس کے سامنے غلام محض تھے اور دم بخود رہتے تھے۔ ہندوستان میں آج تک ہندی کتابوں میں بادشاہ کو ان داتا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے

عرب میں بادشاہت تو نہ تھی وہاں قبائلی نظام تھا لیکن عرب کا ہر قبیلہ دوسرے ملکوں کی طرح آزاد اور خود مختار تھا اور قبیلہ کے سردار کو وہی حیثیت حاصل تھی جو دوسرے ملکوں میں بادشاہ وقت کو حاصل تھی جس طرح بادشاہ اپنی رعایا کی عزت و آبرو، جان و مال کا تنہا مالک ہوتا تھا کہ وہ جس طرح چاہے کرے اسی طرح قبیلہ کا سردار بھی تمام تصرفات کا بلا شرکت غیرے تنہا مالک ہوتا تھا

اس زمانہ کی ادنیٰ درجہ کی جھلکیاں ہم نے زمیندارانہ ذہنیت میں ماضی قریب تک دیکھی ہیں زمینداروں کا رویہ اپنی رعایا کے ساتھ کس قدر نفرت آمیز تھا اس کا ذکر بھی بڑا۔ رعایا کا کوئی آدمی زمیندار کے سامنے نیا کپڑا پہن نہیں سکتا تھا۔ میں نے بجنور میں بچشم خود دیکھا ہے چند بیگہ کا زمیندار لیکن اکڑ بادشاہ وقت سے بھی زیادہ، ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے قدیم شہنشاہیت کو پڑھیئے

اسلام کا طرۂ امتیاز

یہ تنہا اسلام ہی کا طرۂ امتیاز ہے کہ اس کے نزدیک سب یکساں ہیں سب کو برابری کے حقوق حاصل ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے

شاورھم فی الامر — ان سے معاملات میں مشورہ کیجئے

اور حضرات صحابہ رضی کا بھی یہی طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

وامرھم شوریٰ بینھم — ان کا معاملہ آپس میں مشورہ کرنا ہے۔

یعنی شورائیت کے ساتھ انتظامی معاملات کو چلانا۔ اس کا موجد اسلام ہی ہے اس طرز کی حکومت نہ پہلے کبھی تھی اور نہ بعد میں کبھی ہوئی۔ یوں نام نہاد شورائیت تو ہر جگہ مل جاتی ہے لیکن حقیقی شورائیت نہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس قسم کے بہت واقعات مل جائیں گے۔ غزوۂ بدر کے موقعہ پر آپ نے مہاجرین اور انصار سے مشورہ لیا غزوۂ احد میں آپ نے مشورہ لیا، غزوہ طائف میں چند بار مشورہ لیا۔ غرضکہ بہت مثالیں ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ مشورہ سے خلیفہ منتخب ہوئے اور وہ اپنی خلافت میں مشورہ سے کام چلاتے رہے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضؓ، حضرت عثمان رضؓ حضرت علی رضؓ یہ سب حضرات مشورہ کے ذریعہ ہی امور خلافت کو انجام دیتے رہے

یاد رکھنا چاہیئے اسلامی شورائیت میں ہاتھوں کی کثرت اور ہاتھوں کی قلت معیار نہیں ہے بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ حق کس رائے کے ساتھ ہے چنانچہ غزوہ بدر کے بعد قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے یا قتل کر دینے کے بارے میں تنہا حضرت عمر رضؓ کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور ان ہی کی رائے کے مطابق قرآن پاک نازل ہوا۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں منکرین زکوٰۃ سے جہاد کا معاملہ اور حضرت اسامہ رضؓ کے لشکر کی واپسی کا معاملہ پیش آیا تو حضرت عمر رضؓ اور دیگر صحابہ رضؓ جیش اسامہ رضؓ کی واپسی، منکرین زکوٰۃ سے عدم جہاد کے حق میں تھے لیکن تنہا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی رائے ان کے خلاف تھی چنانچہ فیصلہ وہی ہوا جو حضرت ابوبکر رضؓ کی رائے تھی۔

حضرات فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ کثرت دلائل کا اعتبار نہیں بلکہ قوت دلائل کا اعتبار ہے۔ (تفصیل آئندہ ہے)

زمانہ جدید اور اسلامی شورائیت میں یہی فرق ہے اسلامی شورائیت کے ساتھ طاعت وابستہ ہوتی ہے اور زمانہ جدید میں قلت اور کثرت کو بنیاد بنا لینے کی وجہ سے

عدم اعتماد آجاتا ہے۔ اس وقت تبلیغی جماعت کے علاوہ مسلمانوں کی کوئی جماعت ایسی نہیں ہے جو اسلامی شورائیت کی پابند ہو۔ سب مسلم جماعتوں نے مغربی شورائیت کو اختیار کر لیا ہے جو خدا اور رسول سے دور کرنے والی ہیں۔

امیر و حکام کا محاسبہ

اسلامی شورائیت کے اس امتیاز کے باوجود ادنیٰ درجہ کے آدمی کو بھی خلیفۂ وقت کے اعمال و افعال پر گرفت کرنے اور اعتراض کرنے کا حق حاصل رہتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

"بعد حمد و ثنا۔ معلوم ہو کہ اگرچہ میں تم سے بہترین نہیں ہوں تاہم میں تمہارا حاکم بنا دیا گیا ہوں۔ اگر میں صحیح راستہ پر چلوں تو میرے ساتھ تعاون کرو اور اگر میں بھٹک جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔"

حضرت عمر رضؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد ارشاد فرمایا تھا:

"تم میں سے جو کوئی مجھ میں ٹیڑھاپن دیکھے تو اسے سیدھا کر دے اس پر ایک اعرابی نے کہا، اگر ہم تمہارے اندر کوئی ٹیڑھاپن دیکھیں گے تو ہم ضرور اپنی تلوار وں سے سیدھا کر دیں گے۔ اس پر حضرت عمر رضؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا کیے جو عمر کے ٹیڑھے پن کو تلواروں سے سیدھا کر سکتے ہیں۔"

حضرت عمر رضؓ ہی کے زمانہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ وہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر اعتراض کیا۔

امیر المومنین! یہ دو چادریں کیوں؟ جبکہ مسلمانوں کے حصہ میں ایک ایک چادر آئی ہے۔ حضرت عمر رضؓ نے اس وقت جواب دیا:

"اللہ تعالیٰ تیرے اوپر رحم کرے ایک چادر میں اپنے بیٹے سے عاریتاً لایا ہوں۔"

ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو سلیم کے صدقات

وصول کرنے کے لئے ایک آدمی کو بھیجا جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے تو آپ نے ان کا محاسبہ کیا، اس نے عرض کیا یہ مال آپ کا ہے اور یہ مجھے تحفہ میں ملا ہے آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اپنے والدین کے گھر کیوں نہیں بیٹھے رہے تاکہ تمہارے پاس تمہارا تحفہ آجاتا

اور اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا

"میں اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات کے مطابق کچھ لوگوں کو حاکم بناتا ہوں تو تم میں سے کوئی آدمی یہ آکر کہتا ہے کہ یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مال مجھے تحفہ میں ملا ہے۔ اگر وہ حق پر ہے تو اپنے والدین کے گھر بیٹھا رہے۔ خدا کی قسم تم میں سے جو کوئی ناحق مال حاصل کرے گا تو وہ قیامت میں اسے اٹھائے ہوئے آئے گا، میں تم سے کچھ لوگوں کو جانتا ہوں کہ جو اللہ کے سامنے اس حالت میں ہونگے کہ وہ اونٹ یا گائے یا بھیڑ کو اٹھائے ہوئے ہونگے اور وہ جانور چلا رہے ہونگے"۔ (او کما قال ؑ) [1]

حضرت عمر رض نے عقبہ بن ابی سفیان رض کو قبیلہ کنانہ کا حاکم مقرر فرمایا جب وہ واپس آئے تو ان کے پاس مال تھا حضرت عمر رض نے فرمایا عقبہ! یہ کیا ہے؟ جواب دیا میں اپنے ساتھ کچھ مال لے کر گیا تھا اور اس کے ذریعہ میں نے تجارت کی تھی۔ حضرت عمر رض نے فرمایا تم اس حالت میں اسے اپنے ساتھ کیوں لے گئے تھے؟ اس کے بعد حضرت عمر رض نے سب مال لیکر بیت المال میں داخل کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت عمر رض نے اپنے چند ماتحت حکام کو معزول کیا اور ان کے نصف مال کو جو انہوں نے اپنے اقتدار حکومت میں کمایا تھا ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دیا [2]

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حاکم اور محکوم دونوں پر پابندی لگائی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا مال حرام طریقہ میں نہ کھائیں۔

---

[1] ابو داؤد [2] الطرق الحکمیہ ص ۱۶

یاایھا الذین آمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام (بقرہ)	ایمان والو! آپس میں اپنے مالوں کو ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور اس کے ذریعہ حکام کو بھی رشوت نہ دو!

مسلمان حاکم کیلئے اسوۂ حسنہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری امت کے لئے ماں باپ سے زیادہ شفیق ومہربان تھے اللہ تعالےٰ نے آپ کی شان میں ارشاد فرمایا ہے:۔

أ۔ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم۔ (توبہ)	تمہارے پاس تم ہی میں کے ایک رسول آئے ہیں تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنوں پر بہت مہربان ہیں
ب۔ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولوکنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم (آل عمران)	اللہ کی رحمت ہی سے آپ ان کے لئے نرم مزاج واقع ہوئے ہیں اگر آپ بدخو، سخت دل واقع ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔ پس ان کو معاف کردو اور ان کے لئے خدا سے مغفرت طلب کرو
ج۔ لعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا (کہف)	شاید آپ اپنے آپ کو افسوس کرکے ہلاک کرلیں گے اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں۔

ان آیات میں اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف گرامی کو شمار کرایا ہے لیکن دلالۃً ان سے یہ ثابت ہے کہ حکمراں کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے عوام اور رعایا کے بارے میں نرم مزاج ان پر شفقت کرنے والا، مہربان۔ ان کی تکالیف سے تکلیف محسوس کرنے والا ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

جو میری امت کے کاموں کا نگراں ہوا اور پھر اس نے ان
کی بھلائی کے لئے کوشش نہ کی ہو جنت اس پر حرام ہے۔"

اس حدیث کے تحت فقہاء کرام نے قاعدہ بنایا ہے:

"جو شخص خلافت یا اس سے کم درجہ کے منصب پر فائز ہو اس
کے لئے جائز نہیں کہ وہ کوئی کام ایسا کرے جس میں عوام کی
بھلائی نہ ہو یا ان کی خرابیوں کو دور نہ کیا گیا ہو۔"

بعض فقہاء نے اس قاعدہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

"حاکم کا فعل جب مصلحت عام کے خلاف ہوتا ہے تو شرعاً اس کا
حکم نافذ نہیں ہوتا۔" (قاعدہ ۱۴۶)

حضرات خلفاء راشدین اپنے عوام پر کسقدر شفیق و مہربان تھے اس کی
تفصیل ہماری کتاب "سیرت اصحاب النبی ؐ" میں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ بات نہیں ہے کہ اچھے حکمراں خلافت راشدہ کے بعد نہیں ہوئے شہنشاہیت
کے دور میں بھی سینکڑوں مسلمان بادشاہوں کے حالات موجود ہیں انکی عدل
پروری، عدل جہانگیری تو ضرب المثل ہے سلطان ناصر الدین محمود کا زہد و تقویٰ،
عالمگیرؒ کا زہد و تقویٰ رعایا پروری اور مساوات کے سینکڑوں واقعات موجود
ہیں۔ مسلمان بادشاہ عدل پروری کی مثالیں چھوڑ گئے ہیں۔ اگر ان میں ذرہ
برابر جبر و تشدد ہوا ہوتا (جیسا کہ مشہور کیا جاتا ہے) تو مسلمان اقلیت میں اور
غیر مسلم اکثریت میں نہ ہوئے ہوتے، یہ لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے اس ارشاد گرامی پر عامل رہے۔

کلکم راعی وکلکم مسئول عن رعیتہ (او کما قال)	تم میں ہر ایک مثل چرواہے کے ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اسی وجہ سے جس کو بھی تھوڑی سی بالادستی یا سرپرستی حاصل ہے چھوٹوں

کے بارے میں اس کے اوپر ذمہ داریاں، اور اسی قدر اسکو تصرفات کا حق حاصل ہے مثلاً یتیم کے مال میں ولی کو فائدہ کا تصرف تو کرنے کا حق حاصل ہے نقصان کا نہیں، وہ یتیم کے لئے ہبہ تو قبول کر سکتا ہے لیکن یتیم کے مال کو ہبہ نہیں کر سکتا وہ یتیم کی جانب سے نکاح تو قبول کر سکتا ہے لیکن یتیم کی بیوی کو طلاق نہیں دے سکتا۔ اسی طرح سے اور بہت سے جزئیات ہیں۔
اسلام نے جہاں چھوٹوں کو حکم دیا ہے کہ وہ بڑوں کی ذرّہ برابر بھی نافرمانی نہ کریں اسی قدر بڑوں کے اوپر چھوٹوں کی ذمہ داریاں ہیں۔ یہی اصول گھر کی چہار دیواری سے لیکر ملک کی اعلےٰ سطح تک جاتا ہے اسلام کی کسی ایک چیز کو مضبوطی کے ساتھ تھام لیا جائے وہیں سے ملت کی اصلاح ہونی شروع ہو جائے گی اور اس کے تمام بگاڑ دور ہو جائیں گے۔ امام مالکؒ نے روایت کیا ہے۔

"جس طریقہ سے اس ملت کے پہلے فرد کی اصلاح ہوئی ہے اسی طریقہ کو اختیار کرنے سے اس امت کے سب سے آخری فرد کی اصلاح ہو گی۔"

وہ کیا طریقہ ہے کہ جس نے زمانہ جاہلیت کے بگاڑ کو دور کر کے، پورے عالم کو پیغام امن و سکون دیا وہ صرف دو چیزیں ہیں اطاعت اور شوریٰ یاد رکھو! مشورہ سے مساوات پیدا ہوتی ہے اور اطاعت سے امارت پیدا ہوتی ہے۔ یہی قرآن پاک کی ہدایت ہے اور یہی احادیث پاک کی رہنمائی

نوٹ:- اس بحث کا تکملہ آئندہ سنت شریفہ کی بحث میں ملاحظہ فرمائیں

منارۂ نور

بازار —— سے —— خانقاہ تک

ا۔ رجال لا تلہیہم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللہ واقامۃ الصلوۃ وایتاء الزکوۃ و یخافون یوما تتقلب فیہ القلوب والابصار۔	مرد وہی ہیں جنکو بیوپار اور خرید و فروخت خدا کی یاد اور نماز و زکوۃ سے غافل نہیں رکھتی۔ وہ اس دن سے خوفزدہ رہتے ہیں جس دن قلوب اور آنکھیں لوٹ پوٹ ہو جائیں گے
ب۔ واذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع (الجمعہ)	جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور بیع کو چھوڑ دو ا

حقیقت حال یہ ہے کہ خرید و فروخت ہی ایسا مشغلہ ہے کہ دنیا کے تمام مشاغل اس کی وجہ سے قائم ہیں اور انسانوں کی عام ضروریات اس سے وابستہ ہیں، کاشتکار کی کاشتکاری اور صنعت کار کی دستکاری اس وقت تک بے سود ہیں جب تک سامان کے نقل و حمل کے لئے کوئی سبب اور محرک نہ ہو۔ اس محرک اعلیٰ (خرید و فروخت) کو انسانی ضرورتوں نے پیدا کیا ہے، سرمایہ داروں کی سرمایہ داری اور سرمایہ کار کی سرمایہ کاری محض اسی خرید و فروخت (تجارت) کی وجہ سے ہے۔ اسی کی وجہ سے بہت سے فتنہ و فسادات کو وجود ملتا ہے، کھوٹ ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، مصنوعی اور بناوٹی اشیاء کو وجود اسی کی بدولت ہے

آج بھی دنیا جو مختلف حلقوں میں بٹی ہوئی ہے وہ بھی بیع وشرار کی منڈیوں کی بدولت ہے۔ اقتصادیات اور مساوات کے تمام نظریات ان ہی منڈیوں کی وجہ سے قائم ہوئے ہیں اس لئے بنیادی طور پہ تاجروں کے اعلیٰ کردار پر دنیا بھر میں امن وسکون پیدا ہوتا ہے اور گھٹیا اور بے ایمان تاجروں کی وجہ سے جنگ وجدل، فسادات، عدم مساوات کو وجود ملتا ہے۔ تاجروں کا کردار اس وقت تک کسی بھی قانون سے درست نہیں ہو سکتا جب تک ان کے دل ودماغ پر سب سے برتر اور بالاتر طاقت اور کسی محاسبہ کا تصور نہ ہو اور یہ تصور اور یہیان اسی وقت قائم رہ سکتا ہے جب اس کا ربط کسی ذات سے قائم ہو جائے اور اس کے لئے خدائے تعالیٰ کی ذات گرامی اور اس کے عطا کردہ عقیدہ آخرت ہی سے یہ ہو سکتا ہے اس لئے اسلام دنیا کی مارکیٹ میں ایسے تاجروں کو پسند کرتا ہے جو عملاً مذکورہ آیت کی چلتی پھرتی تصویر ہوں۔ ان ہی سے دنیا کا امن وسکون قائم رہے گا ان ہی کے بارے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

التاجر الصدوق حبیب اللہ — سچا اور ایماندار تاجر خدا کا دوست ہوتا ہے

اسلام کے خلاف کوئی بھی اصول اور طریقہ وضع کر لیا جائیگا دنیا کے نام نہاد اور جذباتی نعرے کبھی بھی عملی شکل میں متشکل نہیں ہو سکتے۔ اسلام نہ کسی کے مال کو چھینتا ہے اور نہ کسی کو بھوکا مارتا ہے اس کے پاس ایک میزان ہے کہ بقدر کسب وعمل ہر آدمی ہر چیز کا مالک ہے اسی کے لئے دنیا کو بنایا گیا ہے

اسلام کا معاشی نظام

۱۔ خلق لکم مافی الارض جمیعاً (البقرہ) — زمین میں جو کچھ ہے وہ تمہارے ہی لئے پیدا کیا گیا ہے

۲۔ ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للاخرۃ (الحدیث) — دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لئے پیدا کیے گئے ہو

اسلام نے اموال وجائداد میں شخصی ملکیت اور ملکیت میں مالکانہ تصرفات کا حق

ایک محدود دائرہ میں تسلیم کیا ہے۔ آمدنی اور دولت کے جس قدر ذرائع ہیں ان سب پر شخصی ملکیت کا قانون نافذ ہو جاتا ہے۔ اسی شخصی ملکیت پر غرباء کے مفاد کے لئے اسلام نے عشر، زکوٰۃ، خراج مقرر فرمائے ہیں اگر ملکیت کو کالعدم قرار دیدیا جاتا تو تقسیم اموال کی یہ قسمیں لغو ہو جاتی ہیں، اسی ملکیت پر حق جوار (شفعہ) چلتا ہے لیکن حق ملکیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام ذخیرہ اندوزی اور تجوریوں کی آبادکاری کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

ا - کیلا تکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (الآیۃ) — تاکہ دولت تمہارے سرمایہ داروں کے قبضہ ہی میں محصور نہ ہو جائے

ب - و فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم۔ (الآیۃ) — تمہاری دولت میں غریبوں اور فقیروں کا بھی حق معلوم ہے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

توخذ من اغنیاءھم وترد الی فقرائھم — ان کے مالداروں سے لیا جائے اور ان کے غریبوں پر بانٹ دیا جائے۔

ان تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام دولت کو صرف مالداروں کی تجوریوں میں بند رہنے کے حق میں نہیں ہے بلکہ وہ غریبوں کو ایک مقررہ مقدار میں حقدار مانتا ہے وہ مقررہ مقدار بھی ایسی ہے کہ جس کو سرمایہ دار بڑی آسانی سے قبول کر لیتا ہے اور غریبوں کا اسی میں بھلا ہو جاتا ہے۔ اور وہ دولت کا چالیسواں حصہ ہے۔ اس جگہ یہ شبہ ہو سکتا ہے اس قدر قلیل مقدار میں سرمایہ داری ختم نہیں ہو سکتی ہے اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ وہ روپیہ کسی ہنر سے پھر سرمایہ داروں کے قبضہ میں آجائے لیکن دوسرا رُخ بھی ملاحظہ فرمائیے! اسلام نے سرمایہ دار اور غنی ہونے کی بھی بہت تھوڑی مقدار مقرر کی ہے یعنی بقدر دو سو درہم جو شخص اس قدر کا مالک ہے وہ دوسرے سرمایہ داروں سے دولت مانگنے کا

کا حقدار نہیں بلکہ اس پر یہ نفع اندوزی حرام ہے۔ خیال فرمائیے! سرمایہ کی یہ حد بندی کسقدر سرمایہ داری کو اور غربت کو ختم کر رہی ہے!

اسلام کے علاوہ کسی نے آج تک یہ نہیں بتلایا کہ اس مقدار کا مالک سرمایہ دار ہے اور اس سے کم ہو تو غریب ہے اسلام نے اس سے بھی آگے کا ایک تیسرا درجہ اور قائم کیا ہے جسکو غنی کہا جاتا ہے غنی کے لئے صرف مالکِ نصاب ہونا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ غنی وہ بھی ہے جو کچھ نہ رکھتا ہو اور سب سے بے نیاز ہو۔

اسلام کے پاس اس نظام کو مکمل طور پر نافذ کرنے کی ایک قوت ہے اور وہ ہے عظمتِ شعائر اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے

الذین یکنزون الذھب	جو لوگ سونا اور چاندی سرمایہ بنا کر رکھتے
والفضۃ ولا ینفقونھا فی	ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے
سبیل اللہ فبشرھم بعذاب	ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری
الیم (توبہ)	سنا دیجئے

کیا یہ تجربہ اور مشاہدہ نہیں ہے کہ ملک میں مسلمان اولاً تو مالدار کم ہیں اور جو ہیں بھی ان میں سے بھی ۵ فیصد سے کم زکوٰۃ نکالتے ہیں یہ اسی کا طفیل ہے کہ کئی کروڑ روپیہ سالانہ مسلمان اپنی تعلیم پر صرف کرتے ہیں لیکن اگر اسکو وسعت دیدی جائے تو غریبی نام کو بھی نہیں رہ سکتی اسلام کی تاریخ میں اس نظام کو قبول کرنے کی بدولت ایسا وقت گذرا ہے کہ زکوٰۃ لینے والا مشکل ہی سے دستیاب ہوتا تھا جمہور علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن پاک نے اس سرمایہ کی شدید مذمت کی ہے کہ جس میں سے زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کو نہ نکالا جائے

جائداد غیر منقولہ کے بارے میں بھی مالکانہ تصرفات کے لحاظ سے ائمہ اسلام کے حسب ذیل اقوال ہیں۔

۱۔ امام حسن، طاؤس، اصم کے نزدیک صحرائی جائداد میں کسی ایک شخص کو صرف اتنی جائداد پر کاشت کرنے کا حق حاصل ہے جتنی زمین پر وہ بذات خود کاشت کر سکے، اس سے فاضل آراضی کو بدون معاوضہ کے دوسروں کو دیدینا ضروری ہے۔ (طحاوی حصہ ۲، حواشی موطا امام محمد)

۲۔ امام جعفر صادق رح کے نزدیک خود کاشت زمین کی مقدار کا تعین حکومت کی تجویز پر موقوف ہے۔ مبسوط سرخسی ص۲۳ ج ۳

۳۔ امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ ایک مقررہ لگان کے بعد زمیندارو کو جائز فرماتے ہیں ۔۔ (طحاوی حصہ ۲)

۴۔ دیگر علمار کے نزدیک لگان اور بٹائی کی دونوں صورتیں جائز ہیں (فتاویٰ عالمگیری)

۵۔ ان تمام حضرات کے نزدیک کاشتکار زبردست مراعات کا ہر وقت مستحق ہے۔ مثلاً آفات سماوی وارضی کی بنار پر بقدر نقصان لگان خود بخود کم یا معاف ہوتا رہے گا۔ ایک ہی سال کا لگان رہتے ہوئے بعض حادثات کی بنار پر مدت کاشت معاہدہ سے زائد ہو سکے گی۔ (عالمگیری وفتاویٰ قاضی خاں)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل زمین کے اقسام عام انسانوں کے استعمال میں رہینگے۔ ان کے اوپر کسی کا حق ملکیت اسلام نے تسلیم نہیں کیا ہے۔

أ۔ وہ چراگاہ جو آبادی سے متصل ہوں۔

ب۔ وہ زمین جس کے درختوں کی لکڑیاں جلانے کے کام آتی ہوں۔

ج۔ نمک کی کان۔

د۔ دریا۔ (فتاویٰ عالمگیری. کتاب احیار الموات)

اسی طرح مستقل طور پر اسلام نے چار چیزوں میں ہر انسان کا اشتراکی حق تسلیم کیا ہے: (۱) قدرتی پانی۔ (۲) گھاس (۳) نمک (۴) جلانے کی لکڑیاں

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

الناس شرکاء فی ثلث فی الماء   تمام انسان تین چیزوں میں شریک ہیں

والکلاء والنار (الحدیث) پانی گھاس آگ۔

صاحب النہایہ نے نار سے مراد وہ خودرو درخت لئے ہیں جنکی لکڑیاں جلانے کے کام میں آتی ہیں، اسی کے ساتھ یہ پہلو بھی دھیان میں رہے کہ اتنی زبردست مراعات کے بعد اسلام نے انسانوں کے دوسرے طبقات کو نہیں چھوڑا ہے کاشتکار کو اپنی پیداوار میں سے عشر نکالنا ضروری اور فرض ہے۔ جانوروں کے تاجروں کو بھی اپنے جانوروں میں سے مقررہ مقدار کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے ایسے تاجر جو ایک شہر سے دوسرے شہر میں بغرض تجارت جاتے ہیں ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ شہر کی چوکیوں پر کیا جائے گا اور اس وقت وہ شہر میں داخل ہو سکتے ہیں جب وہ زکوٰۃ کا حساب دینگے (تمام کتب فقہ)

"تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا"

اس معاشی نظام کو مکمل طور پر نہایت سہولت کے ساتھ چلانے اور نافذ کرنے کے لئے بھی نہایت آسان طریقہ ہے۔ قرآن پاک میں زکوٰۃ کے ساتھ صلوٰۃ کا ذکر یا صلوٰۃ کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر غالباً اسی قسم کی بہت سی مصلحتوں پر مشتمل ہے نماز کی جماعت سے ادائیگی سے ہر آدمی کی حالت، اس کے مرض و مصیبت اور راحت و خوشی کا پتہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قانون کے فوائد کہاں تک شمار کرائے جا سکتے ہیں انسان کی عقل حیران ہے۔

سود اور غربت اور صدقہ

دنیا بھر کے مفکرین اور ماہرین اقتصادیات نے بہت سر ادھر ختم چلے ہیں کہ غربت دور ہو اور سرمایہ داری ختم ہو لیکن وہ سودی لعنت کو ختم نہیں کر سکے سود ایک ایسی مقناطیسی کشش رکھنے والی لعنت ہے کہ جس سے افراد کی نہ سہی طبقات کی تجوریاں بھر سے پُر ہونے لگتی ہیں اور غریب کے حق میں یہ ایک ایسا گھن اور جونک ہے کہ غیر محسوس طور پر اس کو چوستا رہتا ہے۔ اسلام کے یہاں سودی قرضہ کی جگہ امداد کے لئے صدقات کی مختلف اقسام ہیں۔ اسلام جہاں اغنیار سے

لینے کی تعلیم دیتا ہے اس سے زیادہ اغنیار کو دینے کا عادی بناتا ہے اور فقرار کو سوال سے روکتا ہے تاکہ اسلامی معاشرے میں کسی کا مقام گرنے نہ پائے۔

سود کیا چیز ہے؟ ایسا منافع جو بلا استحقاق، بلا معاوضہ، بلا مرضی دوسروں سے حاصل کیا جائے تمام بیوعاتِ فاسدہ، لاٹریاں، سٹے، قمار بازی سود ہی کی خودرو اولاد ہیں۔ صرف اسلامی تہذیب و معاشرت کا یہی طرۂ امتیاز ہے کہ وہ بلا استحقاق، بلا معاوضہ، بلا تراضی کے نفع کو حرام قرار دیتا ہے چنانچہ جتنی سختی کے ساتھ شعار اللہ، قرآن پاک میں سود کی ممانعت ہے اتنی شدت کسی دوسرے جرم پر نہیں ہے آخری سورۂ بقرہ کو قرأت فرمائیے!

"جو لوگ رات اور دن میں، چھپ کر اور اعلانیہ طور پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر اور ثواب ہے کہ وہ نہ خوفزدہ ہونگے اور نہ غمگین ہوں گے۔"

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں ایسے کھڑے ہونگے جیسے آسیب زدہ ہوتا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ دنیا میں کہا کرتے تھے کہ سود بھی ایک بیع ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے پس جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی (یہ نصیحت) آئی اس کے لئے ماسلف[1] ہی ہے اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اور جس نے پھر دوبارہ یہ حرکت (سود خوری) کی وہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

"اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کفار[2] اثیم کو دوست نہیں رکھتا۔

---

[1] یعنی حرمت سے قبل جو کچھ ہو چکا ہے وہ معاف ہے [2] گنہگار کافر، غور فرمائیے! کفر سب سے بڑا گناہ اور اس پر مزید اضافہ سود خوری۔

"جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے، نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ کو ادا کیا ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے کہ وہ نہ خوف زدہ ہونگے اور نہ غمگین ہوں گے۔"

"ایمان والو! اللہ سے ڈرو! اور باقی سود[1] کو چھوڑ دو! اگر تم مومن ہو۔ اگر تم ایسا نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تمہارے لئے اعلانِ جنگ ہے اگر تم نے توبہ کر لی تو بس تمہارے لئے بقدر راس المال ہی ہے تم نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔" (سورہ بقرہ)

دوسری سورت میں ارشاد فرمایا:۔

"ایمان والو! بڑھتا چڑھتا سود نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔"

سود کی حرمت

تاریخ حرمت ربٰو ۹ھ کو مفسرین اور علماء کے بیان کے مطابق اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تب بھی ۹ھ سے قبل کے حالات ایسے ملتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس قسم کے فائدے سے منع فرمایا ہے چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب الربٰو میں فضالہ بن ابی عبید کی روایت ہے جس کو مسلم نے روایت کیا ہے

قال اشتریت یوم خیبر	کہا! میں نے ایک بار خیبر کے
قلادۃ باثنی عشر دینارًا	موقعہ پر بارہ دینار کو خریدا تھا۔
(الیٰ قولہ) فقال لاتباع	(الیٰ قولہ) آپ نے فرمایا جب تک
حتی تفصل	اسکو جدا نہ کر لیا جائے فروخت نہ کیا جائے

حرمت ربٰو ۹ھ کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو غزوۂ خیبر (۷ھ) میں

---

[1] یعنی جو دوسروں پر سود کی شکل میں تمہارا مطالبہ ہے۔

مذکورہ بالا ممانعت موجود ہے اور اس سے قبل بھی حرمت ربوا کی روایت موجود ہے چنانچہ مشکوۃ شریف باب الربوٰ میں ایک دوسری حدیث موجود ہے جسکو امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے:

"میں شب معراج میں ایک ایسی قوم کے پاس آیا کہ ان کے پیٹ مثل گھر کے پھوڑے ہوئے تھے اور ان میں سانپ تھے جو باہر ہی سے دیکھے جا سکتے تھے، میں نے جبرئیل ؑ سے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا "یہ سود خور ہیں"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہجرت اور معراج سے پہلے بھی سود کو مسلمان برا جانتے تھے۔ سود کے علاوہ شراب وغیرہ زمانہ جاہلیت میں حلال اور مباح تھی سود ہی وہ لعنت ہے کہ اُس کو اُس تاریک زمانہ میں بھی برا جانا جاتا تھا۔ رہا حضرت ابوبکر صدیق رض کا روم اور ایران کی جنگ کے بارے میں ابی بن خلف سے شرط لگانا، یہ شرط سنہ نبوی مکہ معظمہ میں ہوئی تھی اور صحیح روایات کی بناء پر اہل روم کو غلبہ بلادِ (سنہ ۲ ھ) کے موقعہ پر ہوا تھا جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے

یومئذٍ یفرح المومنون   اس دن مومنین مسرور ہونگے (الآیۃ)

جب حضرت ابوبکر صدیق رض نے سود نٹ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے تو آپ نے ان کو صدقہ کرا دیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ رضا مندی کے ساتھ بھی کافروں سے جو مال مل جائے اس کو صدقہ کر دینا چاہیئے۔ فتاوی عالمگیری میں فقہائے کرام نے یہی فرمایا ہے۔
غرضکہ سود کی رقم (جو سرمایہ داری کی سرپرستی کرتی ہے) اس کو دنیا کے نظاموں نے لقمہ تر ہونے کی وجہ سے قبول کیا ہے صرف اسلام ہی نے اس کی مخالفت کی ہے۔

یہ ہے اسلام کا معاشی اور اقتصادی نظام جو غربت کو دور کرتا ہے۔ اس

نظام کے اصول و ضوابط اور قاعدوں پر کئی ضخیم کتابیں ترتیب دی جا سکتی ہیں۔ ہمیں تو صرف شعار اللہ قرآن پاک کی تھوڑی سی روشنی دکھانی مقصود ہے اور یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اس شعار کی روشنی ہر جگہ موجود ہے اس کو قبول ہی کر لینا چاہیئے۔

ادھار اور سودی قرض

(ایک جونک)

ادھار اور سودی قرض ملک، قوم اور افراد کے جسم صالح میں ایک جونک ہے جو غیر محسوس طور پر خون چوستی رہتی ہے یہ بہت نرم آمدنی ہے اور بڑی زبردست مصیبت اور ہلاکت، نرم اس وجہ سے کہ جسم پر کوئی مشقت نہیں ہوتی اور مصیبت اس وجہ سے کہ قرضہ کی ادائیگی سے زیادہ کوئی دشوار کام نہیں۔ آتے ہوئے اچھا معلوم ہوتا ہے اور جاتے ہوئے کمر توڑ جاتا ہے یہی وہ لعنت ہے جو دشمنی کے بیج بو دیتی ہے۔

القرض مقراض المحبۃ — قرضہ محبت کو کاٹنے والا ہے۔

اس کی وصولیابی اور اس کی ادائیگی دونوں دشمنیوں کو پیدا کرتے ہیں جن قوموں اور طبقات میں ان کا رواج ہے وہ اپنے کو مساوات کا علمبردار نہیں کہہ سکتے۔ اصولی طور پر قرض دینے والا اور قرض لینے والا دونوں برابر نہیں ہوتے اس لئے ضرور تمندوں کو سود پر ادھار دینا جتنا برا ہے اس سے زیادہ برا کوئی کام نہیں اگرچہ شرح سود کتنی ہی کم کیوں نہ ہو اس بارے میں اسلام نے نہایت مکمل نظام پیش کیا ہے۔

قرآنی ہدایات

"اگر مقروض تنگ دست ہے تو اس کیلئے مہلت ہے آسانی تک اور یہ کہ صدقہ کردو تو تمہارے لئے یہ بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو! اور تم اس دن سے ڈرو جس دن تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جاؤگے پھر ہر نفس کو اس کی کمائی کا پورا بدلہ مل جائیگا۔"

"ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک کے لئے قرضہ کا معاملہ کیا کرو! تو اس کو لکھ لیا کرو اور تمہارے درمیان کوئی کاتب انصاف کے ساتھ لکھ دے اور کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو لکھنا سکھلا دیا ہے پس اس کو لکھ دینا چاہیئے اور جس پر حق ہے اس کو املا کرانا چاہیئے! اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے کہ وہ اس کا رب ہے اور اس میں سے کوئی چیز کم نہ کرے۔"

"جس پر حق ہے اگر وہ ضعیف ہے یا کم عقل ہے یا لکھنا نہیں جانتا تو اس کا سرپرست انصاف کے ساتھ لکھوا دے اور (اس لکھے ہوئے پر) اپنے آدمیوں میں سے دو گواہ بنا لیا کرو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنکو تم اپنے گواہوں میں سے پسند کرتے ہو (یہ اس وجہ سے ہے) کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسرا یاد دلا دے۔"

"اور جب گواہوں کو طلب کیا جائے تو وہ گواہی دینے سے انکار نہ کریں۔ اور قرض تھوڑا ہو یا بہت اس (کی دستاویز) کے لکھنے لکھانے میں کاہلی نہ کرو! خدا کے نزدیک یہ بات نہایت قرین انصاف ہے اور شہادت کے لئے بھی بہت درست طریقہ ہے اور اس سے تمہیں کوئی شک و شبہ بھی نہ رہیگا

ہاں اگر معاملہ نقد پر ہو تو اس وقت نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"اور جب خرید و فروخت کیا کرو، تب بھی گواہ بنا لیا کرو اور کاتب اور گواہان۔ اہل معاملہ کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچائیں۔ اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہے۔ خدا سے ڈرو! (دیکھو) وہ تمہیں کیسی مفید باتیں سکھلاتا ہے اور خدا ہر چیز کو جانتا ہے۔"

"اور اگر تم سفر پر ہو اور کوئی لکھنے والا نہ مل سکے تو کوئی چیز رہن رکھ کر قرضہ لو اور اگر تم ایک دوسرے سے مطمئن ہو تو (بغیر رہن کے قرضہ دیدو) تو امانتدار کو چاہیئے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کرے اور خدا سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے۔"

"اور گواہی کو نہ چھپانا، جو گواہی کو چھپائیگا وہ دل کا گنہگار ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے

(البقرہ)

قرآن پاک کی ان آیات میں قرضہ، امانت، رہن، گواہی، کتابت اور کاتب اور اسی قبیل کی دوسری چیزوں کو نہایت جامع طور پر بیان کردیا گیا ہے۔

اسلام میں قرضہ کی اہمیت

مندرجہ ذیل احادیث سے قرضہ لینا اس کی ادائیگی اور ادائیگی میں سہولت نہ ادا کرنے کا جرم اور اس پر وعیدات پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ا۔ کبیرہ گناہوں کے بعد (کہ جن سے اللہ تعالےٰ نے منع کیا ہے) سب سے

بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی قرضدار مرے اور اپنے بعد ادائیگی کے لئے کچھ نہ چھوڑے۔ (ابوداؤد)

۲۔ شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر قرضہ معاف نہیں ہوتا (مسلم)

۳۔ جو آدمی قرضدار ہے اور اسکو ادا نہیں کر پایا وہ اللہ تعالےٰ کے یہاں چوروں کی طرح پیش ہوگا (ترمذی)

۴۔ جو آدمی لوگوں سے قرضہ لیتا ہے اور اس کی ادائیگی کا ارادہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ادا کرا دیتا ہے اور جو آدمی لوگوں کا مال مارنے کے لئے قرضہ لیتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس کو ہلاک کر دے گا۔ (بخاری)

۵۔ جو آدمی قرضہ لیتا ہے (اور ادائیگی کی نیت رکھتا ہے) اللہ تعالےٰ اس کا قرضہ دنیا ہی میں ادا کرا دیتا ہے (نسائی)

۶۔ مالدار آدمی کا قرضہ کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ (اصحاب الستہ)

۷۔ اللہ تعالےٰ مالدار ظالم، بوڑھے جاہل، اور متکبر سے بغض رکھتا ہے (بزار)

۸۔ جس آدمی نے غریب کو (ادائیگی قرضہ میں) مہلت دی یا معاف کر دیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں ہوگا کہ اس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (ترمذی)

۹۔ جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالےٰ اس پر سے قیامت کی مصیبت ہلکی کر دے اس کو چاہیئے کہ غریب آدمی کو مہلت دے یا معاف کر دے (مسلم)

۱۰۔ تم میں بہتر آدمی وہ ہے جو ادائیگی قرضہ میں بہتر ہے۔ (ترمذی)

۱۱۔ محمد بن جحش رضؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے آسمان کی طرف کو سر اٹھایا اور سر پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا "کتنی بڑی شدت نازل ہوئی ہے!" ہم یہ سن کر خاموش رہے اور ڈرے۔ جب صبح ہوئی تو ہم نے آپ سے دریافت کیا کہ وہ شدت کیا ہے جو نازل ہوئی ہے؟ آپ نے

ارشاد فرمایا. قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی آدمی خدا کی راہ میں شہید ہو جائے اور پھر زندہ کیا جائے اور پھر شہید ہو جائے اور پھر زندہ کیا جائے اور پھر شہید ہو جائے اور اس پر قرضہ ہو تو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (نسائی)

۱۲- حضرت جابر رض روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جنازہ کی نماز نہیں پڑھاتے تھے جس پر قرضہ ہوتا تھا چنانچہ ایک جنازہ لایا گیا آپؐ نے دریافت فرمایا کیا اس پر قرضہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں! دو دینار ہیں. آپ نے ارشاد فرمایا آپ لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھیں. حضرت ابوقتادہ رض نے عرض کیا حضور! وہ دو دینار میں ادا کردونگا۔ حضرت جابر رض فرماتے ہیں کہ جب فتوحات شروع ہوئیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں مومنین سے زیادہ قریب ہوں لہذا جو قرضہ چھوڑ مرے اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کا حق ہے"۔ (ابوداؤد، نسائی)

علماء نے بیان فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ "غریب کے قرضہ کی ادائیگی بیت المال (سرکاری خزانہ) کے ذمہ ہے" میں کہتا ہوں اس کا نام ہے مساوات اور اقتصادیات کو سنوارنا. آج کل کے نعرے اور نظریات کے لئے کہیں منہ چھپانے کی جگہ ہو تو چھپائیں۔

۱۳- "حضرت ابوامامہ رض اور حضرت انس رض روایت کرتے ہیں ایک آدمی جنت میں داخل ہوا اس نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا" صدقہ کا بدلہ دس گنا اور قرضہ کا بدلہ اٹھارہ گنا" حضرت انس رض روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا" میں نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا، قرضہ صدقہ سے افضل کیوں ہے؟ جواب دیا سائل بلاضرورت کے (کہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے) سوال کرلیتا ہے لیکن قرضدار بلاضرورت کے قرضہ نہیں لیتا" (احمد)

معلوم رہے کہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنا کتنا اہم ہے اور جو لوگ لوگوں کی ضروریات پر قبضہ کر لیتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا ؟

۱۴۔ غموں میں سب سے بڑا غم قرضہ ہے اور دردوں میں سب سے بڑا درد آنکھ کا ہے"۔ (اوسط)

۱۵۔ جو آدمی یہ چاہے کہ اس کی دعا قبول ہو اور اس کی مصیبت دور ہو اس کو چاہیئے کہ وہ تنگ دست کو ڈھیل دے۔ (احمد ابو یعلی)

۱۶۔ جو آدمی قرضدار کا قرضہ ادا کرانے کی کوشش کرتا ہے اس کے لئے زمین کے جانور، پانی کی مچھلیاں دعا کرتی ہیں اور اس کے ہر قدم کے بدلہ جنت میں ایک درخت اگایا جاتا ہے اور اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (بزار)

ان احادیث کو پڑھنے کے بعد غور فرمائیے! کہ اسلام اللہ کی اس زمین پر کس قسم کے افراد کو پسند کرتا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ سب سے مقدم صالح افراد کا پیدا کرنا ہے اگر صالح افراد نہیں ہوتے تو زمین پر امن قائم نہیں رہ سکتا اور نہ عدل و مساوات وجود میں آسکتی ہے اسلامی تاریخ میں خیر القرون کے بعد مختلف ادوار میں ایسے نائبین رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے ہر طرح جامع اور صالح انسان بنانے کی کوشش کی ہے اور خدا کی زمین پر خدا کے دین کو زندہ کیا ہے۔

قرآن پاک میں ضروریات زمانہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول ہیں اور پوری دنیا کے لئے ہیں نہ صرف عرب، ہندوستان کے لئے بلکہ جہاں جہاں بھی انسان موجود ہیں سب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت ہیں اور انسان ہی نہیں بلکہ آپ کی دعوت میں تمام جنات بھی داخل ہیں اور آپ پر جو قرآن پاک نازل ہوا ہے وہ پورے عالم کے لئے قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے خواہ وہ پہاڑوں پر آباد ہوں یا سمندر میں یا آئندہ چل کر چاند اور مریخ پر آباد ہو جائیں ان کے لئے ایک مکمل دستور العمل ہے حالات خواہ کچھ بھی ہو جائیں قرآنی احکامات اٹل ہیں۔ ناقابل ترمیم ہیں اس میں حالات اور ضروریات کے لحاظ سے جسقدر لچک اور رعایت موجود ہے وہ بھی ناقابل ترمیم ہے اس لئے یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ قرآن پاک میں حالات اور زمانہ کی رو رعایت موجود نہیں ہے۔

اکتوبر ۱۹۷۵ء میں جمعیۃ علماء ہند نے خون کے انجکشن اور اعضاء کی تبدیلی کے بارے میں ایک استفتاء کیا تھا اس کا جواب راقم الحروف نے قرآن پاک کی روشنی میں تحریر کیا تھا اس کو سطور ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے:

خون کے انجکشن

معلوم رہے کہ اسلام نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو حالت اضطرار میں استعمال کرنے کی رخصت دی ہے۔ آیت مبارکہ ہے:۔

(۱) ۔ قد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ (الآیۃ) — تمہارے لئے مفصل بیان کر دیا ہے کہ جو تمہارے اوپر حرام ہیں مگر جن میں تم مضطر ہو

۲۱۔ من اضطر فی مخمصۃ (الآیۃ) جو مخمصہ میں مضطر ہو جائے۔

پہلی آیت میں استثناء کے بعد اضطرار مذکور ہے جو کلام جدید ہے اور دوسری آیت میں اضطرار کو مخمصہ میں قرار دیا ہے چنانچہ صاحب ہدایہ نے کتاب الاکراہ میں تحریر فرمایا ہے

حالۃ الاضطرار مستثنیٰ بالنص	اضطرار کی حالت نص کے ذریعہ مستثنیٰ ہے۔

اس کے بعد صاحب ہدایہ نے تحریر فرمایا ہے

وان اکرہ علیٰ ان یاکل المیتۃ او یشرب الخمر فان اکرہ علیٰ ذلک بحبس او الضرب او قید لم یحل لہٗ	اگر میتہ کھانے یا شراب پینے پر زبردستی کی گئی اس طرح کہ گرفتار کر لیا جائے گا یا مارا جائیگا یا جیل میں ڈال دیا جائیگا تو اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

(ہدایہ کتاب الاکراہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کے نزدیک ہر ضرورت اور مضرت کو باعث اباحت تسلیم نہیں کیا جاتا بلکہ نص سے جو ضرورت اور اضطرار ثابت ہو اسی کو ضرورت اور اضطرار قرار دیا جائیگا ورنہ اگر ضرورت اور اضطرار کو وسعت دی جائے تو ادنی درجہ کی ضرورت اور ادنی درجہ کی مضرت یا اضطرار ... باحت قرار پائے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔ چند قاعدے ملاحظہ ہوں۔

ا۔ جب تنگی آتی ہے تو وسعت بھی آتی ہے اور جب وسعت آتی ہے تو تنگی بھی آتی ہے۔ (اشباہ)

ب۔ جو ضرورت میں مباح ہو اس کی اباحت بقدر ضرورت رہتی ہے۔ (اشباہ)

ج۔ مفاسد کو دور کرنا جلب منفعت پر مقدم ہے۔ (اشباہ)

د۔ ضرر کو ضرر سے دفع نہیں کیا جاتا۔ (اشباہ)

س۔ مشقت اور حرج کا اعتبار عدم نص میں ہے۔ (اشباہ)

اور امام ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے تحریر فرمایا ہے

انما یباح عند الضرورۃ (الیٰ قولہ) والمباح ما استوی طرفا فعلہ وترکہ کما تقرر فی علم الاصول وفیما نحن فیہ کان طرف الفعل راجحا بل فرضا کما فی کتب الاصول (صہ۸۳ ج ۳)	ضرورت کے وقت مباح ہے اور مباح وہ ہے کہ جس کی دونوں جانب یعنی فعل اور ترک فعل برابر ہوں جیسا کہ علم اصول میں ثابت ہے اور اس مسئلہ میں جسمیں ہمارا کلام ہے طرف فعل راجح ہے بلکہ فرض ہے جیسا کہ کتب اصول میں مذکور ہے۔

یعنی جان کا بچانا فرض ہے۔ ان چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ ضرورت اور اضطرار وہی معتبر ہے جو نص سے ثابت ہے اور نص نے ضرورت اور اضطرار مخمصہ کو قرار دیا ہے صاحب روح المعانی نے تحریر فرمایا ہے:-

ا الاضطرار الوقوع فی الضرورۃ وفی مخمصۃ ای مجاعۃ تخمص لہا البطون ای تضمر یخاف منہ الموت اومبادیہ (صہ۶۱ ج ۶)	اضطرار کے معنی ضرورت میں واقع ہونے کے ہیں اور مخمصہ یعنی وہ بھوک جس سے پیٹ چمٹ جائے اور دبلا پا آجائے کہ اس سے موت یا مبادیات موت کا خوف ہو۔

اور صاحب ہدایہ نے تحریر فرمایا ہے:-

ب۔ انما یباح عند الضرورۃ کما فی حالۃ المخمصۃ (اکراہ)	اور ضرورت میں مباح ہے جیسا کہ مخمصہ کی حالت میں۔
ج۔ ھٰذا فی ظاھر الروایۃ کذا ھذا فیمن اصابتہ مخمصۃ (البنایہ صہ۶۹۲)	یہی ظاہر روایۃ میں ہے اسی طرح یہ حکم اس کے بارے میں ہے جسکو مخمصہ ہو۔

اس تصریح کے بعد صاحب ہدایہ نے تحریر فرمایا ہے ۔

د ۔ الا ان یکرہ بما یخاف	مگر یہ کہ اس چیز سے مجبور کر دیا جائے
منہ علیٰ نفسہ او عضوٍ	جس سے جان کا یا اعضاء میں سے کسی عضو
من اعضائہ (الیٰ قولہ)	کا خوف ہو ایسے ہی خون اور سور کا گوشت
کذا علیٰ ھذا الدم ولحم	کھانے کا معاملہ ہے ان حرام چیزوں کا
الخنزیر فان تناول ھذہ	کھانا ضرورت کے وقت ہے
المحرمات عند الضرورۃ (اکراہ)	

لہذا صاف ظاہر ہے کہ شریعت کے نزدیک ہر ضرورت اور اضطرار کا اعتبار نہیں بلکہ ضرورت جان، اور عضو کا اعتبار ہے جس کو نص نے بیان کر دیا ہے اس جگہ تیمم کی ضرورت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق اور بیکار نہ قیاس ہے کیونکہ تیمم کرنا تو پانی کی قیمت بازار بھاؤ سے زیادہ ہونے اور آٹا گوندھنے تک میں جائز ہے علاوہ ازیں تیمم کو شریعت نے طہارت اصلی قرار دیا ہے بہر حال جس ضرورت اور اضطرار کو نص نے کہدیا ہے وہی معتبر ہے وحی غیر متلو حدیث شریف میں بھی اس کا اشارہ ملتا ہے ۔

اشربوا من ابوالھا و	ان کا پیشاب اور دودھ
البانھا۔ (الحدیث)	پیو۔

لہذا انسانی خون کے انجکشن کا استعمال ضرورت جان کے لئے جائز ہے اور یہ ضرورت نص سے ثابت ہے اور ضرورت جان ایک محسوس ضرورت ہے اس قسم کے مواقع محض کسی ڈاکٹر یا طبیب کے کہنے سے ثابت نہیں ہوتے بلکہ تجربات سے بھی ثابت ہوتے ہیں اور تجربات سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے اور فقہاء نے اسی کا اعتبار کیا ہے

وقول الاطباء لا یحصل	اطباء کے قول سے علم حاصل نہیں ہوتا
بہ العلم والظاھر ان التجربۃ	اور ظاہر یہ ہے کہ تجربہ سے غلبۂ ظن حاصل

يحصل بها غلبة الظن و	ہو جاتا ہے اور مراد علم سے
المراد بالعلم غلبة الظن	غلبہ ظن ہی ہے اور یہی فقہاء کے
وهو شائع في كلامهم	کلام میں شائع ہے۔

(رد المحتار ص۱۲۱ ج ۱)

جہاں تک ڈاکٹروں کی رائے کا معاملہ آج کل یہ لوگ انتہائی بددیانت واقع ہوئے ہیں معمولی سے امراض میں خون چڑھانے کو کہدیتے ہیں میرا تجربہ ہے کہ جہاں دس پانچ روپے ڈاکٹر کے ہاتھ پر رکھے وہ گلوکوز کی بوتل سے بھی وہی کام لے لیتے ہیں جو خون سے، اور خطرناک امراض جیسے تھادم وغیرہ اس میں عام آدمی بھی اس ضرورت کو محسوس کرتا ہے۔

خون کی تجارت

لیکن خون کی بیع وشراء کا معاملہ، یہ کاروبار مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ کاروبار میں منفعت ہے اور منفعت کے لئے جواز ثابت نہیں ہوتا جواز تو مضرت اور ضرورت اور اضطرار کے لئے ہے۔ درمختار میں ہے۔

الانتفاع كالبيع (ص۲۶۹ ج ۵) انتفاع مثل بیع کے ہے۔

اعضاء کی تبدیلی

أ۔ الانتفاع باجزاء	اجزائے انسان
الآدمي لم يجز	سے انتفاع جائز
قيل للنجاسة وقيل	نہیں ہے کہا گیا ہے نجاست کی وجہ
للكرامة. هو الصحيح	سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کرامت کی وجہ
(عالمگیری)	ہے
ب۔ مضطر لم يجد ميتة	ایک مضطر ہے مردار بھی موجود نہیں۔
وخاف الهلاك فقال	ہلاکت کا ڈر ہے ایک آدمی نے اس سے
له الرجل اقطع يدي	کہا میرا ہاتھ کاٹ کر کھالے یا کہا میرا
وكلها او قال اقطع مني	ایک ٹکڑا کاٹ کر کھالے تو اس کے لئے

قطعۃ وکلھا لایسعہ ان	کھانا جائز نہیں اور اس کے
یفعل ذلک ولا یصح امرہٗ	لئے امر کرنا درست نہیں ہے

(عالمگیری از قاضی خاں)

ج۔ ضرر کو ضرر سے دفع نہیں کیا جا سکتا۔ (اشباہ)

ان وجوہات کی بنا پر تبدیلی چشم جائز نہیں ہے۔ بعد مرنے کے آنکھیں نکالنے کی وصیت خود حرام ہے اور مردہ کے اختیار سے باہر زندہ لوگ جن کو وصیت کی گئی ہے ان کو اس حرام کے ارتکاب کی نہ ضرورت ہے اور نہ وہ مضطر ہیں اگر ہوں بھی تو ضرر کا ضرر ہے اور مثا سار کا معاشرے علاج خلاف نص ہے اور حرام ہے

خون کے استعمال کے لئے اگرچہ خون دینے والے کو قدرے کمزوری ہوتی ہے مگر وہ قابل انگیز ہے۔ ہم نے بہت سے مزدوروں کو دیکھا ہے کہ وہ اس قسم کا کام بخوشی کرتے ہیں اور معمولی سی کمزوری محسوس کر کے تھوڑی دیر کے بعد ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ بہر حال تبدیلی چشم اور اعضاء جائز نہیں ہے۔ مصلحتاً چند چیزوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

ا۔ تبدیلی خون سے اخلاق و عادات پر اثر پڑتا ہے۔

ب۔ بعض حالات میں تبدیلی اعضاء سے بھی اخلاق و عادات پر اثر پڑتا ہے اور اسی قسم کے مفاسد ہیں مگر یہ مفاسد صرف جان بچانے کے لئے قابل انگیز ہیں اور تبدیلی چشم میں ایک قسم کی منفعت بھی ہے۔

تحقیق کے بعد معلوم ہوا ہے کہ آنکھ کی تبدیلی کا معاملہ یہ ہے کہ پوری آنکھ کے پپوٹے کو نہیں نکالا جاتا۔ بلکہ وہ سیاہ تل جو مرکز نور...... اور دیکھنے کا ذریعہ ہے مشین کے ذریعہ اس کو نکال لیتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس اندھے کو دوبارہ واپس روشنی مل گئی اس کی دنیا ہی جنت بن گئی قدر نعمت چھن جانے کے بعد ہوتی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے جسکو ماہرین نے

بیان کیا ہے کہ دوبارہ روشنی کا آجانا یقینی نہیں ہے یعنی ایک غیر یقینی معاملہ کے لئے یہ سب کیا جاتا ہے اس وجہ سے بھی جائز نہیں ہے۔ شریعت کے نزدیک حکم تو یقین پر لگتا ہے شک پر نہیں۔

فقط واللہ تعالےٰ اعلم بالصواب

کتبہ عزیز الرحمٰن غفرلہ
۲۸ ذیقعدہ سنہ ۹۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسرا شعار ربّانی

فخرِ موجودات

ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

مدارِ دین وایمان ومدارِ کائنات

دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ سِرَاجًا مُّنِیْرًا

صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہماری شریعت کی دوسری بنیاد

ہماری مقدس شریعت کی دوسری بنیاد ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہے جن کی شان میں اللہ تعالٰے نے ارشاد فرمایا ہے:

یا ایہا النبی انا ارسلناک شاھداً ومبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً۔

اے نبی ہم نے آپکو شاہد اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے

اور آپ ہی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

وما ارسلناک الا رحمۃً للعالمین

اور ہم نے آپ کو عالمین کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

اور یہ بھی آپ ہی کی شان میں ارشاد فرمایا ہے:۔

ان اللہ وملائکتہٗ یصلون علے النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

اللہ اور اس کے فرشتے ذات اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

"اللھم صلے اللہ علی محمد وعلی آل محمد بما تحب وترضیٰ وعدد ما تحب وترضیٰ" اور آپ ہی کے بارے میں حکم ہوا ہے

یا ایہا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (الآیۃ)

ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو۔

یہ اتنا جامع حکم ہے کہ تمام اوامر اور نواہی کو شامل ہے۔ اسی حکم کو اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا۔

ما اتاکم الرسول فخذوہ — رسول تم کو جو دے وہ لو اور جس چیز سے

وما نھٰکم عنہ فانتھوا — روکے رک جاؤ۔

یاد رکھنا چاہیئے اللہ تعالیٰ نے کبھی تنہا شرک پر عذاب نازل نہیں فرمایا البتہ جب اس کے انبیاء کی نافرمانی کی ہے تو اس نے عذاب بھیجا ہے۔ اس امت پر ویسا عذاب تو نہ آئے گا جیسا دوسری امتوں پر آیا ہے البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کے خلاف کرنے ان کی سنتوں سے ہٹنے پر شدید گمراہی آتی ہے اور یہ کیا عذاب سے کم ہے کہ فہم سلیم سلب کر لی جائے، فکر صحیح مفقود ہو جائے کیا یہ آج حقیقت نہیں ہے کہ آج ہمارے فکر کا معیار لطیحائی پیغمبر کی سنت نہیں ہے آج ہمارے فکر کو وہاں سے روشنی نہیں مل رہی ہے آج ہمارے ادبار پر جو عذاب مسلط ہوا ہے وہ صرف توبہ کرنے سے دور ہوگا اور اس جرم کی توبہ یہ ہے کہ تیرہ سو سال پیچھے ہٹ کر سوچا جائے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے مرکز سے ایک ڈگری ہٹ کر زاویہ کے دونوں ضلعوں کا فاصلہ بہت دور چل کر دونوں کے مرکز سے بہت دور ہو جاتا ہے پھر ان دونوں مرکزوں کو عبور رہا تو خطرناک راہوں سے کیا جائیگا یا پھر اپنی منزل پر پیچھے آکر پہونچا جائیگا اور اسی کے لئے ہمیں ہدایت ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا ہے اس امت کے سب سے اول فرد کی اصلاح جس طریقہ سے ہوئی ہے سب سے آخری فرد کی اصلاح بھی اسی طریقہ سے ہوگی۔ اس لئے رہنمایانِ باطل تمہاری منزلِ حق کے رہنما نہیں ہو سکتے اگر غلطی سے تم غلط راستے پر چل پڑے ہو تو لوٹ کر واپس آجاؤ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ سے پھر سفر شروع کرو

سُنّت شریفہ کی آئینی حیثیت

کتاب اللہ کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ "سنت" ہے اور روزِ اول سے لے کر آج تک اس پر اجماع[1] ہے سنت کی دو قسم ہیں سنت رسول اور سنت صحابہ۔ سنت رسول کی تین قسم ہیں قولی، فعلی، سکوتی یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی عمل ہوا اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا۔ اور دوسری قسم سنت صحابہ رضہ میں حضرات صحابہ رضہ کے اقوال وفتاوی اور ان کا عمل داخل ہیں

اس جگہ سنت شریفہ کی آئینی حیثیت کو مختلف عنوانات کے ضمن میں بیان کیا جاتا ہے جو ہمارے نزدیک اور ضرورت زمانہ کے اعتبار سے بھی اہم ہیں سنت کے اصطلاحی مباحث پر کلام کرنے کے لئے مستقل ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔

قرآن پاک سے سنت کی تائید

امام شافعی رح نے "کتاب الاُمّ" میں تحریر فرمایا ہے:۔

میں نے کسی ایسے آدمی سے جو عالم مشہور ہو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو ماننا اور ان پر عمل کرنا فرض نہیں کیا ہے بلکہ وہی کہے گا کہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کو تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا ضروری

---

[1] ۱۹۶۰ء میں مغربی پاکستان کے ہائی کورٹ میں "حق حضانت" کا ایک مقدمہ زیر سماعت تھا اس مقدمہ کا فیصلہ چیف جسٹس محمد شفیع نے کیا تھا اور اپنے فیصلہ میں بہت زیادہ آیات اور احادیث پیش کر کے یہ باور کرایا تھا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔ ان کے علاوہ جو چیزیں ہیں ان دونوں کے تابع ہیں[۵]

اب وہ قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں جن سے سنت شریفہ کے شرعی ماخذ ہونے کی تائید ہوتی ہے

۱۔ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (الحشر)	رسول جو چیز تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ
۲۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی	نبی برحق جو کچھ فرماتے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ وہ تو وحی ہے جو اُن کو کی گئی ہے۔

پہلی اور دوسری آیت میں مَا موصولہ ہے جو بالاتفاق عمومیت پر دلالت کرتی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال اور افعال حجت ہیں وحی الٰہی قرآن پاک کا اس کے بارے میں یہی فیصلہ ہے لیکن مغربی پاکستان کے ہائی کورٹ کے جج نے اپنے فیصلہ میں تحریر فرمایا:۔

(بقیہ حاشیہ ص۷۶) کہ اصل چیز اسلام میں قرآن پاک ہے" وہی اسلامی قانون کا ماخذ ہے۔ احادیث کا ذخیرہ قابل اعتماد نہیں ہے اور اس پر فاضل جج نے تیس چالیس دلائل پیش کئے تھے اسوقت پاکستانی رسائل اور اخبارات میں اس کا بہت چرچا ہوا تھا خاص طور سے فرقہ قرآنیہ (پاکستان) کے آرگن طلوع اسلام نے فاضل جج کی موافقت میں مہینوں تک اپنے صفحات سیاہ کئے تھے اور فاضل جج کے فیصلہ کا ترجمہ بھی شائع کیا تھا ان ہی ایام میں "طلوع اسلام" کے ایڈیٹر ڈاکٹر عبدالودود صاحب نے فرقہ قرآنیہ کی تائید حمایت میں بہت کچھ لکھا تھا غرضکہ کئی سال تک یہ بحث چلی اور پاکستان میں فتنہ انکار حدیث کے عنوان سے بہت کتابیں رسائل اور اخبارات شائع ہوئے۔ اُس زمانہ میں خاص طور سے مئی، جون ۱۹۶۰ء کے طلوع اسلام، ترجمان القرآن، البینات، المنیر، یا المنبر رسائل اور اخبارات کو دیکھنا چاہیئے ہم بھی اپنے ان مباحث میں کہیں کہیں انکا ذکر کرینگے کوشش کرینگے البتہ انکا تفصیلی جائزہ اور ان پر تبصرہ ایک دبی ہوئی بات کو اکھاڑنے کے مترادف ہے اسلئے اس سے گریز ہی بہتر ہے۔ [۵] کتاب الام باب جماع العلم از امام شافعی رح

"قرآن کے علاوہ حدیث یا سنت کو بھی مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نے اسلامی قانون کا ایک اتنا ہی اہم مآخذ سمجھ لیا ہے متعین مفہوم کے مطابق حدیث سے مراد محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قول ہے لیکن عام طور پر حدیث سے مراد رسول کا قول و عمل لیا جاتا ہے جسے آپ نے پسند یا ناپسند نہیں فرمایا۔ اسلامی قانون کا مآخذ ہونے کی حیثیت سے حدیث کی قدر و قیمت کیا ہے؟ اسکو پوری طرح سمجھنے کے لئے ہمیں یہ سمجھنا چاہیئے کہ رسول پاک کا مرتبہ اور مقام اسلامی دنیا میں کیا ہے؟ میں اس فیصلہ کے ابتدائی حصہ میں یہ بتا چکا ہوں کہ اسلام ایک خدائی دین ہے یہ اپنی سند خدا اور صرف خدا ہی سے حاصل کرتا ہے اگر یہ اسلام کا صحیح تصور ہے تو اس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نبی کے اقوال، افعال، کردار کو خدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کی حیثیت نہیں دی جا سکتی"۔ [۵]

اس اقتباس کے بعد قرآن پاک کی ان آیات کی تلاوت فرمائیے اور فاضل جج کے فیصلہ کو پرکھیئے!

۳۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء)	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے بعینہ اللہ کی اطاعت کی
۴۔ وان تطیعوہ تھتدوا (النور)	اگر تم رسول کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے
۵۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (احزاب)	تمہارے لئے رسول کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے
۶۔ فلا وربک لا یومنون حتی	پس تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن

---

[۵] ترجمان القرآن کا منصب رسالت نمبر۔

یحکموک فیما شجر بینھم ثم	نہیں ہونگے جب تک وہ اپنے اختلافی
لا یجدو انی انفسھم حرجاً	معاملہ میں آپکو اپنا حکم تسلیم نہ کریں
مما قضیت ویسلموا تسلیماً	اور پھر آپکے فیصلہ سے تنگ دل نہ ہوں
(النساء)	(بلکہ) اور اسکو دل سے تسلیم کرلیں۔

۷۔ وما کان لمومن ولا مومنۃ	جب اللہ اور رسول فیصلہ کردیں تو
اذا قضی اللہ ورسولہ امراً	کسی مومن مرد اور عورت کو اپنے
ان یکون لھم الخیرۃ من	معاملہ میں کوئی اختیار نہیں رہتا
امرھم۔ (احزاب)	

ان آیات اور ان کے علاوہ اور دوسری بکثرت آیات سے اسلامی قانون میں سنت شریفہ کا مقام ظاہر ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ آیات قرآنی کو وحی متلو اور احادیث کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے اس کے علاوہ دوسرا فرق صرف احادیث کے ثبوت کی وجہ سے ہے ورنہ اگر کوئی حدیث مشہور اور متواتر ہے تو اس سے حکم قرآنی کو منسوخ ماننا جائز ہے اور اس کا حکم بھی وہی قطعیت والا حکم ہے مثلاً اوقات صلوٰۃ ایک رکعت میں دو سجدے، مقدار زکوٰۃ، نصاب زکوٰۃ وغیرہ امور حدیث ہی سے ثابت ہیں اور ان کو اسلام میں فرض کا درجہ حاصل ہے۔ فاضل جج کی اور مغرب زدہ اردو کے دیگر مولاناؤں کی بات بکواس سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ تمام انبیاء علیہم السلام زمین پر اللہ تعالیٰ کے نمائندہ ہیں اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو نافذ کرنے والے ہیں ان کا کوئی قول وعمل اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور اس کے ایماء کے ہرگز خلاف نہیں ہوتا۔

۸۔ ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ	میں تو اسی کی اتباع کرتا ہوں جو
(انعام)	میری طرف وحی کی گئی ہے۔

۹۔ قل انما اتبع ما یوحی الیّ من ربی (اعراف)

آپ فرما دیجئے میں تو اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میرے رب نے میری طرف وحی بھیجی ہے۔

یعنی رسول کے تمام اقوال وافعال وحی الہٰی کے تابع ہیں وہ کسی آن بھی نمائندۂ خدا، اور رسول خدا ہونے کی حیثیت سے جدا نہیں ہوتے یہ صفات لازمہ ہے جسکا انفکاک ان سے محال اور ناممکن ہے۔

قرآن وسنت کا ربط

گذشتہ سطور میں اگرچہ ضمناً قرآن وسنت کا ربط معلوم ہوچکا لیکن یہاں اجمالاً کچھ عرض کرنا ہے۔ قرآن وسنت کا آپس میں کیا ربط ہے اس کو بھی قرآن پاک نے خود ہی بیان فرمایا ہے:۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزّل الیہم ولعلہم یتفکرون الآیۃ

ہم نے آپ کی طرف قرآن پاک اتارا تاکہ آپ لوگوں سے اسکو خوب کھول کر بیان فرمادیں اور تاکہ وہ بھی غور کریں

آیت مبارکہ میں "تبیّن" کا لفظ ہے جس کے معنی خوب کھول کر بیان کرنے کے ہیں یعنی قرآن پاک میں جو چیز مجمل یا خفی یا تشریح طلب ہے تو آپ اس کو خوب واضح کر کے بتلادیں اور یہ وضاحت بھی کس طرح ہوتی تھی۔ جامع بیان العلم میں حسان بن عطیہ فرماتے ہیں:۔

کان الوحی ینزل علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ویحضرہ جبرئیل بالسنۃ التی تفسر ذلک

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اور حضرت جبرئیلؑ آکر اس کی توضیح فرماتے اور اس پر عمل کا طریقہ بتلاتے تھے۔

بہرحال سنت شریفہ شارح قرآن ہے اور یہ شرح بھی منجانب اللہ ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں ہے۔ فقہاء عظام نے سنت کو فرض کا تکملہ یا فرض کی تکمیل کرنے والا قرار دیا ہے کسی چیز کی تکمیل اسی جنس سے ہوتی ہے غیر جنس سے تکمیل

تکمیل نہیں کہلاتی البتہ دونوں چیزوں میں صرف خط فاصل ہوتا ہے مثلاً سجدہ سہو سے نماز مکمل ہوجاتی ہے تو سجدۂ سہو اپنی ہیئت کذائیہ اور تمام فرائض کے اعتبار سے وہی ہے جو نماز ہے۔ ایسے ہی چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور پورے سر کا مسح سنت ہے دونوں ایک ہی جنس ہیں۔ ایسے ہی ناک میں پانی دینا کلی کرنا سنت ہے اور چہرہ کا دھونا فرض ہے غسل وجہ سے دونوں چیزوں کا کتنا گہرا تعلق ہے۔ غرضیکہ چھوٹے سے مسئلہ سے لیکر جہاں تک چلے جائیے قرآن وسنت میں انتہائی گہرا ربط پایا جائیگا۔ یہ نزاکت فقہاء کرام نے محسوس کی ہے اور دونوں چیزوں میں ان کے مقام اور نزاکت مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے خط فاصل کھینچا ہے یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔

ظنِ غالب کا معاملہ

فقہاء کرام نے سنت یا احادیث سے ثابت شدہ حکم کو "واجب" قرار دیا کیونکہ اس کی بنیاد ظن غالب پر ہے قطعیت کا درجہ صرف نص کو حاصل ہے اور اس سے فرضیت ثابت ہوتی ہے فرضیت اور وجوب میں عملاً کوئی فرق نہیں ہے صرف علماً اور عقیدتاً فرق ہے اور یہ فرق ہونا بھی چاہیئے تھا۔ اور یہ ظنیت یا وجوب کا درجہ حدیث یا سنت ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ ثبوت حدیث کی وجہ اور راویوں کے روایت کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ رواۃ حدیث بہرحال انسان ہیں ان سے نقل روایت میں سہو کا امکان ہے اور امکان اور احتمال کی وجہ سے کوئی چیز مقام قطعیت کو حاصل نہیں کر سکتی۔ منکرین حدیث اگر ظن غالب کو آڑ بنا کر انکار حدیث کرتے ہیں تو ان کی بھول ہے کیونکہ رات دن ہم آپس کے معاملات میں ایسا کرتے رہتے ہیں۔

۱۔ مثلاً کسی عدالت نے گواہوں کی شہادت پر کسی قاتل کو سزائے موت دی اگرچہ اس میں یہ احتمال باقی ہے کہ گواہوں نے ممکن ہے جھوٹ بولا ہو لیکن انسان کے بس کی بات اسی قدر ہے کہ شہادت پر اعتماد کرے اور اس کے

جھوٹ و سچ کو خدا کے سپرد کرے۔ اگر ایسا نہیں کیا جاتا تو دنیا کے تمام معاملات ٹھپ ہو کر رہ جائینگے۔

۲۔ یہی حال شریعت میں قبلہ کے بارے میں ہے۔ اگر کسی کو قبلہ کا رُخ نہ معلوم ہو تو وہ ظن غالب پر عمل کرے اور نماز ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت سے دور رہنے والوں پر عینیت قبلہ فرض نہیں کی بلکہ سمت قبلہ فرض کی ہے۔

اینما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ (الآیۃ)	جہاں بھی تم ہو اپنے چہروں کو سمت قبلہ کی طرف پھیر لو۔!

اسلئے منکرین حدیث کا یہ فرمانا

"چونکہ احادیث میں شک و شبہ کا احتمال ہے اس لئے ہم انہیں نہیں مانتے بلکہ ہم صرف قرآن کریم کو مانتے ہیں جس کے کسی حرف میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں لہ۔

دراصل یہ لوگ دھوکہ میں ہیں وہ اپنے ہی الفاظ میں حدیث کو کیا نہیں مانتے بلکہ کتاب اللہ ہی کا سرے سے انکار کرتے ہیں

انکار حدیث پر دلائل

مذکورہ بالا سطور میں کہیں اجمالاً اور کہیں صراحتاً انکار حدیث کا رد کیا جا چکا ہے۔ سطور ذیل میں چند اقتباسات اور درج کئے جا رہے ہیں ان پر تنقید و تبصرہ اگرچہ گذر چکا ہے لیکن ان اردو داں مولاناؤں کی ناواقفیت کا اندازہ ہونا بھی ضروری ہے

۱۔ تمام فقہاء اسلام بالاتفاق اس بات کو مانتے ہیں کہ جیسے جیسے زمانہ گذرتا گیا جعلی حدیثوں کا ایک جم غفیر اسلامی قوانین کا ایک جائز و مسلم ماخذ بنتا چلا گیا جھوٹی حدیثیں خود محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں ظاہر ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ جھوٹی اور غلط حدیثیں اتنی بڑھ گئی تھیں کہ حضرت

لہ فقہ الاسلام از حسن احمد الخطیب مصری صفحہ ۱۳۰ ج ۱

عمرؓ نے اپنی خلافت میں روایت حدیث پر پابندیاں لگادیں بلکہ اس سے منع تک کردیا تھا۔ امام بخاریؒ نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے صرف ۹ ہزار کو صحیح حدیث کی حیثیت سے منتخب کیا۔

۲۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص اس بات سے انکار کریگا کہ جس طرح قرآن کو محفوظ کیا گیا اس طرح کی کوئی کوشش رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اپنے عہد میں احادیث کو محفوظ کرنے کے لئے نہیں کی گئی۔

۳۔ اس امر کی بھی کوئی شہادت نہیں ہے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فوراً بعد جو چار خلیفہ ہوئے ان کے زمانے میں احادیث محفوظ یا مرتب کی گئی ہوں [۱]

ان تین اعتراضات کو ہم نے اختصار کی وجہ سے نقل کیا ہے بیشتر اعتراضات ہمارے گذشتہ دلائل کے پس منظر میں آچکے ہیں۔

اسلامی قانون اور جھوٹی روایات

یہ بات درست ہے کہ بہت سی جعلی حدیثیں جنکو موضوع کہا جاتا ہے اسلام میں داخل ہونا شروع ہوگئی تھیں اور یہ سلسلہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد باطل فرقوں نے شروع کردیا تھا۔ لیکن ان احادیث کو اسلامی قوانین میں کوئی جگہ نہیں ملی۔ روز اول سے لیکر آج تک ایک عالم کو بھی پیش نہیں کیا جاسکتا کہ وہ یہ کہہ سکے کہ اسلام کا فلاں مسئلہ یا فلاں حکم موضوع یا جعلی حدیث سے مستنبط ہے۔ ملا علی قاریؒ موضوعات کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

"حافظ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں علمائے حدیث اس پر متفق ہیں کہ موضوع حدیث روایت کرنا حلال نہیں ہے چاہے وہ کسی معنی کی ہوں ہاں اگر اس کا موضوع ہونا ثابت کر مقصود ہو تو جائز ہے لیکن ضعیف حدیث کی روایت احکام اور عقائد

---

[۱] ترجمان القرآن منصب رسالت نمبر ص ۳۲۲ / ۳۲۲

کے علاوہ جائز ہے۔ یہی بات یقینی طور پر نووی، ابن جماعہ بلقینی اور عراقی نے تحریر کی ہے" لہ

حقیقت حال یہ ہے اسلامی احکام میں موضوع حدیث تو درکنار ضعیف حدیث بھی قبول نہیں کی۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ جو اسلامی احکامات میں قانون ساز ہیں انہوں نے قبولیت حدیث کے لئے نہایت سخت قوانین مرتب کئے اور بہت چھان بین کرنے کے بعد احادیث کو قبول کیا متاخرین علماء میں ابن تیمیہؒ تو اس بارے میں اتنے سخت ہیں کہ وہ ترغیب و ترہیب اور فضائل اعمال تک میں ضعیف حدیث کو قبول نہیں کرتے فرماتے ہیں:-

لا یقبل احادیث الفضائل	بخاری مسلم، ترمذی کے علاوہ
الا ما رواہ بخاری ومسلم	فضائل کی حدیثوں کو نہ قبول
وترمذی ٢ہ	کیا جائے۔

حفاظت حدیث

چونکہ حدیث مفسّر قرآن ہے اس وجہ سے شروع ہی سے احادیث کی حفاظت کا بھی سلسلہ رہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ سے صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور حرکات وسکنات کو کتابت کے ذریعہ سے بھی اور حافظہ کی مدد سے بھی محفوظ رکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں

۱- "اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کو میرے علاوہ بجز حضرت عبداللہ بن عمروؓ زیادہ حدیثیں یاد نہ تھیں وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں حافظہ میں محفوظ کر لیا کرتا تھا" ۳ہ

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں:-

لہ موضوعات کبیر صہ ٢ہ موضوعات کبیر صہ ۳ہ رواہ بخاری

۲۔ "یا رسول اللہ میں آپ سے حدیث سنتا ہوں کیا اسکو لکھ لیا کروں؟
فرمایا' ہاں! عرض کیا' کیا ناراضی و خوشی ہر حالت میں؟
فرمایا' ہاں! میں ہر حال میں حق ہی کہتا ہوں" [۱]

حضرت ابوہریرہ رض روایت کرتے ہیں :۔

۳۔ انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا میں آپ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں مگر یاد نہیں رکھ سکتا۔ آپ نے ارشاد فرمایا اپنے ہاتھ سے مدد لیا کرو اور پھر ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا لکھ لیا کرو [۲]

غرض کہ محدثین اور فقہاء کی ایک بڑی جماعت اسی حق میں ہے کہ کتابت حدیث میں کوئی مضائقہ نہیں اور دلیل میں وہ یہی روایات پیش کرتے ہیں۔
ہمارا منشا صرف اس قدر ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے کتابت حدیث کا سلسلہ جاری ہے جو صحابہ رض کتابت جانتے تھے وہ لکھ لیتے تھے اور جو نہیں جانتے تھے وہ حافظہ میں محفوظ رکھتے تھے۔

۴۔ حضرت ابوہریرہ رض فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا۔ بعد میں یمن کے ایک صاحب ابوشاہ نے عرض کیا' حضور! آپ اس کو میرے لئے لکھوا دیجئے! آپ نے ارشاد فرمایا :۔

اُکتبوا لابی شاہ ۔ ابوشاہ کے لئے لکھ دو [۳]

یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے اس وقت خطبہ میں آپ نے قتل کے چند احکام ارشاد فرمائے تھے۔

۵۔ ایک مرتبہ حضرت علی رض سے مختلف حضرات نے دریافت کیا آپ کے پاس کوئی ایسا علم ہے جو خاص طور سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف آپ ہی کو بتلایا ہو؟ فرمایا نہیں! میرے پاس کتاب اللہ ہے اور یہ چند احکام ہیں جو حضور ص نے مجھے لکھوا دیئے تھے' پھر وہ تحریر آپ نے

---

[۱] رواہ ابوداؤد۔ [۲] ترمذی [۳] بخاری' احمد' ترمذی۔

نکال کر دکھلائی۔ اس میں زکوٰۃ، تعزیرات اور حرم مدینہ کے بارے میں چند احکامات تھے لہ

۶۔ ان کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں اپنے عمال کو ہدایت لکھ کر بھیجی ہیں جن میں زکوٰۃ، دیوانی، فوجداری، میراث وغیرہ کے احکامات تھے، یہ روایات ابوداؤد، نسائی، دارقطنی، المحلی ابن حزم میں موجود ہیں۔

۷۔ مختلف اوقات میں آپ نے بادشاہوں اور سردارانِ قبائل کے نام مکاتیب ارسال فرمائے ہیں اور یہ تمام مکاتیب سیرت کی تمام کتابوں زاد المعاد روضۃ الاحباب میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان تمام دلائل سے ثابت ہے کہ سنت شریفہ کی حفاظت کا سلسلہ کتابت کے ذریعہ بھی اور حافظہ کے ذریعہ سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے جاری ہے اس لئے احادیث کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ڈھائی سو سال کے بعد ہی جمع ہوئیں اور لکھی گئیں ہاں خلیفہ راشد جناب عمر بن عبدالعزیز نے سرکاری طور سے اپنے زمانہ میں باقاعدہ اس کا اہتمام کیا اور احادیث کو مجلدات کی صورت میں لکھوایا تھا اور یہ جمع و تدوین حدیث بھی اناپ شناپ نہیں تھی بلکہ نہایت چھان پھٹک کر تھی چنانچہ ابن شہاب زہری، امام مالک، امام ابوحنیفہ وغیرہ ایسے ہیں کہ جنکی روایات پر کلام نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد دور ثانی، ثالث، رابع ہے جن کے بارے میں آئندہ سطور میں کلام ہوگا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرات صحابہ رضؓ کے زمانے میں چند واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہے کہ وہ کتابت حدیث کو پسند نہیں کرتے تھے مثلاً حضرت عمر رضؓ کا واقعہ۔ لیکن حضرت عمر رضؓ کی ممانعت عارضی طور پر بعض مصالح کی وجہ سے تھی۔ ایسے ہی حضرت ابن مسعود رضؓ کا واقعہ کہ ان کی خدمت میں ان کے شاگردوں نے احادیث کے چند مسودات پیش کئے جس کو انہوں نے

لہ بخاری۔ مسلم۔ نسائی۔

دھلوادیا اور فرمایا لوگ حافظہ سے کام لینا بند کردینگے۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ابواللیث سمرقندی نے اپنی کتاب "بستان" میں تحریر فرمایا ہے:۔

"کتابت کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں کمی زیادتی کا امکان ہے اور کتاب عوارضات کی بھی نذر ہوسکتی ہے بخلاف حافظہ کے کہ اسمیں یہ تغیرات نہیں ہوسکتے" [۱]

اس کے بعد فقیہ موصوف نے کتابت علم کے بارے میں بہت سے واقعات اور شواہد و دلائل پیش کئے بستان میں ان کی تفصیل موجود ہے جس کا ہم نے ترجمہ کیا ہے اور حواشی بھی لکھے ہیں۔ ہماری کتاب اسی نام سے شائع ہوچکی ہے۔ اب سطور ذیل میں ترتیب وار حفاظت احادیث کی تاریخ ملاحظہ فرمائیں۔

حضراتِ صحابہؓ

حضرت ابوہریرہ رضؓ۔	متوفی ۵۷ھ	احادیث ۵۳۷۴	انکے شاگردوں کی تعداد ۸۰۰ ہے
حضرت ابوسعید خدری رضؓ	" ۷۴ھ	" ۱۱۷۰	
حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ	" ۷۴ھ	" ۵۴۰	
حضرت انس بن مالک رضؓ	" ۹۳ھ	" ۱۲۸۶	
حضرت عائشہ رضؓ	" ۵۹ھ	" ۲۲۱۰	
حضرت ابن عباس رضؓ	" ۶۸ھ	" ۱۶۶۰	
حضرت ابن عمر رضؓ	" ۷۰ھ	" ۱۶۳۰	
حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ	" ۶۳ھ	" ۷۰۰	
حضرت ابن مسعود رضؓ	" ۳۲ھ	" ۸۴۸	

یہ ان حضرات صحابہ رضؓ کے اسمار گرامی ہیں کہ جنکی روایات بکثرت ہیں۔ بقیہ صحابہ رضؓ جنکی روایات کی تعداد ان سے کم ہے ان کو ذکر نہیں کیا۔ تبلانا یہ ہے کہ حفاظتِ

---

[۱] بستان از فقیہ ابواللیث سمرقندی باب کتابت العلم۔

حدیث کا کام ہر زمانہ میں رہا ہے خود حضرات صحابہ رضہ نے اس کا اہتمام فرمایا ہے اس کے بعد عہد تابعین پر نظر ڈالئے!

حضراتِ تابعینؒ سطور ذیل میں ان حضرات تابعین رح کی فہرست درج کی جاتی ہے جنہوں نے حفاظت حدیث اور اشاعت حدیث میں بہت بڑا کام کیا ہے اور ان حضرات کی صداقت اور عدالت پر اتفاق ہے۔

	نام		پیدائش		وفات
۱	سعید بن المسیبؒ	پیدائش	سنہ ۱۴ھ	وفات	سنہ ۹۳ھ
۲	حسن بصری رح	"	سنہ ۲۱ھ	"	سنہ ۱۱۰ھ
۳	ابن سیرین رح	"	سنہ ۲۲ھ	"	سنہ ۱۰۰ھ
۴	عروہ بن زبیر رضہ [۱]	"	سنہ ۲۲ھ	"	سنہ ۹۴ھ
۵	زین العابدین رح	"	سنہ ۳۸ھ	"	سنہ ۹۴ھ
۶	مجاہد رح [۲]	"	سنہ ۲۱ھ	"	سنہ ۱۰۴ھ
۷	قاسم بن محمد بن ابی بکر رضہ	"	سنہ ۳۷ھ	"	سنہ ۱۰۶ھ
۸	قاضی شریح [۳]	"		"	سنہ ۷۸ھ
۹	حضرت مسروق رح [۳]	"		"	سنہ ۶۲ھ
۱۰	اسود بن یزید	"		"	سنہ ۷۵ھ
۱۱	مکحول	"		"	سنہ ۱۱۲ھ
۱۲	رجاء بن حیوٰۃ	"		"	سنہ ۱۱۳ھ
۱۳	ہمام بن منبہؒ [۴]	"	سنہ ۴۰ھ	"	سنہ ۱۳۱ھ

[۱] انہوں نے سیرت رسول پر سب سے پہلی کتاب تحریر فرمائی [۲] یہ تفسیری روایات میں امام مانے جاتے ہیں [۳] یہ حضرت عمر رضہ کے زمانہ میں قاضی تھے [۴] ان کا آج بھی حدیث میں ایک رسالہ ہے جو صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے شائع ہوچکا ہے۔

نمبر	نام		پیدائش		وفات
۱۴۔	سالم بن عبداللہ بن عمرؓ			وفات	سنہ ۱۰۶ھ
۱۵۔	نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر			〃	سنہ ۱۱۷ھ
۱۶۔	سعید بن جبیرؒ	پیدائش	سنہ ۴۵ھ	〃	سنہ ۹۵ھ
۱۷۔	سلیمان الأعمش	〃	سنہ ۶۱ھ	〃	سنہ ۱۴۸ھ
۱۸۔	ایوب السختیانی	〃	سنہ ۶۶ھ	〃	سنہ ۱۳۰ھ
۱۹۔	محمد بن المنکدر	〃	سنہ ۵۴ھ	〃	سنہ ۱۳۰ھ
۲۰۔	ابن شہاب زہری [۱]	〃	سنہ ۵۸ھ	〃	سنہ ۱۲۴ھ
۲۱۔	سلیمان بن یسار	〃	سنہ ۳۴ھ	〃	سنہ ۱۰۷ھ
۲۲۔	عکرمہ مولیٰ ابن عباس	〃	سنہ ۲۲ھ	〃	سنہ ۱۰۵ھ
۲۳۔	عطاء بن ابی رباح	〃	سنہ ۲۷ھ	〃	سنہ ۱۱۵ھ
۲۴۔	قتادہ بن دعامہ	〃	سنہ ۶۱ھ	〃	سنہ ۱۱۷ھ
۲۵۔	عامر الشعبی	〃	سنہ ۱۷ھ	〃	سنہ ۱۱۴ھ
۲۶۔	علقمہ	〃		〃	سنہ ۶۲ھ
۲۷۔	ابراہیم نخعی	〃	سنہ ۴۶ھ	〃	سنہ ۹۶ھ
۲۸۔	یزید بن ابی حبیب	〃	سنہ ۵۳ھ	〃	سنہ ۱۲۸ھ
۲۹۔	جعفر بن محمد	〃	سنہ ۸۰ھ	〃	سنہ ۱۲۸ھ
۳۰۔	امام ابوحنیفہؒ	〃	سنہ ۸۰ھ	〃	سنہ ۱۵۰ھ
۳۱۔	شعبہ بن الحجاج	〃	سنہ ۸۲ھ	〃	سنہ ۱۶۰ھ
۳۲۔	لیث بن سعدؒ	〃	سنہ ۹۲ھ	〃	سنہ ۱۶۵ھ
۳۳۔	ربیعۃ الرائے	〃		〃	سنہ ۱۳۶ھ
۳۴۔	سعید بن عروبہ			〃	سنہ ۱۵۶ھ
۳۵	مسعر بن کدام	〃		〃	سنہ ۱۵۲ھ

---

[۱] انہوں نے حدیث میں کتابت شدہ بہت بڑا ذخیرہ چھوڑا۔

۳۶- عبدالرحمٰن بن قاسم		وفات	سنہ ۱۲۹ھ
۳۷- سفیان ثوری	پیدائش سنہ ۹۷ھ	"	سنہ ۱۶۱ھ
۳۸- حماد بن زید	" سنہ ۹۶ھ	"	سنہ ۱۷۹ھ

یہ وہ حضرات تابعین ہیں جنہوں نے علم حدیث کی بہت بڑی خدمت کی ان میں سے بیشتر امام ابوحنیفہ رہ کے اساتذہ بھی ہیں۔

دوسری صدی کے جامعین حدیث

یہ وہ دور ہے کہ جس میں حدیث اور فقہ کے مجموعے مرتب ہوئے ان محدثین اور فقہاء نے فن حدیث پر اپنی بیش بہا کتابیں چھوڑیں

۳۹- ربیع بن صبیح		وفات	سنہ ۱۶۰ھ
۴۰- سعید بن عروبہ		"	سنہ ۱۵۶ھ
۴۱- موسیٰ بن عقبہ		"	سنہ ۱۴۰ھ
۴۲- امام مالکؒ	پیدائش سنہ ۹۳ھ	"	سنہ ۱۷۹ھ
۴۳- ابن جریج	" سنہ ۸۰ھ	"	سنہ ۱۵۰ھ
۴۴- امام اوزاعی	" سنہ ۸۸ھ	"	سنہ ۱۵۷ھ
۴۵- سفیان ثوری	" سنہ ۹۷ھ	"	سنہ ۱۶۱ھ
۴۶- حماد بن سلمہ	"	"	سنہ ۱۶۷ھ
۴۷- امام ابویوسف رح	" سنہ ۱۱۳ھ	"	سنہ ۱۸۲ھ
۴۸- امام محمد رہ	" سنہ ۱۴۱ھ	"	سنہ ۱۸۹ھ
۴۹- محمد ابن اسحٰق	"	"	سنہ ۱۵۱ھ
۵۰- ابن سعدؒ	" سنہ ۱۶۸ھ	"	سنہ ۲۳۰ھ
۵۱- عبیداللہ بن موسیٰ	"	"	سنہ ۲۱۳ھ
۵۲- مسدد	"	"	سنہ ۲۱۶ھ
۵۳- اسد بن موسیٰ	"	"	سنہ ۲۱۲ھ

۵۴۔ نعیم بن حماد		وفات	سنہ ۲۲۸ھ
۵۵۔ امام احمد	پیدائش سنہ ۱۶۴ھ	"	سنہ ۲۲۱ھ
۵۶۔ اسحٰق بن راہویہ	" سنہ ۱۶۱ھ	"	سنہ ۲۲۸ھ
۵۷۔ عثمان بن ابی شیبہ	" سنہ ۱۵۶ھ	"	سنہ ۲۲۹ھ
۵۸ ابو بکر بن ابی شیبہ	" سنہ ۱۵۹	"	سنہ ۲۴۵ھ

ان کے بعد امام بخاری، امام مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ بیہقی محدثین حضرات کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ یہ ہے امام بخاریؒ تک تاریخ حدیث۔ اس کے بعد یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حدیث پاک کا ذخیرہ تقریباً ڈھائی سو سال تک گوشۂ خمول میں پڑا رہا اور پھر اچانک وجود میں آگیا اس تاریخ میں اگر محدثین حضرات کی تحقیقات، تنقید اور شرائط کو ذکر کر دیا جائے تو کتاب بہت طویل ہو جائے گی اس لئے صرف امام ابو حنیفہؒ کے اصولِ حدیث اور شرائطِ حدیث کو ذکر کیا جاتا ہے

شرائط امام ابو حنیفہؒ

۱۔ ثقہ راویوں کے مراسیل مقبول ہیں بشرطیکہ ان سے قوی تر دلیل موجود نہ ہو۔ بخاریؒ نے بھی قرأت خلف الامام میں مرسل حدیث سے استدلال کیا ہے مسلم نے بھی مراسیل کو روایت کیا ہے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں:۔

ومن ضعف بالارسال	جس نے مرسل ہونے کی وجہ سے حدیث کو
نبذ شطر السنۃ المعمول بہا[1]	ضعیف قرار دیدیا اس نے معمول بہا سنت کے ایک حصہ کو ترک کر دیا۔

۲۔ خبر واحد کو اصول پر پرکھا جائیگا اگر وہ اس کے مطابق ہے تو اختیار کیا جائیگا ورنہ ترک کر دیا جائے گا۔

۳۔ خبر واحد کو کتاب اللہ کے مقابلہ میں ترک کر دیا جائیگا۔

۴۔ خبر مشہور کے مقابلہ میں خبر واحد کو ترک کر دیا جائیگا۔

---

[1] مقدمہ فتح الملہم

۵۔ اگر دو خبر واحد متعارض ہوں تو افقہ راوی کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی۔

۶۔ اس راوی کی روایت کو ترک کر دیا جائے گا جس کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت کہ اگر کتا برتن کو چاٹ جائے تو اس کو سات مرتبہ دھونا چاہیئے اور وہ فتویٰ تین مرتبہ دھونے پر دیتے تھے۔

۷۔ حدیث اگر متن یا سند کے اعتبار سے زائد ہو تو اسکو ناقص کے مقابلہ میں ترک کر دیا جائے گا

۸۔ جس چیز میں عموم بلویٰ ہو اس کے مقابلہ میں خبر واحد کو ترک کر دیا جائیگا کیونکہ قرن اول کا عموم بلویٰ کا اثبات متواتر اور متوارث ہوتا ہے اسی وجہ سے حدود اور کفارات کو شبہ کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے۔

۹۔ ایک ہی حکم میں اگر کوئی خبر واحد مختلف ہو اور صحابہ رضؓ سے ثابت ہو کہ انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے تو اس خبر واحد کو ترک نہ کیا جائے گا بلکہ مناسب تطبیق و تاویل کی جائے گی۔

۱۰۔ جس خبر واحد پر سلف میں سے کسی نے طعن نہ کیا ہو اسکو اختیار کیا جائیگا

۱۱۔ حدود اور تعزیرات و عقوبات میں اخف درجہ کی حدیث کو لیا جائیگا

۱۲۔ حدیث کے راوی کے لئے سماعت سے لیکر نقل تک استمرار حفظ ضروری ہے

۱۳۔ اس راوی کی روایت معتبر نہیں جو یہ کہے میری بیاض میں ہے ہاں بیاض کی روایت اس وقت معتبر ہوگی جب اسکی زبانی بھی یاد ہو۔

۱۴۔ خبر واحد میں احوط کو اختیار کیا جائیگا۔

۱۵۔ متاخر کو مقدم کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہوگی کیونکہ اس کی حیثیت ناسخ کی ہے۔

۱۶۔ خبر واحد صحابہ اور تابعین کے عمل متوارث کے خلاف نہ ہو[1]

امام اعظم ابو حنیفہ رحؒ کے یہ شرائط حدیث میں جن پر اُن کے فقہ کا مدار ہے

---

[1] تانیب الخطیب۔ ص ۱۵۲ و ص ۱۵۳

ان کی روشنی میں یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ اسلامی دستور میں موضوع حدیثیں داخل ہوگئیں اس کے بعد ہم حنفی فقہ اور حدیث کے تعلق کو بیان کرتے ہیں

فقہ حنفی اور حدیث

امام اعظم ابو حنیفہ رح کا زمانہ خیر القرون سے تعلق رکھتا ہے اس وقت حضرات صحابہ رض کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ بکثرت موجود تھے جس طرح حضرات صحابہ رض ہر معاملہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کو دلیل میں پیش کرتے تھے اسی طرح حضرات تابعین، صحابہ رض کے قول و عمل اور ان کے فتاویٰ کو دلیل میں پیش کرتے تھے۔ ان دونوں مقدس جماعتوں کا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے جتنا گہرا تعلق تھا دوسرے ادیان کے پیروؤں کی تاریخ میں وہ تعلق نظر نہیں آتا۔ اس لئے تابعین حضرات کے فتاوی وہی تھے جو حضرات صحابہ رض کا قول و عمل اور فتاویٰ تھے اور حضرات صحابہ رض کے فتاوے اور قول و عمل وہ تھا جو انہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اور کرتے دیکھا تھا یعنی بالفاظ دیگر پورے عالم اسلام میں کتاب اللہ اور سنت شریفہ رواج میں تھی لیکن سوء اتفاق حضرت عثمان غنی رض کی شہادت اور حضرت علی رض کی شہادت کے بعد سبائیوں اور زندیقیوں نے اسلامی لباس پہن کر مسلمانوں کی اپنے رسول پاک سے یہ والہانہ عقیدت دیکھتے ہوئے اسلام کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کی اور ہر معاملہ میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر اپنی طرف سے اپنی منشا کے مطابق بیان کرنا شروع کر دیا۔ لیکن حضرات تابعین باوجود اس والہانہ عقیدت کے جو اُن کو رسول پاک صلعم کی ذات سے تھی۔ اسی عقیدت کے عطا کردہ نور و بصیرت سے تاڑ گئے کہ فلاں بات قال رسول ہے اور فلاں بات قال رسول نہیں ہے۔ اس کے لئے انہوں نے قوانین اور ضابطے مقرر کئے۔ یہ قوانین راوی حدیث کے متعلق بھی ہیں اور متن حدیث کے متعلق بھی ہیں۔ اسی کے تحت ان حضرات نے احادیث کے

مجموعے ترتیب دئے اور پھر ان کے ذریعہ قانونِ اسلام مدوّن کیا گیا۔ اس معاملہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رح کا نام سرِ فہرست ہے اور چونکہ وہ مقنّن اور قانون ساز ہیں اس لئے بعض حضرات نے ان پر اعتراض کر دیا کہ وہ قیاسی ہیں ایک دفعہ خلیفہ منصور نے ان کو بلاکر دریافت کیا تو فرمایا

"امیر المومنین! جو بات آپ کو پہونچی ہے وہ غلط ہے۔ میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اور پھر ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر پھر باقی صحابہؓ کے فیصلوں پر البتہ جس مسئلہ میں صحابہ میں اختلاف مروی ہوتا ہے تو قیاس پر عمل کرتا ہوں" [۱]

قیاس کس کو کہتے ہیں اور اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟ ان کو آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں اس جگہ آپ کو معلوم ہوگا کہ قیاس سے مراد صرف "رائے" ہی نہیں ہے بلکہ قیاس نام کے اعتبار سے تو قیاس ہے لیکن اس کی پوری عمارت کتاب وسنت ہی پر تعمیر ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں:۔

"بخدا اس شخص نے ہم پر جھوٹ بولا اور ہم پر تہمت لگائی جس نے ہمارے بارے میں یہ کہا کہ ہم نص کی موجودگی میں قیاس کو ترجیح دیتے ہیں" [۲]

— علامہ ابن حزم نے فقہ حنفی کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:۔

"تمام اصحاب ابی حنیفہ اس بات پر متفق ہیں کہ ابوحنیفہ کا مذہب یہ تھا کہ ضعیف حدیث بھی اگر مل جائے تو اس کے مقابلہ میں قیاس اور رائے کو ترک کر دیا جائے" [۳]

معلوم رہے ضعیف حدیث یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کے معنیٰ جھوٹی حدیث کے نہیں ہیں۔ حدیث میں ضعف کبھی سند کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی متن کے اعتبار سے اس ضعف کے بہت سے اسباب اور

---

[۱]، [۲]، [۳] تفصیل ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب "حیاتِ امام اعظم ابوحنیفہ رح"

علل اور اقسام ہیں جنکو فن حدیث کی دوسری کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔
فقہ حنفی یا دستور اسلامی سے متعلق جس قدر کتابیں ہیں اور ان کتابوں میں جسقدر عنوانات اور مسائل ہیں ان سب کو پڑھ جائیے کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہ ملے گا جو سنت شریفہ سے باہر ہو امام اعظم ابوحنیفہ رح کے پندرہ مسانید ہیں جن کا مجموعہ جامع المسانید خوارزمی کے نام سے دائرۃ المعارف حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔ امام طحاوی رح کی شرح معانی الآثار، اور شرح مشکل الآثار، امام سرخسی کی المبسوط، امام محمد رح کی کتاب الآثار۔ موطا۔ اور اسی طرح سے امام ابوحنیفہ رح کے مسلک پر کتب ظاہر الروایۃ، ہدایہ اس کی شرحات البنایہ، فتح القدیر یہ سب کتابیں دستیاب ہیں ہندوستان کے بیشتر کتب خانوں میں ملتی ہیں۔ ان سب کو یا کسی ایک کتاب کو پڑھ لیجئے! صاف ظاہر ہو گا کہ فقہ حنفی کی بنیاد محض قیاس پر ہے یا کتاب و سنت پر ہے؟ اور ان کے مسائل ہر زمانہ اور ہر ماحول کے سازگار ہیں یا نہیں؟ اختلاف زمان و مکان کی رعایات ان میں موجود ہیں یا نہیں؟ اس کے باوجود یہ مطالبہ کہ شریعت میں لچک پیدا کرنی چاہیئے یا مسائل کو زمانہ کے حالات سے ہم آہنگ کرنا چاہیئے ایک جاہلانہ بات ہے اور ایک مالیخولیائی بڑ ہے کہ بلا سوچے سمجھے زبان پر کچھ الفاظ چڑھ گئے ہیں جن کو لوگ بولتے رہتے ہیں۔ بھلا غور فرمائیے! جس معاملہ اور حکم میں جس قدر لچک اور رعایت شارع علیہ السلام کی طرف سے موجود ہے اب اس میں جو بھی تصرف کریگا وہ محرّف (دین میں تحریف کرنے والا) قرار پائیگا۔
بین الاقوامی حالات پر نظر ڈالیئے! ملکوں کے اندرونی اور بیرونی معاملات کا مطالعہ فرمائیے ان میں رائج ...... دساتیر کو پڑھ جائیے! بکثرت ایسے امور ملینگے جو نہ کسی طرح حالات اور زمانہ کے مطابق ہیں اور نہ فطرت انسانی سے ان کا کوئی جوڑ ہے مگر قوت اور زور دستی کے بل بوتے پر ہواؤں کا رُخ

ادھر کو موڑا جاتا ہے۔ انسانوں کو جبراً اس کا خوگر بنایا جاتا ہے یہ سب کچھ بھی
دانشور کرتے ہیں اور کرتے ہوئے دیکھتے ہیں جو اسلام سے یہ مطالبہ کرتے
ہیں کہ اس میں لچک آنا چاہیئے اور اس کے احکامات کو حالات اور زمانہ
کے مطابق ہونا چاہیئے۔ ان سب کو سانپ سونگھ جاتا ہے اور ان کو موت
کی سی اونگھ آنے لگتی ہے اور یہ لبوں کو حرکت نہیں دیسکتے کہ ملکوں کے
دستور کو ان کے عوام کی منشا اور حالات کے مطابق ہونا چاہیئے۔!

اس جگہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی ملک کا دستور اس
کے عوام کی فلاح اور ریاست کی خوشحالی اور ترقی کے لئے ہوتا ہے!
بیشک! لیکن یہی بات اسلام کے بارے میں کیوں نہیں کہی جاتی؟ اسلام کا
دستور بلاشک وشبہ انسانیت کی فلاح کے لئے ہے کسی ایک ملک کے
لئے نہیں روئے زمین پر تمام بسنے والوں کے لئے باعث ترقی وفلاح ہے
اس میں نہ صرف انسانوں کے لئے امن ہے بلکہ ہر ذی روح کے لئے امن
ہے اس دستور نے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک انسان کو انسانیت سکھائی
ہے اور عالم میں امن قائم رکھا ہے جبکہ موجودہ ملکوں کے دستور برابر ادل
بدل کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ لوگ صاف طور سے یہ نہیں کہتے،

"جس کی لاٹھی اس کی بھینس"

لیکن اسلام اس چیز سے روکتا ہے اس نے صاف کہدیا ہے۔

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ — دین میں زبردستی نہیں ہے کیونکہ گمراہی
تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ — اور ہدایت میں نمایاں فرق واضح ہوچکا ہے

حقیقت حال یہ ہے کہ کوئی سا نظریہ یا فارمولا یا دستور یا منصوبہ
اس وقت تک پروان نہیں چڑھ سکتا جس کی پشت پر دعوت نہ ہو موجودہ
زمانے میں یہ چیزیں ایک بھونڈے طریقہ (پروپیگنڈہ) کے ذریعہ رواج پاتی
ہیں لیکن سوء اتفاق اسلامی قوانین اور دستور یا مسائل کی پشت پر کوئی

دعوت نہیں ہے اس کے علماء احساس کمتری کا شکار ہیں۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ وہ دوسروں سے متاثر ہیں اگر ان کے پاس دعوت ہوتی تو یہ ہرگز متاثر نہ ہوتے کیونکہ صرف دو ہی خانے ہیں اثر ڈالنا یا اثر قبول کرلینا اگر کسی آدمی نے دوسرے کو متاثر نہیں کیا بلاشبہ وہ غیر شعوری طور پر دوسروں سے متاثر ہے، اور داعی کبھی دوسرے سے متاثر نہیں ہوتا اس کا عنوان اور موضوع اور تو دوسروں پر اثر ڈالنا اور اپنے نقوش چھوڑنا ہوتا ہے

ہائے اسلام تیرے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند تھا افسوس وہ ہالے نہ رہے

سنت صحابہؓ کی آئینی حیثیت

مقام صحابہؓ

السابقون الاولون من	سب سے پہلے (ایمان لانیوالے)
	مہاجرین اور انصار اور
المھاجرین والانصار والذین	جنہوں نے ان کی نیکیوں میں
اتبعوھم باحسان رضی اللہ	اتباع کی (یعنی تابعین) اللہ ان
عنھم ورضوا عنہ	سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں
۲۔ محمد رسول اللہ والذین معہ	محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی
اشداء علی الکفار رحماء	کفار پر شدید ہیں اور آپس میں رحیم
بینھم تراھم رکعا وسجداً	ہیں آپ ان کو رکوع اور سجدہ
یبتغون فضلاً من اللہ و	میں دیکھینگے کہ وہ اللہ تعالٰی کا فضل
رضوانا	تلاش رکھتے ہیں

جس مقدس جماعت کے بارے میں قرآن پاک کی شہادت موجود ہو ان کے لئے کسی کی سند تصدیق کی ضرورت نہیں ہے ان کی صداقت اور عدالت پر نص قطعی موجود ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

الصحابۃ کلھم عدول تمام صحابہؓ عادل ہیں۔

مولانا مودودی صاحب نے عدول کا ترجمہ خلافت اور ملوکیت میں صدوق کیلئے اور تحریر فرمایا ہے کہ: "حضرات صحابہؓ آپس میں خواہ کتنا ہی اختلاف رکھتے تھے لیکن نقل روایت میں وہ صادق تھے۔ میں عرض کرتا ہوں عدول کا ترجمہ صدوق درست نہیں ہے۔ قرآن پاک، احادیث، فقہ اور لغت

عربی سے اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ عدل انسانیت کی تمام صفات کو جامع ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ کے کامل درجہ کے مومن انسان ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے ان ہی صفات میں سے ایک صفت صدق اور راستبازی بھی ہے اور یہ کیا کم درجہ کا کمال ہے کہ اگر ان کو کسی سے کوئی اختلاف ہوتا اور اس کے بارے میں کوئی ارشاد رسول موجود ہوتا تو اسکو دیانت داری کے ساتھ بیان فرمادیتے۔ حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علی رضؓ میں باوجودیکہ اختلاف تھا لیکن مناقب علی رضؓ میں حضرت معاویہؓ کی مرویات موجود ہیں اس کے بعد دینی معاملات میں ان حضرات کی روایات پر کیا جرح کی جاسکتی ہے؟ ہاں جرح وتنقید کا دروازہ بعد کے راویوں کیلئے کھلا ہے نہ کہ حضرات صحابہ رضؓ کے لئے۔

خلفاء راشدین اور سنت

پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اسلام میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین کا مرتبہ ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی ارشاد فرمایا ہے:۔

علیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین (الحدیث)	تمہارے اوپر میری اور خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔

یہ حضرات بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے بڑے عاشق تھے کہ ذرہ برابر بھی سنت شریفہ کے خط مستقیم سے ہٹنا پسند نہیں کرتے تھے۔

(۱)۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت اسامہؓ کے لشکر کی واپسی کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے صاف فرما دیا۔ مدینہ منورہ میں کچھ بھی حالات پیش آجائیں جس لشکر کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ فرما چکے ہیں میں اس کو واپس نہ بلاؤں گا۔

(۲) ـ حضرت عمر رضؓ نے جمع قرآن کے بارے میں عرض کیا تو فرمایا

کیف افعل شیئا لم یفعلہ — میں وہ کام کیسے کروں جس کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — رسول پاکؐ نے نہ کیا ہو۔

بہرحال جب بار بار عرض کیا گیا اور حضرت ابوبکر رضؓ کو انشراح ہو گیا کہ جمع و ترتیب قرآن کا معاملہ سنت شریفہ کے خلاف نہیں ہے۔ تب آمادہ ہوئے اور جمع قرآن کا امر فرمایا۔

۳ ـ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر رضؓ کے سامنے جب کوئی معاملہ پیش ہوتا اور وہ نہ تو کتاب اللہ میں اس کا کوئی حکم پاتے اور نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی کوئی مثال ملتی تو اجتہاد فرماتے اور فرماتے یہ میری رائے ہے اگر صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کا کرم اور مہربانی ہے۔ [۱]

۴ ـ میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا یہ عمل تھا کہ پہلے وہ کتاب اللہ سے حل تلاش کرتے اور پھر سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اگر سنت میں حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ پھر دیگر حضراتِ صحابہ رضؓ سے دریافت کرتے کہ انہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث اس بارے میں معلوم ہے ؟ [۲]

(۵) ـ ایک مرتبہ ایک دادی نے پوتے کی میراث میں (اس کی ماں مر چکی تھی) اپنے حصہ کا مطالبہ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا: اس کے بارے میں کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں پاتا ہوں۔ دیگر صحابہؓ سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ اور محمد بن مسلمہ رضؓ نے گواہی دی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو ۱/۶ حصہ یعنی چھٹا مادری دلایا ہے۔ تب ابوبکر رضؓ نے اسی کے مطابق فیصلہ کیا [۳]۔

۶ ـ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ رضؓ کو اپنی زندگی میں کچھ مال دینے کو فرمایا مگر ان کو یہ یاد نہ رہا کہ وہ مال صاحبزادی کو دیدیا گیا

---

[۱] اعلام الموقعین از ابن قیم جلد ۱ [۲] ایضاً جلد ۱ [۳] رواہ شیخین۔

یا نہیں۔ وفات کے قریب یاد آیا تو فرمایا۔ عائشہ! اگر وہ مال تم لے چکی ہو تو وہ تمہارا مال ہے کیونکہ ہبہ ہے اور تم نے اس پر قبضہ کر لیا ہے اور اگر تمہارے قبضہ میں ابھی نہ آیا ہو تو وہ ہبہ ختم اب اس کی حیثیت وصیت کی ہے اور وارث کے لئے وصیت نہیں ہے [۵]

بہرحال حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کی زندگی میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ انہوں نے کوئی کام نص یا سنت شریفہ کے خلاف کیا ہو انہوں نے خلیفہ ہونے کے فوراً بعد اعلان فرما دیا تھا:-

اطیعونی ما اطعت اللہ و	جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی
رسولہ فان عصیت اللہ	طاعت کروں تم میری طاعت کرو اگر میں
ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم	اسکے خلاف کروں تو تم پر میری طاعت لازم نہیں ہے۔

۷ ــ حضرت اسامہ بن زید رضؓ کے لشکر کے بارے میں دوسرا اہم معاملہ یہ پیش آیا کہ حضرت اسامہؓ نوعمر تھے اور ان کے لشکر میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ موجود تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے تجویز رکھی کہ آپ ان کی جگہ کسی بڑے صحابی کو لشکر کا امیر مقرر فرما دیجئے! حضرت ابوبکر رضؓ کو اس پر بہت غصہ آیا اور حضرت عمر رضؓ کی داڑھی پکڑ کر فرمایا:-

"اے عمرؓ! تجھے تیری ماں روئے! جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل مقرر فرمایا اس کو میں معزول کر دوں؟ــ ناممکن ہے"

۸ ــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت فاطمہ رضؓ اور حضرت عباس رضؓ

---

[۵] موطا امام مالک فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جب تک ہبہ پر قبضہ نہ ہو وہ ناقص رہتا ہے اور مرض وفات میں اگر ہبہ کیا جائے تو وہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے۔ فتح القدیر۔

کا میراث کا مطالبہ کرنا لیکن حضرت ابوبکر رضؓ نے صرف حدیث شریف کی بنیاد پر (کہ رسول کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ وہ صدقہ ہوتا ہے) حصہ دینے سے انکار کر دیا۔

۹۔ حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کا زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے جہاد کا اعلان فرما دینا، یہ ایسے مشہور واقعات ہیں جو عام طور پر سیرت کی تمام کتابوں میں ملتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے صاف طور پر اعلان فرما دیا تھا

انما انا متبع لست — میں تو حضورؐ کا تابع ہوں دین
بمبتدع [۱] — میں نئی ایجاد کرنے والا نہیں ہوں

۱۰۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کا طریقۂ کار کیا تھا؟ وہ اس خط کر بھی ثابت ہے جو انہوں نے قاضی شریح کے نام تحریر فرمایا تھا مکتوب مبارک میں تحریر ہے:۔

"اگر تمہیں کوئی حکم قرآن پاک میں نہ ملے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت شریفہ میں تلاش کرو اور اس پر فیصلہ کرو اگر دونوں میں سے کسی جگہ اس کا حکم نہ ہو تو اجماع کے مطابق فیصلہ کرو! اور اگر کوئی اجماعی فیصلہ بھی نہ ہو تو اجتہاد کرو! یا پھر ٹھہر کر فیصلہ کرو اور میرے نزدیک انتظار کے بعد فیصلہ کرنا زیادہ بہتر ہے" [۲]

اس تحریر میں اجماع کی طرف اشارہ ہے غالباً اس سے مراد یہ ہے کہ لوگوں سے دریافت کرو اور ان کی رائے طلب کرو جب پر سب متفق ہو جائیں وہ فیصلہ کرو اور دوسری بات اجتہاد کے بارے میں ہے یعنی اجتہاد نہایت غور و فکر کے بعد ہونا چاہیئے ممکن ہے کہ کوئی شرعی فیصلہ معلوم ہو جائے۔

۱۱۔ حضرت عثمان غنی رضؓ کا طریقہ کار ملاحظہ فرمائیں۔ انہوں نے بیعت کے بعد جو خطبہ دیا اس میں ارشاد فرمایا:۔

میرے اوپر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی

---

[۱] تفصیل ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب سیرت اصحاب النبی۔ [۲] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۶۲

پابندی کے بعد تین ذمہ داریاں ہیں۔ ایک یہ کہ میں اپنے پیش رو
خلفاء کی پیروی کرونگا۔ ان کے زمانے میں تمہارے اجماع اور
اتفاق سے جو فیصلے ہوئے ہیں ان کا پابند رہوں گا اور دوسرے
یہ کہ جو امور اب اہل (شورائیت) اہل خیر کے اجماع سے طے ہونگے
ان کی پیروی کرونگا۔ تیسرے یہ کہ تمہارے اوپر دست درازی نہ
کرونگا۔" [1]

۱۲۔ چوتھے خلیفہ حضرت علی رض کا اپنے زمانہ میں طریقہ کار یہ تھا انہوں نے حضرت قیس بن عبادہ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:۔

"خبردار رہو! ہمارے اوپر تمہارا حق یہ ہے کہ ہم کتاب اللہ اور
سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل کریں اور تم پر وہ
حق قائم کریں جو ان دونوں سے ثابت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کی سنت کو جاری کریں" [2]

یہ ہے حضرات خلفاء راشدین کا اسوۂ حسنہ اور ان کا طریقۂ کار۔ اس کے بعد دیگر حضرات صحابہ رض کا عمل اور اتباع سنت، ان کی ہزاروں مثالیں احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اذان میں ترجیع کا طریقہ۔ مناسک حج ادا کرتے ہو۔ حضرت ابن عمر رض کا ان جگہوں پر اترنا جہاں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اترا کرتے تھے۔ غسل، وضو، نماز وغیرہ میں حضرات صحابہ رض کا اتباع سنت اور سینکڑوں عنوانات ایسے ہیں کہ جن سے واضح ہے کہ حضرات صحابہ رض جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹے جس سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرات صحابہ رض کا وہی قول و عمل تھا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل تھا صرف ادنیٰ درجہ کا خط فاصل موجود ہے اور بس۔ حضرات صحابہ رض کے آثار اور ان کے فتاویٰ کو اٹھا کر دیکھ لیجئے سب کے سب سنت شریفہ کے تابع ہیں ذیل میں ان چند حضرات صحابہ رض کے اسماء گرامی پیش کئے جا رہے ہیں جو فتاویٰ

---

[1] طبری جلد ۴ صفحہ ۲۴۶ [2] طبری جلد ۴ صفحہ ۵۵۵

فتاوی کی خدمت بھی انجام دیا کرتے تھے تاکہ حدیث کی کتابوں سے تلاش کرنے میں آسانی ہو

اہل افتاء صحابہ رضؓ

۱۔ حضرت عمر رضؓ
۲۔ حضرت علی رضؓ
۳۔ حضرت ابن مسعود رضؓ
۴۔ حضرت عائشہ رضؓ
۵۔ حضرت زید بن ثابت رضؓ
۶۔ حضرت ابن عباس رضؓ
۷۔ حضرت ابن عمر رضؓ

یہ سات صحابہؓ وہ ہیں جن کے فتاوی (آثار) کی تعداد سینکڑوں ہے اس کے علاوہ بیس صحابہ رضؓ ایسے ہیں کہ جن کے آثار کی تعداد بہت زیادہ تو نہیں ہے لیکن کم بھی نہیں ہے وہ یہ ہیں:۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ
۲۔ حضرت جابر رضؓ
۳۔ حضرت ام سلمہ رضؓ
۴۔ حضرت معاذ ابن جبل رضؓ
۵۔ حضرت انس رضؓ
۶۔ حضرت ابوسعید خدری رضؓ
۷۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ
۸۔ حضرت طلحہ رضؓ
۹۔ حضرت عثمان غنی رضؓ
۱۰۔ حضرت زبیر رضؓ
۱۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ
۱۲۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ
۱۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ
۱۴۔ حضرت عمران بن حصین رضؓ
۱۵۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ
۱۶۔ حضرت ابوبکرہ رضؓ
۱۷۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ
۱۸۔ حضرت عبادہ بن صامت رضؓ
۱۹۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ
۲۰۔ حضرت امیر معاویہ رضؓ [۱]

ان کے علاوہ ۱۲۲ صحابہ رضؓ ایسے ہیں کہ کسی کا ایک کسی کے دو، کسی کے

---

[۱] تاریخ المفقہ ص۲۷۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب حیات امام اعظم ابوحنیفہ رحؒ

چار فتاویٰ (آثار) ملتے ہیں۔ یہ سب کتاب اللہ اور سنت شریفہ ہی کی روشنی میں ہیں۔ مجتہدین کرام کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے کہ ان کو جب کسی صحابی کے قول و عمل میں بھی کوئی حکم نہ ملے تب اجتہاد کرتے تھے اور وہ اجتہاد میں بھی آزاد نہ تھے بلکہ ان ہی امور کے پابند تھے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ تفصیلی کلام آئندہ سطور میں آئے گا۔

اقوال صحابہؓ اور ابوحنیفہؒ گزشتہ سطور میں امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد گذر چکا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے۔

"امیر المومنین! جو بات آپ کو پہونچی ہے وہ غلط ہے میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر اور پھر ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں پر اور پھر باقی صحابہ رضہ کے فیصلوں پر، البتہ جس مسئلہ میں صحابہ رضہ میں اختلاف موجود ہو تو پھر میں قیاس پر عمل کرتا ہوں"

مثلاً صلوٰۃ کسوف کے بارے میں حضرات صحابہ رضہ میں اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضہ نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعات نماز، صلوٰۃ کسوف ادا کیں ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے تھے۔ اور حضرت عائشہ رضہ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے دو رکعت ادا کیں جن میں چار رکوع اور چار سجدے تھے۔ حضرت عائشہ رضہ کی روایت قیاس کے خلاف ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضہ کی قیاس کے مطابق ہے تو اس صورت میں پہلی روایت کو ترجیح ہوگی۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ حنفیہ نے قیاس پر عمل کیا ہے بلکہ قیاس کے ذریعہ دو قول میں سے ایک کو ترجیح دی ہے [۱]

اقوال صحابہ رضہ کے بارے میں ان اختلافات کو پیش نظر رکھتے ہوئے علمائے احناف نے فرمایا ہے:۔ اگر صحابی رضہ کا قول قرآن و سنت کے خلاف

---

[۱] نامی شرح الحسامی ص۱۵۶

نہ ہو۔ اور ایسے معاملات میں ہو جہاں اجتہاد اور قیاس جاری نہ ہو سکتا ہو تو۔ تو متفقہ طور پر صحابہ رضہ کا قول معتبر ہے کیونکہ کوئی صحابی اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتا اس نے جو کچھ کہا ہے سنت کی روشنی میں کہا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زید بن ارقم رضہ کی ام ولد (باندی) نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا میں نے زید بن ارقم رضہ کو آٹھ سو درہم میں ایک غلام ادھار فروخت کیا اور پھر چھ سو درہم میں نقد خرید لیا۔ حضرت عائشہ رضہ نے فرمایا: تم زید بن ارقم رضہ سے کہدو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جہاد کیا وہ باطل ہوا۔ تم نے بہت بری چیز خریدی اور بہت بری چیز فروخت کی یعنی یہ بیع حرام ہے۔ اس سے یہی سمجھا جائیگا کہ حضرت عائشہ رضہ نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کی بنیاد سنت شریف پر ہے انہوں نے اپنی طرف سے اتنا بڑا حکم صادر نہیں فرمایا۔

اسی طرح کسی عام ضرورت کے وقت کسی بڑے صحابی رضہ نے کوئی فتویٰ دیا ہو اور دیگر صحابہ رضہ نے اس سے انکار نہ کیا ہو بلکہ وہ خاموش رہے ہوں تو یہ بھی حنفی علماء کے نزدیک شرعی حجت ہے مثلاً اذان جمعہ کا مسئلہ ہے کہ شروع میں یہ اذان جب خطیب منبر پر بیٹھ جاتا اس کے سامنے ہوا کرتی تھی (جیسا کہ آج کل بھی ہوتا ہے) لیکن حضرت عثمان رضہ خلیفہ ثالث نے مدینہ منورہ کی آبادی کثیر ہو جانے کی وجہ سے اس سے پہلے ایک اذان اور مقرر فرمائی۔ اس پر کسی صحابی نے اختلاف نہیں کیا گویا تمام صحابہ رضہ کا اجماع ہو گیا۔

اسی طرح حنفی علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اجتہاد اور رائے کے معاملہ میں ایک صحابی رضہ کا قول دوسرے صحابی کے لئے حجت نہیں ہے لیکن دوسرے مجتہدین کے بارے میں حجت ہے یا نہیں تو اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔ ابوبکر رازی۔ ابو سعید البردعی، فخر الاسلام البزدوی

اور شمس الائمہ سرخسی اس کو شرعی دلیل سمجھتے ہیں لیکن علامہ کرخیؒ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ ابو سعید البردعی فرماتے ہیں۔

تقلید الصحابی واجب	صحابی کی تقلید واجب ہے اور اس کے
یترک بہ القیاس قال	مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دیا جائیگا فرمایا
وعلیٰ ھذا ادرکنا مشائخنا[1]	اور اسی پر ہم نے اپنے مشائخ کو پایا ہے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

الصحابی کالنجوم بایھم	میرے صحابی مثل ستاروں کے
اقتدیتم اھتدیتم	ہیں جس کی بھی تم اقتدا کر لوگے
(الحدیث)	ہدایت پاؤگے۔

اور جیسا کہ ابو سعید البردعی نے فرمایا ہے صحیح اور راجح مسلک وہی ہے

---

[1] مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم از علامہ عثمانی

سنت شریفہ ـــ اور

اصول حکمرانی

یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلامی سیاست، معاشرت کی بنیاد صرف دو اصولوں پر ہے اطاعت اور شورائیت اور یہی دو چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے تحت پورے عالم میں امن وسکون اور فلاح و ترقی لائی جا سکتی ہے اس کے خلاف موجودہ نظاموں کی بنیاد صرف "رائے حق خود اختیاری" اور قومیت پر ہے اور یہ دونوں چیزیں پہلی دونوں چیزوں کی بالکل سمت مخالف ہیں۔ ان نظریات کے موجد نے صرف اسلام کو بے عمل اور بے کار کرنے کے لئے ان کو ایجاد کیا ہے ہمارے نزدیک وہ اسلام ہی کا نہیں بلکہ انسانیت ہی کا دشمن تھا ان دونوں نظریات میں سے ہم اسلامی اصول اطاعت اور شورائیت کے بارے میں کچھ عرض کرینگے۔ اس طرح یہ عنوان گذشتہ عنوان "اسلام کا نظام حکومت" کا ایک حصہ ہے اس کو دو جگہ صرف اس وجہ سے ذکر کیا ہے تاکہ قرآن وحدیث کا آپس میں ربط معلوم ہو جائے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

یاایها الذین آمنوا	ایمان والو! اللہ اور رسول اور
اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول	اپنے اہل امر کی اطاعت کرو!
واولی الامر منکم (الآیۃ)	

جب تک کسی بھی معاملہ میں اطاعت کا جذبہ پیدا نہ ہوگا انتشار اور نفرت

ہی رہے گی. لیکن اسلام اطاعت کا جذبہ قوت کے زور پر تھوپنا نہیں چاہتا بلکہ اسلام نے طاعت کی بنیاد مشورہ پر قائم کی ہے

وامرھم شوریٰ بینھم ان کے معاملات آپس کے مشورہ سے ہیں

اور اسلامی مشورہ کی بنیاد علم، تقویٰ اور خلوص پر ہے چنانچہ قرآن پاک کی متعدد آیات میں اور بیشتر احادیث میں اسی کی دعوت دی ہے اس لئے جو مشورہ علم اور تقوی اور خلوص پر مبنی ہوگا اس میں زمانۂ جاہلیت کی قبائلیت اور مغرب کی قومیت نہ ابھرے گی بلکہ اس مشورہ سے جو چیز پیدا ہوگی اس سے از خود ماننے (طاعت) کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اور شوریٰ سے جو مرکزیت پیدا ہوگی وہ خدمت گذار قیادت یا خلافت ہوگی لیکن اب

ع " ڈور کو سلجھا رہے ہیں پر سرا ملتا نہیں "

اس کے بعد ہم چند عنوانات کے تحت مختصراً ذکر کرتے ہیں جو مندرجہ بالا اختصاریہ کی روشنی میں ایک وضاحت ہے۔

طلب حکومت

ابن سیرینؒ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

" اے ابوذر! امارت امانت ہے اور وہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت ہے مگر وہ شخص جس نے اس کا حق ادا کیا۔ اور اے ابوذر! یہ کیسے ممکن ہے؟" [1]

طلب حکومت کے بارے میں حدیث شریف میں انکار جتنی شدت سے ہے! وہ طرز کلام سے ظاہر ہے یعنی امارت کے حق کی ادائیگی تقریباً ناممکن ہے یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رح اور ان جیسے دیگر حضرات نے قید و بند اور مصائب و آلام کو امارت کے بارے میں ترجیح دی. آج کل کی طرح کا معاملہ نہیں کہ نامزدگی اور امیدواری کے لئے بڑھ چڑھ کر آگے آتے ہیں

---

[1] کتاب الآثار امام محمدؒ ص ۱۵۲ مطبوعہ قدیم۔

یہی وجہ ہے کہ انتظام کے معاملہ میں نااہل ثابت ہوتے ہیں۔

حکام کو ہدایت

حضرت عمر رضؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کو گورنر بنا کر بھیجا ان کو ایک مکتوب میں چند ہدایات تحریر فرمائیں جو حکام کے لیے مکمل دستورالعمل ہیں:۔

"حمد و ثنا کے بعد۔ واضح ہو کہ فیصلہ کرنا ایک مستحکم فریضہ ہے جس کے لیے ایک دستور مقرر ہے اس لیے تمہیں عقلمندی سمجھداری اور بہت یادداشت سے کام لینا چاہیئے۔ جب کوئی شخص دلائل تمہارے سامنے پیش کر دے تو اسے خوب سمجھو! اور اس کے بعد فیصلہ کرو! اور جب فیصلہ سناؤ تو اسے نافذ بھی کرو۔ اس لیے کہ اس حق بات کہنے کا کوئی فائدہ نہیں جو عمل میں نہ آئے۔ اپنی مجلس عدالت میں سب کے ساتھ ہمدردی سے پیش آؤ تاکہ شرفاء کو تم سے ناانصافی کی توقع نہ ہو اور کمزور آدمی کو مایوسی نہ ہو۔

یاد رکھو مدعی کے ذمہ ثبوت پیش کرنا ہے۔ اور جو انکار نہ کرے اس کے ذمہ ثبوت پیش کرنا ہے اور جو انکار کرے اس کے ذمہ قسم ہے۔ لہ

حضرت عمر رضؓ کا یہ ارشاد اس حدیث کی روشنی میں ہے" البیّنۃ للمدعی والیمین لمن انکر"

مسلمانوں کے درمیان صلح کرانی جائز ہے مگر وہ صلح ایسی نہ ہو جو حرام کو حلال کرے اور حلال کو حرام ۔ اور جو کوئی کسی حق کا دعویٰ کرے اور وہ غائب ہو یا اس کے پاس فی الحال ثبوت نہ ہو تو اس کے لئے ایک مدت مقرر کرو جس کے اندر وہ حاضر ہو سکے۔

لہ یہی وصیت امام ابوحنیفہؒ نے امام ابویوسف کو فرمائی تھی۔ ملاحظہ ہو۔ الاشباہ

موجودہ زمانے میں نوٹس دینا، سمن جاری کرنا، وارنٹ جاری کرنا وغیرہ اسی روشنی کے تحت ہیں

اگر وہ اپنا ثبوت لے آئے تو اس کا حق دلا دو! ورنہ اس کا مقدمہ خارج کر دو! کیونکہ یہ طریقہ قابل عذر ہے اور اندھا دھند فیصلے سے بچانے والا ہے۔ اگر آج تم نے کوئی فیصلہ کیا ہو اس کے بعد اگر تدبّر و تفکر کے بعد تمہیں اپنے فیصلے کے بعد صحیح بات معلوم ہوئی ہو تو اپنے فیصلہ سے رجوع کرو! کیونکہ حق بات ہر حالت میں مقدم ہے اور حق کی طرف لوٹنا باطل پر اڑے رہنے سے بہت بہتر ہے۔

جو بات کتاب اللہ اور سنت نبوی میں موجود نہ ہو گر وہ بات تمہارے دل میں کھٹک رہی ہو تو اس کو اچھی طرح سمجھو! اور اس وقت اِن معاملات کو اصلاحی اصول پر قیاس کرو اور جو بات حق و صداقت کے زیادہ قریب ہو اس کو اختیار کرو۔

تمام مسلمان ایک دوسرے کے لئے قابل اعتبار ہیں سوائے ان لوگوں کے جنکو حد شرعی کے مطابق سزا دی گئی یا وہ جھوٹی شہادت کے مرتکب ہوئے ہوں یا جن کے نسب اور قرابت مشتبہ اور قابل اعتراض ہوں اللہ تعالیٰ بھیدوں سے خوب واقف ہیں وہی گواہی اور قسموں کے ذریعہ معاملات کا فیصلہ کرتا ہے۔

جب تمہارے سامنے مقدمہ پیش ہو تو غصہ، پریشانی، تنگ دلی اور لوگوں کو ایذا دہی اور ان سے بیزاری کے جذبات کا اظہار نہ کرو کیونکہ حق بات کے فیصلہ پر اجر عظیم ملتا ہے اور اس سے نیک نامی بھی ہوتی ہے اور جس کی نیت میں حق کے لئے خلوص ہو خواہ وہ اس کی ذات ہی کیوں نہ ہو تو اللہ تعالےٰ لوگوں

کے معاملہ میں اس کا مددگار رہتا ہے اور جو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے جو اس کے دلی جذبات کے مطابق نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کا وہی عمل قبول کرتا ہے جو خلوص پر مبنی ہو لہذا خلوص کے بغیر اللہ تعالیٰ سے فوری رزق اور رحمت کی کیسے توقع رکھ سکتے ہو۔ والسلام۔" [۱]

حضرت عمرؓ کا یہ مکتوب گرامی حکومت اور عدالت کے بہت سے گوشوں پر حاوی ہے اس پر جتنا غور فرمایا جائے گا اتنی زیادہ خوبیاں ظاہر ہوتی جائینگی دستور وہی کارآمد ہے جو انسانوں میں انسانیت پیدا کردے اور جس دستور میں یہ خوبی نہیں وہ قید و بند کے علاوہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

جنگی قوانین

اسلام کے نزدیک جنگ "بدرجہ مجبوری" دعوت دین کو عملی جامہ پہنانے کی آخری صورت ہے اسی وجہ سے فقہاء نے جہاد (قتال) کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے یعنی قتال یا جنگ میں فی نفسہ کوئی خوبی نہیں ہے مگر اعلاء کلمۃ اللہ اور قیام حدود اللہ کی وجہ سے اسمیں حسن پیدا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کی کتابوں میں اور خاص طور پر بخاری شریف میں سرایا اور غزوات کے عنوان کے تحت "بعث" کا لفظ استعمال کیا ہے اور بہت کم جگہ" خرج مغازیا" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

لفظ بعث، بعثت سے ماخوذ ہے عام طور سے انبیاء علیہم السلام کے ظہور کے لئے بعثت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام داعی بنکر آتے ہیں نہ کہ حاکم بن کر۔[۲] یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام کاموں میں دعوت کا عنصر

---

[۱] سبل السلام ج ۴ ص ۔ [۲] مولانا مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت اور ملوکیت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت کو عہد حکومت سے تعبیر کیا ہے یہ ان کی بنیادی غلطی ہے اس پر تفصیلی کلام ہم نے اپنی کتاب سیرت اصحاب النبی میں کیا ہے۔

غالب ہوتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امرائے لشکر کو جو ہدایات فرمائی ہیں ان سے یہی چیز روشن ہے۔

لشکر کو ہدایات حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کوئی لشکر روانہ فرماتے اس کے امیر کو یہ ہدایات فرمایا کرتے تھے:۔

• اپنے لئے تقویٰ اختیار کرو۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو اور جو اللہ کا انکار کریں ان سے جہاد کرو، نہ غدر کرو اور نہ خیانت کرو اور نہ کسی کا مثلہ بناؤ، نہ بچوں کو قتل کرو اور نہ عورتوں کو قتل کرو اور نہ بوڑھوں کو قتل کرو سب سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ انکار کریں تو ان سے جزیہ کو کہو اگر وہ انکار کریں تب جنگ کرو۔[1]

جنگی مشقیں حضرت ابوہریرہ رضؓ نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مقابلہ کا معاوضہ جائز نہیں ہے مگر اونٹوں کی دوڑ، تیراندازی، گھوڑ دوڑ میں جائز ہے

دوسری روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جو دو گھوڑوں کے درمیان ایک گھوڑا شامل کرے اور اسے یقین نہ ہو کہ وہ آگے بڑھ جائے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن جس نے دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا داخل کیا اور اس کو یقین تھا کہ وہ آگے بڑھ جائیگا تو یہ قمار بازی ہے۔"

تیراندازی۔ گھوڑ دوڑ۔ اونٹوں کی دوڑ کے بارے میں احادیث کی کتابوں میں متعدد احادیث مذکور ہیں۔ خود آپ نے بھی اپنی اونٹنی کو دوڑایا ہے۔ صحابہ رضؓ کو تیراندازی، نیزہ بازی کی ترغیب دی ہے سطور ذیل میں حنفی فقہ کی کتابوں سے اسکے قاعدے اور طریقے پیش کئے جا رہے ہیں۔

مذکورہ حدیث سے مقابلہ اور گھوڑ دوڑ کا جواز ثابت ہے بشرطیکہ یہ جوئے بازی

---

[1] مسند امام اعظم ص۱۶۲، کتاب الآثار امام محمد ص۱۴۲۔

کی شکل میں نہ ہو اور لہو و لعب، کھیل کود کے طور پر بھی نہ ہو بلکہ جہاد کے مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے ہو۔ حدیث مذکور میں سبق کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے یعنی جو مقابلہ میں آگے نکل جائے اسے انعام دیا جائے۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ مقابلہ کی دو صورتیں ہیں ۱؎ یہ کہ مقابلہ بلا معاوضہ کے ہو۔ ۲؎ یہ کہ معاوضہ مقابلہ میں شرکاء کی طرف سے نہ ہو بلکہ کسی تیسرے آدمی کیطرف سے ہو مثلاً افسر اعلیٰ وغیرہ۔ امام مالکؒ کے نزدیک حاکم کے علاوہ اور کوئی معاوضہ نہیں دے سکتا۔ لیکن اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ ایک تیسری صورت بھی جائز ہے وہ یہ کہ فریقین میں سے صرف ایک فریق کیطرف سے معاوضہ پیش کیا جائے۔ لیکن اگر فریقین میں مال کی شرط ہو تو یہ حرام ہے البتہ فقہاء نے ایسی صورت میں مقابلہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے کہ ایک تیسرا شخص بھی شامل ہو جائے بشرطیکہ وہ اپنے پاس سے کوئی رقم نہ لگائے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ تیسرا آدمی کہے اگر میں آگے نکل گیا تو دونوں سے آدھی آدھی رقم لوں گا اور اگر آگے نہ نکل سکا تو وہ خود کچھ نہیں دے گا۔ علامہ زیلعی نے فرمایا ہے کہ یہ اس لئے جائز ہے کہ ان تمام صورتوں میں تیسرے آدمی پر کوئی تاوان نہیں ہے اس لئے یہ مقابلہ جوئے بازی سے خارج ہے بہرحال وہ مقابلے جو جائز ہیں ان کی شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ ۱؎

سنت شریفہ شعار الٰہی کلام اللہ کی تفسیر ہے جو چیز بہ اجمال مجمل ہے اس کے تفصیلی احکام سنت شریفہ میں ہیں جس طرح قرآن کا ہر حکم ہمارے لئے قابل عمل بلکہ واجب عمل ہے اسی طرح سنت شریفہ ہمارے لئے واجب عمل ہے اللہ تعالیٰ اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ اسی اتباع میں اس شعار کی حقیقی عظمت ہے۔

۱؎ بستان از ابو اللیث سمرقندی۔ ردالمحتار۔ نیل الاوطار۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب "اسلامی علوم اور معاشرت"

سنت شریفہ اور

قانون جرم وسزا

اسلام کے نزدیک قتل انسان قتل عالم کے مترادف ہے اس سے خونریزی کی بنیاد پڑ جاتی ہے اور ایک ایسی آگ بھڑک اٹھتی ہے جو برسہا برس ٹھنڈی نہیں ہوتی اس لئے اس کی روک تھام میں بہت شدت سے کام لیا گیا ہے قرآن شریف میں ارشاد ہے :۔

یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی فمن عفی لہ من اخیہ شیء فاتباع بالمعروف واداء الیہ باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمۃ فمن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب الیم ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون (بقرہ)

ایمان والو! تمہارے اوپر مقتول کے بارے میں خون کا بدلہ خون فرض کیا جاتا ہے اس طرح کہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، اگر قاتل کو اس کے مقتول بھائی کے قصاص میں سے کچھ معاف کر دیا جائے تو دستور کے مطابق پیروی کرو اور بھلائی کے ساتھ ادائیگی کرو یہ تمہارے رب کی جانب سے آسانی اور رحمت ہے، اور اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور اے عقلمندو! تمہارے

لئے حکم قصاص ہی میں زندگی ہے تاکہ تم خونریزی سے بچو!۔

اسلام نے یہ حکم دیکر خون خرابہ کو ختم کر دیا۔ سطور ذیل میں سنت شریفہ کی روشنی میں اس بارے میں عدل وانصاف کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں

غلام کو قتل کرنا

امام اوزاعی نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنے غلام کو عمداً قتل کر دیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سو کوڑے لگوا دئے اور ایک سال کے لئے اسکو شہر بدر کر دیا اور اس کو امر فرمایا کہ ایک غلام آزاد کرے اور اس سے قصاص نہیں لیا لیکن امام احمد نے روایت کیا ہے۔

من قتل عبدہٗ قتلناہ — جو اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کرینگے

(ابوداؤد)

یہ حدیث محفوظ ہے اور اسکو حضرت حسنؓ نے حضرت سمرۃ رضہ سے روایت کیا ہے اور یہ قتل تعزیراً ہے جو امام کی رائے پر موقوف ہے [۱]

قاتل اور ولی مقتول

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ فلاں آدمی نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا ہے قاتل نے اعتراف بھی کر لیا۔ حضور ؑ نے ارشاد فرمایا تم اس کو پکڑ لو! جب وہ اس کو پکڑ کر لے جانے لگا تو آپؐ نے فرمایا "اگر اس آدمی نے اس قاتل کو قتل کر دیا تو یہ بھی قاتل ہو جائے گا۔ وہ آدمی واپس ہوا اور بولا۔ میں نے تو صرف آپ کے فرمانے کی وجہ سے اس کو پکڑا ہے آپ نے فرمایا، کیا تیرا ارادہ اس کے قتل کا نہیں تھا؟ اس طرح تو اس کا اور اس کے مقتول کا وبال کا گناہ سمیٹتا۔ اس کے بعد اس کو چھوڑ دیا۔ [۲]

---

[۱] زاد المعاد ابن قیم، بذل ج ۵ ص ۱۶۷ [۲] زاد المعاد اور ابوداؤد نے یہ واقعہ چند اسناد سے روایت کیا ہے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک آدمی کو قتل کر دیا یہ معاملہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ نے قاتل کو ولی مقتول کے سپرد کر دیا۔ قاتل نے عرض کیا میں نے اس کو جان بوجھ کر قتل نہیں کیا تھا تب آپ نے ولی مقتول سے فرمایا اگر یہ سچا ہے اور پھر تو نے اس کو قتل کر دیا تو، تو دوزخ میں جائیگا چنانچہ اس نے قاتل کو چھوڑ دیا [۱]

باندی کا قتل

صحیحین میں ہے کہ ایک یہودی نے ایک انصاری کی باندی کو زیور کے لالچ میں دو پتھروں سے سر کچل کر مار ڈالا اور وہ پکڑا گیا ابوداؤد نے روایت کیا وہ باندی ابھی زندہ تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کیا تجھے فلاں نے قتل کیا ہے؟ اس نے سر کے اشارے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح چند آدمیوں کا نام لیا جب اس یہودی کا نام لیا تو اقرار کیا ہاں اس نے مارا ہے اس کے بعد اس یہودی نے بھی اعتراف کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا سر پتھر سے کچل کر قتل کرا دیا۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ مرد کو عورت کے بدلہ قتل کیا جائیگا اور یہ بھی ہے کہ جیسا مجرم نے کیا ہے ویسا ہی اس کے ساتھ بھی کیا جائیگا اور یہ بھی ہے کہ قتل ایک قانونی جرم ہے اولیائے مقتول کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس کے سپرد کرنے کی ضرورت ہے کہ وہی انتقام لے اور یہ آپ نے نہیں فرمایا چاہو اس کو معاف کر دو اور چاہے اسکو قتل کر دو، بلکہ آپ نے اس کو قتل کرا دیا امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے اور اسی کو امام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قتل کی سزا صرف تلوار کے ذریعہ قتل کرنا ہے اور دوسرے ظالمانہ طریقے اختیار نہیں کئے جائینگے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

---

[۱] زاد المعاد، رواہ ابوداؤد ج ۲ [illegible]

لَاقَوَدَ اِلَّا بِالسَّيْفِ قصاص صرف تلوار ہی سے لیا جائیگا۔

اس حدیث کو امام طحاوی اور ابوداؤد الطیالسی نے روایت کیا ہے[۱]۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ قتل اس طرح پر یہودی کے نقض عہد کی بناء پر تھا لیکن علامہ ابن قیم نے فرمایا ہے کہ نقض عہد کی سزا بھی اس طرح نہیں دی جاسکتی اس کی سزا بھی تلوار ہی کے ذریعہ دی جائے گی[۲]۔

حنفیہ حضرات نے فرمایا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ پہلے یہ حکم تھا بعد میں منسوخ ہوگیا اور قتل کی سزا صرف تلوار ہی کے ذریعہ مقرر ہوگئی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ قول زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ مُثلہ کا حکم سنہ ۶ھ کے بعد منسوخ قرار دیدیا گیا تھا کیونکہ سنہ ۶ھ میں اہل عرینہ کا واقعہ پیش آیا تھا اور اس باندی کے قتل کا واقعہ غزوہ احزاب کے قرب وجوار اور قتل بنی قریظہ سے قبل پیش آیا کیونکہ اس کے بعد تو یہودی مدینہ میں نہیں رہے بلکہ ان کو باہر نکال دیا گیا تھا۔

حاملہ عورت کا قتل

صحیحین میں ہے کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں میں لڑائی ہوئی ایک عورت نے دوسری کے پتھر مارا وہ حاملہ تھی پتھر کی چوٹ سے وہ ہلاک ہوگئی اور اس کے پیٹ سے بچہ نکلا وہ بھی مرگیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ معاملہ پیش ہوا تو آپ نے بچہ کے بدلہ ایک غلام لڑکا یا لڑکی دلائی اور مقتول عورت کے بدلہ قاتلہ کے وارثوں سے دیت دلائی۔ اور نسائی میں ہے کہ آپ نے اس کو قتل کرا دیا، اور صحیح یہ ہے کہ قتل نہیں کرایا تھا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شبہ عمد میں قصاص نہیں ہے[۳]۔

اجتماعی جرمانہ یا قسامت

اگر کوئی قتل اس طرح پر ہوگیا کہ متعین طور پر قاتل کا پتہ نہیں چلا۔ صحیحین میں مذکور ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود اور انصار کے درمیان ایک فیصلہ کیا آپ نے حویصہ۔ محیصہ اور عبدالرحمٰن سے (ایک قتل کے معاملہ میں فرمایا) کیا

---

[۱] بذل ج ۵ ص ۱۴۳ [۲] زاد المعاد ص ۳۶ [۳] رواہ ابوداؤد، زاد المعاد۔

آپ لوگ قسم کھا سکتے ہیں کہ آپ لوگ اپنے مقتول کے خون کے واجبی حقدار ہو انہوں نے جواب دیا ہم نے نہ قاتل کو دیکھا ہے اور نہ اس کا مشاہدہ کیا ہے تب حضور ؐ نے فرمایا پھر یہودیوں سے پچاس قسمیں لے کر چھوڑ دو۔ انہوں نے جواب دیا ہم ان کی قسموں کا اعتبار نہیں کرتے پس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت اپنے پاس سے ادا کی۔ احادیث کے الفاظ میں اختلاف ہے بعض میں ہے "اپنے پاس سے دیت دی" اور بعض میں ہے کہ صدقہ کے اونٹوں سے دیت ادا کی اور ابوداؤد میں ہے کہ "اسکی دیت یہود پر ڈالی گئی" کیونکہ مقتول ان کے محلہ ہی میں پایا گیا تھا اور مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ قسم لینے کی ابتدا آپ نے یہود سے کی تھی تو انہوں نے انکار کر دیا، پھر انصار سے فرمایا تو انہوں نے انکار کر دیا تو آپؐ نے یہ دیت یہود پر مقرر فرمائی اور اس میں کچھ اعانت بھی کی [1]

اس فیصلہ سے چند امور ثابت ہیں:۔

ا۔ قسامت یا اجتماعی جرمانہ کا حکم شرعی حکم ہے

ب۔ اہل ذمہ جب کسی حق کا انکار کریں تو عہد ذمہ ٹوٹ جائے گا۔

ج۔ اہل ذمہ (غیر مسلموں) کا فیصلہ بھی شریعت کے مطابق کیا جائے گا اگر وہ ہماری طرف رجوع کریں۔

کنویں میں ڈوبنے والے

چار آدمی ایک مرتبہ میں اس طرح گر کر ہلاک ہوئے کہ ایک نے دوسرے کو اور دوسرے نے تیسرے کو اور تیسرے نے چوتھے کو بچانے کی کوشش کی مگر یکے بعد دیگرے سب ہلاک ہو گئے۔ امام احمد رح نے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں نے یمن میں ایک کنواں کھودا تھا، ان میں سے ایک آدمی کنویں میں رپٹ گیا اور ایک دوسرے کو بچانے میں سب ہلاک ہو گئے۔ ان کے

---

[1] یہ پورا قصہ موطا امام مالک میں مروی ہے تفصیل ملاحظہ ہو ادجز ص ۵۲۵ ج ۵۔

رشتہ داروں نے حضرت علی رضؓ کی خدمت میں یہ معاملہ پیش کیا[۱] حضرت علی رضؓ نے حکم دیا کہ جس نے کنواں کھودا وہ چوتھائی دیت دے اور اس کے بعد دوسرا ایک تہائی اور تیسرا آدھی دیت دیگا کیونکہ اس کے بعد صرف ایک ہی مرا ہے اور جو تھے کی پوری دیت ہوگی۔ آئندہ سال جب یہ لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علی رضؓ کا فیصلہ سنایا آپؐ نے اسی فیصلہ کو درست قرار دیا۔ بزار نے ایسے ہی روایت کیا ہے۔ لیکن مسند امام احمد میں اتنا اضافہ اور ہے کہ ان کے وارثوں نے پہلے حضرت علی رضؓ کے فیصلہ سے انکار کر دیا تھا اور پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اس وقت حضور حجۃ الوداع میں مقام ابراہیم پر تھے[۲]

سوتیلی ماں سے نکاح

احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا، میں نے اپنے ماموں سے ملاقات کی ان کے پاس ایک جھنڈا تھا، انہوں نے کہا مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ آپ اس آدمی کو بتلائیں جس نے اپنی ماں سے نکاح کر لیا ہے میں اس کو قتل کرونگا اور اس کا مال ضبط کرونگا، اور تاریخ ابن خیثمہ میں ہے کہ اس آدمی کو قتل کر دیا گیا اور اس کے مال پر قبضہ کر کے اس میں سے خمس لیا گیا[۳]۔ اور ابن ماجہ میں ہے:۔

من وقع ذات محرم فاقتلوہ — جس نے اپنی محرم عورت سے زنا کیا اسکو قتل کر دو۔

اور جوزجانی نے ذکر کیا ہے کہ حجاج کے پاس ایک آدمی لایا گیا اس نے اپنی بہن سے نکاح کر لیا تھا۔ حجاج نے کہا اس کو بند کر دو اور صحابہ رضؓ

---

[۱] اس وقت حضرت علی رضؓ یمن میں قاضی تھے [۲] زاد المعاد ابن قیم [۳] وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ آدمی اسکو حلال جانتا تھا، اور حرام کو حلال جاننے والا مرتد ہو جاتا ہے تو اس آدمی کو ارتداد کی وجہ سے قتل کیا تھا۔
بذل ص۱۵۸ ج ۵

میں سے جو موجود ہوں ان سے دریافت کر و چنانچہ عبداللہ بن مطرف تھے۔
انہوں نے بیان کیا۔
"جو مومنین کے محرمات میں سے گذرا اس کے درمیان سے
تلوار نکالدو۔"
امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ایسے مجرم پر حدِّ
زنا جاری کی جائے گی[1]

زخم آرام ہونے پر ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے پیر میں سینگ
مار دیا تھا جس سے وہ زخمی ہوگیا۔ زخمی نے عرض
کیا یارسول اللہ میرا قصاص دلائیے! آپ نے فرمایا جب تیرا زخم آرام ہوجائیگا
دوسرے آدمی نے انکار کر دیا وہ کہتا تھا ابھی دلایا جائے جب پہلا آدمی صحیح
ہوگیا تو پہلا آدمی لنگڑا ہوگیا۔ اس نے کہا میں لنگڑا ہوگیا اور میرے ساتھی
کو آرام ہوگیا تب آپؐ نے ارشاد فرمایا میں تو پہلے ہی کہتا تھا جب تک
آرام نہ ہوگا قصاص نہ ملے گا۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو تجھ سے دور رکھا[2]

دانت کا قصاص حضرت انس رضؓ نے روایت کیا ہے کہ بنت نضر نے
ایک باندی کے چپت مارا تو اس کا دانت گر گیا اور
معاملہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا آپ نے قصاص
کا حکم صادر فرمایا، اس کی ماں نے کہا حضور آپ اس کا قصاص نہ لیں آپؐ نے
فرمایا کتاب اللہ کا حکم یہی ہے اس کی ماں نے پھر عرض کیا حضور قصاص نہ لیں
اس اصرار پر اس باندی کی قوم نے بنت نضر کو معاف کر دیا اور وہ دیت
پر راضی ہوگئے تب حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

ان من عباد اللّٰہ من لو — اللہ کے بندوں میں سے ایسے بھی ہیں اگر اللہ
اقسموا علی اللّٰہ لابرّہٗ (ابوداؤد) — پر قسم کھالیں تو وہ پورا کرے گا۔

---

[1] زاد المعاد ابن قیم۔ [2] رواہ ابوداؤد، زاد المعاد

کاٹ لینا ایک آدمی نے دوسرے کے ہاتھ میں کاٹ لیا جب اس نے اپنا ہاتھ اس کے منھ سے نکالا تو اس کے سامنے کے دانت گر گئے یہ معاملہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا آپ نے فرمایا اس پر کوئی دیت نہیں ہے اس سے ثابت ہوا اگر کوئی آدمی ظالم کے ہاتھ سے اپنا مال یا جان چھڑائے اور اس میں ظالم کا نقصان ہو جائے تو وہ معاف ہے [1]

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اور پیروں کی انگلیوں کی دیت دس دس اونٹ مقرر فرمائی اور ہر دانت کی دیت پانچ اونٹ اور دانتوں میں سب برابر ہیں اور اگر آنکھ پھوٹ جائے تو ایک تہائی دیت اور اگر ہاتھ کاٹا جائے تو ثلث دیت اور ناک کاٹنے پر پوری دیت ہے

حدِّ زنا صحیح بخاری میں ہے کہ بنی اسلم کا ایک آدمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور زنا کا اعتراف کیا آپ نے اس سے اعراض فرمایا اور اس نے چار مرتبہ حاضر ہو کر یہی اعتراف کیا تب آپ نے ارشاد فرمایا کیا تجھے جنون ہے؟ عرض کیا نہیں! فرمایا کیا تو شادی شدہ ہے؟ عرض کیا ہاں! تب اس کو عیدگاہ میں لایا گیا اور وہاں اس پر رجم کیا گیا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گیا آپ نے اسکے بارے میں کلماتِ خیر فرمائے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

اس بارے میں مختلف روایات ہیں بخاری نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا، شاید تو نے بوسہ لیا ہے؟ شاید تو نے دیکھ لیا ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں بلکہ میں نے زنا کیا ہے۔ اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ اس نے کہا میں نے ایسے کیا ہے جیسے سرمہ دانی میں سلائی یا کنوئیں میں رسّی۔ آپ نے فرمایا تو جانتا بھی ہے زنا کیا چیز ہے اس نے عرض کیا میں نے اس عورت کے ساتھ فعل حرام کیا ہے جیسا کہ

---

[1] رواہ ابوداؤد۔ زادالمعاد۔

فعل حلال اپنی عورت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا پھر کیا چاہتا ہے عرض کیا آپ مجھے پاک کر دیجئے۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ جب اس پر پہلا پتھر پڑا تو وہ بولا۔ لوگو! مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو مجھے میری قوم نے دھوکہ دیا انہوں نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تجھے قتل نہیں کرینگے۔

اور صحیح مسلم میں ہے کہ غامدیہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے پاک کر دیجئے آپ نے اس کو بھگا دیا اس نے اگلے دن آکر پھر یہی کہا اور آپ نے حضرت ماعزرض کی طرح اس کے ساتھ بھی معاملہ کیا اور آپ نے فرمایا جب تیرے بچہ ہو جائے تب آنا۔ جب بچہ پیدا ہو گیا تو وہ بچہ لیکر حاضر خدمت ہوئی آپؐ نے فرمایا جا۔ جب تک بچہ دودھ پیئے۔ اس کے بعد آنا۔ جب بچہ روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں لینے لگا تو آکر بولی حضورؐ! میں نے اس کا دودھ چھوڑا دیا ہے۔ آپؐ نے اس بچہ کو ایک آدمی کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد غامدیہ کے رجم کے لئے فرمایا۔ ایک گڑھا کھودا گیا کہ اس کے سینہ کے برابر گہرا تھا اس کے بعد رجم کا حکم دیا۔ ایک پتھر حضرت خالد بن ولیدرض کی طرف سے اس کے سر پر پڑا جس سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا اور چھینٹے حضرت خالدؓ کے کپڑوں پر پڑیں انہوں نے اسکو برا کہنا شروع کیا حضورؐ نے فرمایا ایسا نہ کہو اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل زمین پر تقسیم کر دی جائے تو مغفرت ہو جائے اور آپ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی [1]

صحیحین میں ہے کہ ایک آدمی نے حاضر ہو کر عرض کیا۔ میں آپ کو

---

[1] یہ اخلاقی جرأت جب تک مسلم قوم میں رہی اس نے قوموں کی قیادت کی لیکن جب اس قسم کے جواہر ختم ہو گئے تو وہ تباہ ہو گئی اور اب وہ دنیا میں ایک ذلیل ترین قوم کی طرح محکوم اور مذموم ہے۔ یاد رکھو اخلاقی جرأت قوت ایمانی سے پیدا ہوتی ہے اور یاد رکھو ایمان کی جگہ قلب ہے گندے قلوب ہمیشہ خوار اور غلام رہتے ہیں۔

خدا کی قسم دیتا ہوں آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں اور مجھے بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہو! اس نے عرض کیا میرا بیٹا کنوارا تھا۔ اُس نے اِس کی بیوی سے زنا کر لیا اور اس کا فدیہ سو بکریاں اور ایک خادم دیدیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں کتاب اللہ ہی کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ بکریاں اور خادم تو تجھے واپس ہوں گی اور تیرے لڑکے کے سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائیگا[1] اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا۔ اور اے انیس صبح کو اس کی بیوی کے پاس جاؤ! اور تحقیق کرو، جب اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے اعتراف کر لیا اور اسکو رجم کر دیا گیا[2]

زنا موجودہ زمانہ میں زیادہ مذموم نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہ سیکولر اور مساوات کا ایک حق ہے یہی وجہ ہے کہ غلط کار افراد پیدا ہو رہے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر حرام پیدائش کو روک دیا جائے تو فیملی پلاننگ میں بچوں کی پیدائش میں معتدبہ کمی واقع ہوگی لیکن مذموم طریقوں کی طرف دیکھا نہیں جاتا اور مستحسن طریقوں پر پابندی لگائی جاتی ہے۔

شراب نوشی کی حد

اور شراب پینے والے کے لیئے آپ نے ڈنڈوں اور جوتوں سے مارنے کا حکم صادر فرمایا اور اس کے چالیس کوڑے مارے جاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ آپ نے اَسّی کوڑے لگوائے۔ اور حضرت علیؓ نے چالیس کوڑوں کو روایت کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے پورے اَسّی کوڑے لگوائے اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے چوتھی یا پانچویں دفعہ قتل کر دینے کا حکم دیا اور بعض حضرات نے فرمایا یہ حکم منسوخ ہے اور اس کا ناسخ یہ حدیث ہے۔

لا یحل دم امرئ مسلم — تین چیزوں کے علاوہ کسی مسلمان

---

[1] شہر بدر کرنا رائے امام پر موقوف ہے [2] رواہ ابوداؤد

الا باحدی ثلاث کا خون حلال نہیں ہے۔
اور کہا گیا ہے یہ حدیث محکم ہے اس میں تعارض نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ اس کا ناسخ عبداللہ بن حمار کی حدیث ہے کہ وہ چند مرتبہ حاضر کئے گئے اور آپ نے قتل نہیں کرایا بلکہ کوڑے لگوادئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قتل سیاستہً ہے۔ حضرت ابن عمر رض نے فرمایا اس آدمی کو میرے پاس لاؤ جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی ہے میں اس کو قتل کرونگا اور قتل کی روایت کرنے والے حضرت معاویہ حضرت ابوہریرہ، ابن عمر، عبداللہ بن عمرو، قبیصہ رضی اللہ عنہم ہیں اور حدیث قبیصہ میں ہے کہ قتل حداً نہیں ہے اور اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔
اور اگر کہا جائے کہ حدیث متفق علیہ کا کیا جواب ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی تعداد خاص نہیں کی ہے اور حضرت عمر رض نے حضرات صحابہ رض کے مشورہ سے اس کی تعداد اسّی مقرر فرمادی پھر حضرت علی رض نے اپنی خلافت کے زمانے میں چالیس کوڑے لگوائے اور فرمایا یہ میرے نزدیک اچھا ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ چالیس کوڑے تو حد کے طور پر تھے اور اسّی کوڑے تعزیراً تھے اور قتل کرنا امام کی رائے پر موقوف ہے۔
یہ تمام ابوداؤد نے روایت کی ہیں۔ حضرت علی رض کی روایت کے بارے میں تعارض ہے واقعہ ایک ہی ہے کہ حضرت علی رض نے ولید بن عقبہ کے اسّی کوڑے لگوائے اور دوسری روایت میں ہے کہ چالیس کوڑے لگوائے اور اسّی کوڑے کی حدیث کو امام بخاری رح نے بھی روایت کیا ہے اور حضرت عمر رض کو حضرت علی رض نے ہی اسّی کوڑوں کا مشورہ دیا تھا [1]

چوری کی سزا چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے لیکن کتنی چیز پر ہاتھ کاٹا جائے تو اس کے نصاب میں بیس سے زیادہ اقوال ہیں اور

---

[1] بذل ص ۱۵۶ ج ۵

متعدد احادیث ہیں۔

۱۔ آپ نے بقدر تین درہم کی چیز کے چرانے پر ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا اور ارشاد فرمایا چوتھائی دینار سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

۲۔ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رض نے فرمایا آپ نے ڈھال کی قیمت سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا

۳۔ اور حاکم نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ڈھال سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا اور اس وقت ڈھال کی قیمت ایک دینار تھی۔ اور امام شافعی رح نے فرمایا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دینار کی قیمت دس درہم تھی اور ایک حدیث میں مروی ہے کہ ایک دینار سے کم اور دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا اسی کو امام ابوحنیفہ رح نے اختیار کیا ہے[۱] اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"قسم خدا کی اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چرائے گی تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا۔"

اس ارشاد کا پس منظر یہ ہے۔ مدینہ منورہ میں ایک قریشیہ عورت تھی اس کی عادت تھی کہ لوگوں سے چیز عاریتاً لے آتی اور پھر دینے سے انکار کر دیتی ایک مرتبہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سے چادر چرا لائی جب دریافت کیا تو انکار کر دیا لیکن تلاشی لینے پر یہ اس کے یہاں سے برآمد ہوئی اس وقت حضرت اسامہ رض کے ذریعہ سے لوگوں نے اس کی شفاعت کی، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ لیکن علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس واقعہ کو مجمل نقل کر کے تحریر فرما دیا ہے کہ عاریتہ کے منکر کا بھی ہاتھ کاٹا جائیگا۔ یہ بات غلط ہے شریعت حقہ کا وہ حکم ہے جو ہم نے اوپر تحریر کیا ہے[۲]

مسلمان کو گالی دینا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی کا خون معاف کر دیا اس کے نابینا آقا نے اس کو

---

[۱] اوجز ص ۳۵۵ [۲] اوجز ص ۳۵۳ ج ۶

قتل کر دیا تھا کیونکہ وہ مسلمانوں کو گالیاں دیا کرتی تھی اور آپ نے یہودیوں کی
ایک جماعت کو محض گالیاں دینے کی وجہ سے قتل کرا دیا تھا اور فتح مکہ کے موقعہ
پر چند لوگوں کے علاوہ سب کو معاف کر دیا تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کو ایذا دیا کرتے
تھے یہ چار مرد تھے اور دو عورتیں تھیں اور آپ نے کعب بن اشرف یہودی کے
بارے میں فرمایا تھا کہ اس کو کون قتل کریگا وہ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتا
ہے اسی طرح آپ نے ابو رافع یہودی کا خون معاف کر دیا تھا۔ اور حضرت
ابوبکر صدیق رض نے ابو برزہ اسلمی سے فرمایا (انہوں نے اس آدمی کے قتل کا ارادہ
کیا تھا جو حضرت ابوبکر رض کو برا کہا کرتا تھا) نہیں! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد اب یہ کسی کا حق نہیں ہے، اور حضرت علی رض نے روایت کیا ہے کہ ایک
یہودیہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا کرتی تھی ایک آدمی نے
اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا۔ آپ نے اس کے خون کو معاف کر دیا اور اصحاب سیر
اور مغازی نے ذکر کیا ہے کہ ایک عورت حضورؐ کی ہجو کیا کرتی تھی ایک آدمی نے
اس کو قتل کر دیا اور آپ کو خبر دی آپؐ نے اس کا خون معاف کر دیا۔ اسی طرح دس
سے زیادہ حدیثیں جو صحیح، حسن، مشہور ہیں اس بارے میں مروی ہیں اور اس
پر اجماع صحابہ ہے اور حضرت عمر رض نے فرمایا ہے۔

"جس نے اللہ یا اس کے رسول کو برا کہا یا کسی نبی کو برا کہا اس نے
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اگر اس نے
توبہ کر لی تو بہتر ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے اور جس معاہد نے
ایسا کیا تو اس کا عہد ٹوٹ گیا اس کو قتل کر دو۔"

اور اس بارے میں حضرات صحابہؓ کے بہت آثار مروی ہیں اور ائمہ نے اس
کے قتل پر اجماع نقل کیا ہے۔[1]

قتل ساحر ترمذی رح نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

---

[1] زاد المعاد ابن قیم اس عنوان کے تحت جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ سب سیاستہً اور مصلحۃً تھا جو امام کی رائے پر

حد الساحر ضربۃ بالسیف — جادوگر کی حد اس کو تلوار سے قتل کرنا ہے۔

صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے اور حضرت عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے جادوگر کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا اور حضرت حفصہؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک مدبرہ باندی جادو کیا کرتی تھی آپ نے اس کو قتل کرایا اور ایسے ہی حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ جس یہودی نے آپ کو سحر کیا تھا آپ نے اس کو قتل نہیں کرایا اسی کو امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ نے اختیار کیا ہے اور امام احمدؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ جادوگر کو قتل کیا جائے گا لیکن امام احمدؒ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اہل ذمہ کے ساحر کو قتل نہیں کیا جائیگا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لبید یہودی کو قتل نہیں کرایا تھا اور اسی نے آپ پر سحر کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ لبید نے اقرار نہیں کیا تھا اور اس کے خلاف گواہی بھی موجود نہیں تھی[1]

جاسوس کا حکم یہ ثابت ہے کہ جب حضرت حاطب ابن بلتعہ نے جاسوسی کی تو حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ نے منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا اللہ تعالے نے اہل بدر کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے :-

اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم — تم جو چاہے کرو میں نے تم کو معاف کر دیا۔

فقہاء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کافروں کو لکھ کر مطلع کرے تو اس کو قتل کیا جائیگا اور اس کا مال اس کے وارثوں کا ہوگا اور امام مالکؒ نے فرمایا اس کے کوڑے لگائے جائیں گے اور ابن قاسم نے کہا وہ زندیق ہے اس کو قتل کر دیا جائے گا اور ان کی دلیل یہی واقعہ ہے اور ابن عقیل نے امام مالک کے قول کی موافقت کی ہے۔

---

[1] زاد المعاد

جنگی قیدیوں کے بارے میں

یہ آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض قیدیوں کو قتل کیا ہے، بعض سے فدیہ لیا ہے اور بعض کو ویسے ہی چھوڑ دیا ہے اور بعض کو مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں چھوڑا ہے اور بعض کو غلام بنا لیا لیکن یہ معروف نہیں ہے

یوم بدر کے قیدیوں میں سے عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث کو قتل کیا تھا اور یہودیوں کی ایک جماعت کثیر کو قتل کیا تھا اور بدر کے قیدیوں کو چار ہزار درہم سے لیکر چار سو درہم تک لے کر چھوڑا ہے اور بعض سے یہ فدیہ لیا کہ مسلمانوں کو کتابت سکھائی جائے اور ابوعترة شاعر پر احسان کیا اور چھوڑ دیا اور دو قیدیوں کو مسلمان قیدیوں کے بدلہ چھوڑا اور ثمامہ بن اثال کو بھی ویسے ہی چھوڑ دیا اور فتح مکہ کے موقعہ پر بہت سے قریش کو ویسے ہی چھوڑ دیا یہ سب احکامات رائے امام پر موقوف ہیں۔ اور اوطاس کے قیدیوں کو آپ نے غلام بنایا اور وہ بت پرست تھے اور صحابہ نے بنی حنیفہ کے قیدیوں کو غلام بنایا اور حضرت ابن عباس رض نے فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کا اختیار دیا ہے۔

مدینہ منورہ کے ابتدائی زمانہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کیا تھا جب انہوں نے خلاف ورزی کی اور معاہدہ توڑ دیا تو آپ نے اول بنی قینقاع کے ساتھ جنگ کی اور ان پر فتح پائی۔ پھر بنو نضیر نے ایسا کیا تو ان پر فتح پائی پھر بنی قریظہ نے ایسا ہی کیا تو آپ نے ان پر فتح پائی اور ان کو قتل کرا دیا اور ان کی عورتوں کو باندی بنایا گیا اور آپ نے ارشاد فرمایا:-

یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جو ساتویں آسمان کے اوپر ہوا ہے [۱]

اس جگہ دو امر قابل لحاظ ہیں ایک یہ کہ یہودیوں کے ساتھ یہ معاہدے بالکل ایسے ہی تھے جیسا کہ آج کل بین الریاستی معاہدے ہوتے ہیں جیسے علماً

ہند کے رہنماؤں کو یہ دھوکہ ہوا کہ انہوں نے ان معاہدوں کو سیکولر معاہدہ قرار دیکر متحدہ قومیت اور نیشنلزم کو ثابت کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کا دستور اساسی ان معاہدوں سے علیحدہ ہے جو وہاں کے تمام باشندوں کے لئے تھا اسکو میونسپل دستور سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

دوسری غلط فہمی عام ارباب سیر کو یہ ہوئی ہے کہ انہوں نے یہ تحریر کر دیا ہے کہ مسلمانوں نے تمام یہودیوں کو قتل کر دیا تھا۔ روضۃ الاحباب اور ہماری کتاب "سیرت رسالتمآب" میں تفصیل سے مذکور ہے کہ غزوہ بنو نضیر کے موقعہ پر تو کسی کو قتل نہیں کیا گیا تھا البتہ غزوہ بنی قریظہ کے موقعہ پر مجرمین اور معاندین کو قتل کیا گیا تھا اور ان کی ایک بڑی تعداد کو حضرت عثمان رضؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے ملک شام لے جا کر چھوڑ دیا اور ان کی قیمت وصول کی۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔[۲]

---

[۱] زاد المعاد، ابن قیم۔ [۲] غزوات النبی از مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔

تیسری بنیاد

ملتِ ابراہیمی کی اجتماعیت کا مرکز

کعبۃ اللہ

مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا

جو اس میں داخل ہو گیا مامون ہو گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیتُ اللّٰہ

جس موضوع پر ہماری یہ کتاب ہے اس کے اعتبار سے "بیت اللہ یا کعبۃ اللہ" کا عنوان تمام عنوانات سے زیادہ مشکل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق وتائید اگر شامل رہی تو پھر کوئی دشواری نہیں" اللھم اھدنا الصراط المستقیم۔ آمین

بیت اللہ کی عظمت

اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کعبۃ اللہ کی عظمت کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے

ا۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدیً للعالمین فیہ آیات بینٰت مقام ابراھیم ومن دخلہ کان امنا (آل عمران)	سب سے پہلا گھر جو لوگوں کیلئے (خدا کی عبادت کے لئے) بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں[1] ہے برکت والا ہے اور عالمین کے لئے ہدایت ہے اس میں واضح نشانیاں مقام ابراھیم ہے اور جو اس میں داخل ہوگیا مامون ہوگیا
ب۔ اولم یروا انا جعلنا حرما امنا و۔۔۔	کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنایا ہے
ج۔ لا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ (البقرہ)	ان سے مسجد حرام کے پاس جنگ نہ کرو حتی کہ وہ تم سے جنگ نہ کریں۔
د۔ وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا (آل عمران)	اور اللہ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا ہے اگر وہ راستہ کی قوت رکھتے ہوں

---

[1] مکہ معظمہ کے ۱۹ نام ہیں ملاحظہ فرمائیں تفسیر ابن کثیر ص۳۸۳ ج۱

س۔ فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (البقرہ)	حج میں نہ جنگ جدل ہے اور نہ رفث ہے اور نہ فسق و فجور ہے۔
ص۔ ولیطوفوا بالبیت العتیق	اور چاہیئے کہ وہ بیت عتیق کا طواف کریں
ط۔ واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالاً وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق (الحج)	اور لوگوں میں حج کے لئے اعلان کر دو کہ وہ آپ کی طرف پیدل اور دبلے دبلے اونٹوں پر چل کر دور دراز راستوں سے چل کر آئیں۔
ع۔ واتخذوا من مقام ابراهیم مصلّٰی (البقرہ)	اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ
ف۔ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ (البقرہ)	صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔
ق۔ اذا افضتم من عرفات فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام (البقرہ)	جب تم عرفات سے کوچ کرو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالےٰ نے حرم پاک اور اس کے ماحول کو امن کی جگہ، برکت کا مقام اور خدا کی یاد اور اس کی عبادت کی جگہ قرار دیا ہے وہاں کسی کو قتل کرنا، فسق و فجور اور برائیوں کا ارتکاب کرنا حرام قرار دیا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حرم پاک کے فضائل اور مناقب میں بہت احادیث مروی ہیں

ا۔ حضرت علی رضہ نے فرمایا بیت اللہ سے قبل بھی بہت سے گھر تھے لیکن عبادت الٰہی کے لئے سب سے پہلا گھر یہی بیت اللہ ہے۔

ب۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا۔ "جس دن سے اللہ تعالےٰ نے آسمان و زمین پیدا کئے ہیں اس وقت سے لیکر قیامت

تک اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ حرمت کی وجہ سے بیت اللہ محترم ہے اس میں
نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے قتال حلال ہوا اور نہ میرے بعد، اور نہ میرے لئے
حلال ہوا مگر آج تھوڑی سی دیر کے لئے اس کے بعد اس کی حرمت پھر ویسی
ہی بدستور قیامت تک کے لئے ہوگئی۔ نہ وہاں کا کانٹا اکھاڑا جائے نہ وہاں
کے شکار کو بھگایا جائے نہ وہاں کا لقطہ اٹھایا جائے ہاں اعلان کی نیت
سے اٹھا سکتے ہیں اور نہ وہاں کی گھاس اکھاڑی جائے۔ حضرت عباس رضؓ نے
عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر اذخر، یہ لوہاروں کے اور گھر میں کام
میں آتا ہے۔ آپ نے فرمایا، ہاں اذخر اکھاڑ سکتے ہیں۔

ج ــ کسی کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے۔

د ــ قسم خدا کی اے مکہ تو اللہ کی زمین میں سب سے محترم اور سب سے
محبوب جگہ ہے اگر مکہ والے مجھے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا [۱]

ہ ــ آپ نے ارشاد فرمایا جو مکہ یا مدینہ میں سے کسی جگہ مرگیا وہ قیامت کے
دن دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہیگا۔

ط ــ آپؐ نے ارشاد فرمایا گھر میں نماز پڑھنے کا ثواب صرف ایک نماز کے
برابر ہے اور محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ۲۵ گنا اور جامع مسجد میں نماز
پڑھنے کا ثواب پانچ سو گنا اور بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار
گنا، اور میری مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار گنا اور مسجد حرام میں
نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ گنا ہے۔

ع ــ امام ابو یوسف رہ نے فرمایا جس نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر
کی اس کی نذر کسی دوسری مسجد میں نماز ادا کرنے سے پوری نہ ہوگی [۲]

ان تمام آیات اور احادیث کی وجہ سے حضرات فقہاء کرام نے بیان
فرمایا ہے کہ "کعبۃ اللہ کی سمت کی طرف رُخ کرکے پیشاب و پاخانہ کرنا جائز

---

[۱] تفسیر ابن کثیر صـ۳۸۲ ج ۱ [۲] تفسیر مظہری صـ۹۳ ج ۲

نہیں ہے اسی طرح قضاء حاجت کے وقت اس کی طرف کو پشت کرنا بھی جائز نہیں ہے ادھر کو پیر کر کے لیٹنا، پیر پھیلانا، تھوکنا، کلی کرنا، بحالتِ غسل ننگا ہو کر ادہر کو رخ کرنا بھی جائز نہیں ہے سونے کے لئے قبلہ رخ ہونا، مردے کا قبلہ رخ دفن کرنا، جانور کو قبلہ رخ کر کے ذبح کرنا قبلہ کی طرف کو منہ کر کے اذان دینا، اقامت کہنا وغیرہ وغیرہ اور بہت سے امور ہیں جن سے بیت اللہ کی عظمت ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ ملت کی اجتماعیت کا ایک بہت بڑا مرکز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نماز پڑھنے کے لئے بیت اللہ کی جانب رُخ کرنا شرط ہے اگر ادہر سے رُخ ہٹ گیا تو نماز نہ ہوگی۔ ایسے ہی اگر امام رُخ قبلہ سے ہٹ گیا تو پوری قوم کی نماز نہ ہوگی اگرچہ تمام لوگوں کا رُخ قبلہ ہی کی طرف ہو۔ یاد رکھو! امیر یا امام کا رُخ مقررشدہ سمت سے ہٹ جائے تو پوری قوم کی نماز تباہ ہو جاتی ہے یاد رکھو! یاد رکھو! ہ

نفس کی آمد و شد نماز اہل حیات ✣ جو یہ قضا ہو تو اے غافلو! قضا سمجھو

مختصر تاریخ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے:۔ کعبۃ اللہ کا شعائر میں ہونا اس وجہ سے قرار پایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں لوگوں نے آفتاب اور ستاروں کے نام پر بکثرت عبادت خانے اور کنیسہ بنائے تھے ان کی نظر میں کسی ذات مجرد غیر محسوس کی طرف بغیر اس کے متوجہ ہونا محال تھا کہ اس کے نام کی ہیکل بنائی جائے اس میں جانا اور رہنا باعث تقرب ہو۔ بظاہر ان کی عقلوں میں اور کوئی بات نہیں آتی تھی اس لئے ان کو اللہ تعالےٰ نے خانہ کعبہ کی طرف بلایا اور اس کی تعظیم کا حکم دیا، بیت اللہ کی تاریخ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے

دنیا میں سب سے اول عبادتخانہ جسکی تعمیر ابتدائی دورِ انسانی میں

کی گئی کعبہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بھی لوگ اس کی تعظیم کرتے تھے۔ سیلاب اور امتداد زمانہ کے سبب عمارت گر گئی نشان مٹ گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے از سر نو مربع عمارت بنائی اس شکل کی عمارت بنانے کی وجہ یہ تھی کہ کسی رُخ کی طوفانی ہواؤں سے ٹکراؤ نہ ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ دراز کے بعد عمالقہ نے تعمیر کی، پھر قبیلہ جرہم نے اپنے زمانہ میں اس کی عمارت بنائی سیلاب کے سبب جب قبیلہ جرہم کی بنائی ہوئی عمارت گر گئی تو قریش نے تعمیر کی، یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سال پہلے کا ہے حضورؐ بھی اس کی تعمیر میں شریک تھے، پھر عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے دور خلافت ۶۳ھ و ۶۴ھ میں پھر اس کو از سر نو تعمیر کیا جب حجاج کی سنگ باری سے کعبہ کی دیواریں ٹوٹ گئیں اور حضرت عبداللہؓ کو شکست ہو گئی تو عبدالملک بن مروان نے پھر قریش کی بنیادوں پر بیت اللہ کی تعمیر کرائی جو اب تک باقی ہے

اسلام سے ۲۷ سو سال قبل بھی عرب کعبہ کی تعظیم کرتے تھے اس میں بت پرست اور اہل کتاب کی کوئی تخصیص نہ تھی بلکہ حضرت ابراہیمؑ سے بھی پہلے اقوام عرب (عاربہ اور مستعربہ) کی نظر میں یہ عبادتخانہ مقدس مانا جاتا تھا ایک شاعر کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ ساسان بن بابک (شاہ فارس) بھی کعبہ کے حج کو آیا تھا شاعر کہتا ہے

وما زلنا نحج البیت قدما	ونلقی بالاباطح آمنینا
وساسان بن بابک سار حتی	اتی البیت العتیق یطوف دینا

ہم پرانے زمانے سے کعبہ کا حج کرتے رہے ہیں اور امن کے ساتھ وادی بطحا میں رہتے رہے ہیں ساسان بن بابک بھی چل کر آیا تھا اور اس نے بھی اس مکان قدیم کا مذہبی طواف کیا تھا

بہر حال تعظیم بیت اللہ اور تعظیم شعائر اللہ امر تعبدی ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس کی غرض وغایت سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور

جیسا حکم ہے ویسی تعظیم بجالاتے ہیں لیکن اس تعظیم و تکریم کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی چیز کو پوجتے ہیں اسلام کے نزدیک عبادت صرف خدا تعالیٰ کی ذات والاصفات کے لئے سزاوار ہے اس کا جیسا حکم ہے اس کی تعمیل بھی خدا ہی کی عبادت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔

انی لاعلم انك حجر لا تضر	میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نہ
ولا تنفع ولولا امرنی ربی	نقصان پہونچا سکتا ہے اور نہ
ان اقبلك ما قبلتك	نفع اگر میرا رب مجھے تیرا بوسہ دینے
(ابن شیبہ)	کا حکم نہ دیتا تو میں بوسہ نہ دیتا

حضرت عمر رضؓ نے ارشاد فرمایا:۔

انی لاعلم انك حجر ما تنفع	میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع
ولا تضر ولولا انی رائیتُ	دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہونچا سکتا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و	ہے اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو
سلم یقبلك ما قبلتك	تیرا بوسہ لیتے نہ دیکھتا تو میں بھی تیرا
(متفق علیہ)	بوسہ نہ لیتا

اس سے ثابت ہے کہ جن لوگوں کا اسلام کے بارے میں اصنام پرستی کا خیال ہے وہ لغو اور بیہودہ ہے اسلام اصنام پرستی تو در کنار شائبہ شرک کو بھی برداشت نہیں کرتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قبلہ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

قل للہ المشرق والمغرب	فرما دیجئے مشرق اور مغرب
یھدی من یشاء الی	اللہ ہی کے لئے وہ جس کو چاہتا
صراط مستقیم	ہے سیدھے راستہ کی ہدایت
(البقرہ)	کرتا ہے۔

تحویل قبلہ کا حکم

مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد سولہ یا سترہ مہینہ تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف کو رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے بیت المقدس اس وقت بھی یہود ونصاریٰ کا قبلہ تھا اور مسلمانوں کا بھی یعنی اس وقت بیت المقدس سب کا مشترکہ قبلہ تھا لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پسند فرماتے تھے کہ کعبۃ اللہ کو قبلہ قرار دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

قد نری تقلب وجہك	ہم بار بار آپ کے چہرۂ انور کو آسمان
فی السماء فلنولینك قبلة ترضٰھا	کی طرف اٹھتا دیکھتے تھے لہذا اب
فول وجہك شطر المسجد	آپ کا رُخ آپکے پسندیدہ قبلہ کیطرف
الحرام ۔ (البقرہ)	کردینگے لہٰذا اب آپ مسجد حرام
	کی طرف کو رُخ کرلیا کریں۔

یہ حکم ایسا تھا کہ اس پر یہود ونصاریٰ اور مشرکین نے شور مچا دیا اور طرح طرح کے اعتراض شروع کر دئے ، ان معترضین کو اللہ تعالےٰ نے سفیہ اور بیوقوف فرمایا ہے

اسوقت کے حالات کا مطالعہ کرنے والا اگر غور کرے گا تو بظاہر یہی معلوم ہوگا کہ ایسے نازک حالات میں کہ چاروں طرف دشمن تھے مدینہ منورہ میں بھی ابھی قدم نہیں جم پائے تھے ضرورت تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنایا جائے اور جس حد تک بھی ان کی موافقت حاصل کی جائے بہتر ہے ان حالات میں سب سے جداگانہ چال اختیار کرنا اور اپنی انفرادیت کو علیحدہ دھو دھو دینا بلکہ اس کو ابھار دینا ایک خطرناک اقدام تھا لیکن بنظر دقیق اگر دیکھا جائے تو تحویل قبلہ کا حکم خداوندی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کا اس پر فوراً عمل کرلینا نہایت مستحسن اقدام تھا اور آئندہ کے لئے پوری ملت کے لئے ایک نظیر قائم کرنا تھی کہ خطرناک

حالات ہی میں ملت کی انفرادیت کی حفاظت کی جاتی ہے۔

تحویل قبلہ کے اس حکم نے مسلمانوں اور یہودیوں کی پوزیشن کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔[1] چنانچہ اقلیتیں اپنی انفرادیت پر زمین اور ملت ابراہیمی کا ایک دوسرا مرکز اتحاد مقرر کر دیا گیا۔ مدینہ منورہ کے اس وقت کے تاریخی اور سیاسی حالات اس قدر نازک تھے اگر یہ فیصلہ خدا اور رسول کا نہ ہوا ہوتا تو دنیا کے دانشمند اس حکم کو غیر مستحسن اقدام قرار دیدیتے لیکن اس وقت ملت کی انفرادیت کو باقی رکھنا انتہائی ضروری تھا جو قومیں مشکل اوقات میں اپنے امتیازات کو ختم کر دیتی ہیں ان کا وجود صفحہ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔ ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے ۱۹۲۷ء میں اپنے خطبہ صدارت میں بہت عمدہ باتیں بیان فرمائی ہیں:۔

"حضرات! یہ امر مسلم ہے کہ مسلمانوں کی ملت کی اساسی بنیاد بجز رابطۂ دینی اور اخوت مذہبی کے اور کسی چیز پر قائم نہیں ہے سوائے قوم عرب، قوم ترک، اور قوم افغان کے جو بحیثیت نسل بھی مسلمان ہیں اور کوئی قوم بحیثیت نسل یا بحیثیت وطن اسلام میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہر ایک ملک کی ہر ایک قوم میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں پس اسلامی قومیت کا مدار اتحاد نسل یا اتحاد وطن نہیں ہو سکتا تو اس صورت میں اسلامی

---

[1] اس اسوۂ حسنہ اور متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ کسی دوسرے مذہب والوں کی مشابہت اختیار کرنا جائز نہیں ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے "من تشبہ بقوم فھو منھم" آپ نے ارشاد فرمایا ہمارے عمامہ اور مشرکین کے عمامہ میں ٹوپی کا فرق ہے ہم عمامہ کے نیچے ٹوپی اوڑھتے ہیں اور وہ نہیں اوڑھتے" یہ باریکی قابل لحاظ ہے غور فرمائیے! اسلام واحد کلچر کی موافقت کرتا ہے یا مخالفت؟ اسلام کی تشکیل جدید کرنیوالے یہی چاہتے ہیں تفصیل ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب سیرت خیر العباد

قومیت کی زندگی اور بقا صرف دین و مذہب اور ملت کی احیاء
اور بقا میں منحصر ہے اگر یہ رابطہ خدانخواستہ درمیان سے
اٹھ جائے تو قوم مسلم اسی وقت خاک میں دفن ہو جائے گی اور
اس کا وجود من حیث القوم ہرگز باقی نہیں رہ سکتا۔[۱]

یہ بات ناسا عد حالات میں اہل حق ہی کہا کرتے ہیں علامہ اقبال نے وطنیوں کی تردید میں بہت اچھا کہا ہے:۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر ٭ خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اسلام میں یہ بات تحویل قبلہ ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ مروجہ طریقوں سے ہٹ کر اذان کی مشروعیت، ہفتہ کے دنوں میں یوم سبت یا اتوار کے مقابلہ میں جمعہ کو افضلیت، عربوں، یہودیوں، نصرانیوں کے مشترکہ دن یوم عاشورہ کے روزہ کی فرضیت کو منسوخ کر کے رمضان المبارک کی فرضیت اسی طرح اور ہزاروں چیزیں ہیں جو ملت کی انفرادیت کے لئے تائید حقہ ہیں۔ بہر حال تحویل قبلہ کا حکم اور کعبۃ اللہ کو یہ عظیم مرتبہ حاصل ہونا کہ اللہ تعالٰے نے اس کو شعائر اللہ قرار دیا ہے وہ اگرچہ امر تعبدی ہے اور اسکے جو مصالح اللہ تعالٰے کے نزدیک ہوں ان کو اللہ تعالٰی ہی جانتا ہے البتہ یہ امر واضح تر ہے کہ کعبۃ اللہ امت مسلمہ کی اجتماعیت اور وحدت کا ایک بہت بڑا مرکز ہے زاد اللہ شرفاً و تعظیماً۔

ملت ابراہیم بیت اللہ ہماری ملت کی اجتماعیت کا مرکز ہے پوری ملت اس کے گرد اور اس کے ذریعہ سے مجتمع ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دست مبارک سے اس کی تعمیر ہوئی ہے اور وہی ملت ابراہیمی کے بانی ہیں قرآن پاک میں بہت جگہ ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم ہے سورۂ بقرہ پارۂ اول رکوع ۱۴ سے بنائے کعبہ اور ملت ابراہیمی کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اس جگہ سے

---

[۱] الجمعیۃ ۴ اپریل ۱۹۴۳ء

لے کر آخر قرآن پاک تک سورتوں اور آیتوں کی وجہ مطابقت پر اگر غور کیا جائے تو ملت ابراہیمی کی اہمیت اور عظمت واضح ہو جائے گی اس جگہ تھوڑی سی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک۔ — الٰہی ہم دونوں کو بھی اپنا تابعدار بنالے اور ہماری اولاد کو بھی اپنی تابعدار امت بنالے۔

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے

۲۔ ومن یرغب عن ملۃ ابراہیم الا من سفہ نفسہ ولقد اصطفینٰہ فی الدنیا وانہ فی الآخرۃ من الصالحین (البقرہ) — اور ملت ابراہیم سے وہی اعراض کرسکتا ہے جس نے اپنے کو بیوقوف بنالیا ہے ہم نے ابراہیم ؑ کو دنیا میں منتخب کرلیا ہے اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہے۔

اس کے بعد چند آیات کے بعد پھر ارشاد فرمایا،

۳۔ قل بل ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین (البقرہ) — فرما دیجئے بلکہ (میں اتباع کرتا ہوں) ملت ابراہیم حنیف کی اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے

اس کے بعد پارہ ۲، میں تحویل قبلہ اور احکامات حج وغیرہ میں

۴۔ قل صدق اللہ فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفاً وماکان من المشرکین (آل عمران) — فرما دیجئے! اللہ تعالےٰ نے سچ فرمایا ہے پس اتباع کرو ملت ابراہیم حنیف کی اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اول بیت اور بیت اللہ کی عظمت بیان فرمانے کے بعد فرمایا ہے:

۵۔ ثم اوحینا الیک ان اتبع ملة ابراھیم حنیفا و ما کان من المشرکین (النحل)	پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی اتباع کریں اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔

غرضکہ قرآن پاک میں ایک دو جگہ نہیں بہت جگہ اللہ تعالٰے نے ملت ابراہیم حنیف کی اتباع کا حکم فرمایا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ملت ابراہیمی کی اللہ تعالٰے کے نزدیک بہت زیادہ عظمت اور قدر و منزلت ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالٰے کے یہ ارشادات سرسری طور پر پڑھنے کے نہیں ہیں بلکہ ان پر غور کرنا چاہیئے تو ظاہر ہو جائیگا کہ۔ کہ ان ارشادات میں ان گنت فوائد اور مصالح ہیں ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اگر ہمارے اندر خدا کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق ملت بنا پیدا ہو جائے تو دنیا کے جغرافیہ کا رنگ ہی بدل جائے یاد رکھیئے اللہ تعالٰے کو اجتماعیت پسند ہے ارشاد فرمایا ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (آل عمران)	اللہ تعالٰی کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور متفرق نہ ہو جاؤ۔

معلوم رہے تفریق منہی عنہ ہے یعنی ناجائز ہے اور اجتماعیت مامور بہ ہے ایمان لانے کے بعد ہم قولاً اور فعلاً اس کے مکلف ہیں کہ اپنے اندر اجتماعیت پیدا کریں اور جس قدر پیدا ہے اس کو برقرار رکھیں۔ یہ کہنا غلط ہے کہ مسلمانوں میں قرن اول کے بعد حقیقی اتفاق نہیں پایا گیا۔ کیونکہ تعظیم شعائر اللہ نے جس قدر مسلمانوں میں اجتماعیت پیدا کی ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

اس میں بھی دو رائے نہ ہوں گی کہ یورپ اور انگریز نے طرح طرح کے نظریات کے ذریعہ مسلمانوں کو ملت سے قوم اور قوم سے فرقہ بنا دیا اسی کی اختیار کردہ پالیسی کی وجہ سے اب ہمارے ہی مسلمان بھائی فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو یہ فرقہ بازی اور برادری سازی اسلام کی تعلیم نہیں ہے

یاد رکھیئے! اولاً خیالات میں تبدیلی آتی ہے اور پھر اعمال میں تبدیلی آتی ہے کسی قوم میں انتشار پیدا کرنے کے لئے ان کے بنیادی اجتماعی تصورات کے بیچ میں تفریق پیدا کرنے والا کوئی سا بھی نقطہ نظر پیدا کر دیجئے دھیرے دھیرے اس کے اثرات یہ ہوں گے کہ اس میں انتشار اور تفریق پیدا ہو جائے گی

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں مہاجرین اور انصار کے درمیان اسی عنوان سے ذرا سا اختلاف ہوا تھا آپ نے فوراً اس کو ختم کر دیا پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انتخاب خلیفہ کے معاملہ میں یہ رائے آئی تھی کہ ایک امیر مہاجرین میں سے ہو اور ایک امیر انصار میں سے حضرت ابو بکر رض اور حضرت عمر رض نے فوراً ہی اس ذہن کو دفن کر دیا اور متفقہ طور پر حضرت ابو بکر صدیق رض سب کے امیر منتخب ہو گئے اور مسلمانوں میں مہاجرین اور انصار نام سے تفریق پیدا نہیں ہونے دی۔

کیا یہ مسئلہ نہیں ہے کہ اگر کسی کا امام ناپسندیدہ ہے تو جب تک وہ امام ہے نماز اسی کے پیچھے پڑھنا ہو گی (چاہے گھر جا کر اعادہ کر لیا جائے) اس کی ہرگز اجازت نہیں ہے کہ مسجد میں دوسری جماعت کی جائے اور اس طرح مسجد کے نمازیوں کو دو یا تین یا زیادہ جماعتوں میں تقسیم کر دیا جائے امام اگر پسند نہیں ہے تو اس کو علیحدہ کر کے دوسرا امام مقرر کر لیا جائے مگر دو یا تین جماعت والا رخنہ پیدا نہ کیا جائے۔

کیا یہ مسئلہ نہیں ہے کہ جماعت میں شانہ سے شانہ ملا کر کھڑا ہونے کا حکم ہے اور فرمایا ہے اگر صف میں ذرا سا بھی فاصلہ چھوڑو گے تو تمہارے دلوں میں شیطان وسوسہ ڈالے گا" وہ وسوسہ کیا ہے یہی انتشار والا وسوسہ. وہ اگرچہ ابتدا میں بہت ہلکا ہوتا ہے لیکن انجام کے اعتبار سے اجتماعیت کے لئے زہر ہوتا ہے یاد رکھو اس اجتماعیت کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی نعمت قرار دیا ہے مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد سب سے پہلے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اسی اجتماعیت کو پیدا کیا تھا۔ اللہ تعالٰے نے ارشاد فرمایا ہے

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم	اللہ تعالٰی کی نعمت کو یاد کرو جو اس
اذ کنتم اعداءً فالف بین	نے تم پر کی ہے تم دشمن تھے اس نے
قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ	تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پس تم
اخواناً۔ (الآیۃ)	بھائی بھائی ہو گئے

اس آیت میں مہاجرین و انصار کے درمیان عقد مواخاۃ کی طرف اشارہ ہے۔ یاد رکھو! اگر حقیقی تعظیم شعائر اللہ ہمارے اندر پیدا ہو جائے کہ اہم محض یاد کھاوے کے طور پر نہ ہو تو اسی وقت سے ملت بنا اور اس کی برکتوں کا ظہور ہونے لگے گا۔

چوتھا شعار۔ نماز

اجتماعیت اور وحدت کا منارۂ نور

نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو قائم کیا
اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اس کو گرادیا
اس نے دین کو گرا دیا۔ (او کما قال ؐ)

یاد رکھو! اللہ اور رسول کے عطا کردہ طریقہ کے مطابق پوری زندگی کو ڈھال لینے کا نام دینداری ہے اور اس کی ابتدار نماز سے ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز دین کا ستون ہے

ایمان کے بعد اسلام میں جس قدر اہمیت نماز کی ہے کسی چیز کی نہیں یہی ایک فریضہ ایسا ہے کہ ایمان کے فوراً بعد اور ایسے ہی بالغ اور مکلف ہونے کے فوراً بعد فرض ہو جاتا ہے اور پھر جب تک اہلیت (جس کا ذکر آئندہ ہے) باقی رہتی ہے معاف نہیں ہوتا۔ قرآن میں دو سو جگہ سے زیادہ نماز کا ذکر ہے ایسے ہی پوری شریعت کے مسائل ایک طرف اور نماز کے مسائل ایک طرف اگر موازنہ کیا جائے تو نماز کے مسائل ہی زیادہ ہوں گے یہی حال احادیث کا ہے" مفسرین، ائمہ حدیث، ائمہ فقہ نے جتنی اہمیت کے ساتھ نماز اور متعلقاتِ نماز کو بیان کیا ہے کسی چیز کو بیان نہیں کیا" ایسے ہی جتنی سخت وعیدات ترک صلوٰۃ پر ہیں غالباً کسی دوسری چیز کے لئے نہیں (علاوہ سود کے اس کے بارے میں بھی سخت وعیدات ہیں) اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے

فویل للمصلین الذین	تباہی ہو ان نمازیوں کی جو نماز میں
ھم عن صلوتھم ساھون	سستی کرتے ہیں۔

نماز میں سستی کیا ہے؟ اور عذاب ویل کیا ہے؟ اس میں بہت تفصیل ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

۱۔ نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے اس کو ترک کر دیا اس نے دین کو گرا دیا

۲۔ جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔ (ترمذی)

۳۔ عبداللہ بن شقیق روایت کرتے ہیں کہ حضرات صحابہ نماز کے علاوہ کسی عمل کے ترک میں کفر نہیں محسوس کرتے تھے۔ (ترمذی)

ان احادیث کی تشریح میں اگرچہ اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رہ فرماتے ہیں کہ "قریب کفر" مراد ہے اور دیگر ائمہ کفر ہی مراد لیتے ہیں اسی وجہ سے تارک صلوٰۃ کی سزا میں بھی اختلاف ہوگیا ہے۔ بہرحال اس اختلاف سے نماز کی اہمیت میں فرق نہیں آتا ہے نماز ہی وہ اہم عبادت ہے کہ جس کی آخر دم میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید اور وصیت فرمائی ہے" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

ان الصلوٰۃ تنھی عن	بلاشبہ نماز تمام بے حیائیوں اور
الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ	برائیوں سے روک دیتی ہے اور وہ
اکبر۔ (الآیۃ)	اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا ذکر ہے

نماز انسان کو ہر طرح کا درجۂ کمال عطا کرتی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

الصلوٰۃ معراج المومنین	نماز مومنین کے لئے معراج ہے۔

اسلام میں نماز ہی وہ معیار اور کسوٹی ہے جس پر انسان کے کمالات کو پرکھا جا سکتا ہے جس آدمی کی نماز جس درجہ اعلیٰ ہوگی اس کی خارجی اور سلکی زندگی اتنی ہی اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور جس آدمی کے حالات خارجی جتنے چھے ہونگے یہ علامت ہے کہ وہ آدمی اسی قدر عمدہ نماز پڑھتا ہوگا۔ گویا یہ دونوں حالتیں ایک دوسرے کی آئینہ دار ہیں۔ خشکی اور تری اور فضا یں پیدا ہونے والے حالات میں موثر قسم کی تبدیلی لانے میں نماز ہی ایک احد طریقہ ہے اور اس میں مجھے ذرہ برابر بھی تردد نہیں ہے اور میں ہی نہیں بلکہ جو کوئی بھی نماز سے ہونے والے کمالات کو شمار کرانا چاہے گا اس کو یہی اپنا پڑیگا

نمازاورجماعت

نماز میں سب سے افضل فرض نماز ہے اور فرض نماز میں بھی تنہا کی نماز سے جماعت کی نماز افضل ہے

حضرات فقہاء نے جماعت کی نماز کو کامل اور تنہا کی نماز کو قاصر قرار دیا ہے جس قدر جماعت میں آدمی زیادہ ہونگے اسی قدر اس کی فضیلت بڑھتی چلی جائے گی

نفس عبادت اور بندگی کا جہاں تک تعلق ہے وہ علیحدگی میں اور سکون اور سکوت کی حالت میں زیادہ میسر ہے لیکن یہ حکم نفلی نماز کا ہے۔ لیکن فرض نماز جو نفل نماز سے بہت اعلیٰ ہے اور اس کا بھی بہت اعلیٰ ترین ہونا کثرتِ تعداد پر ہے۔ احادیث پاک کی روشنی میں اس کی اہمیت پر غور کرنا چاہیئے

۱۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میرا خیال یہ ہے کہ میں نماز کے لئے حکم دوں اور کسی آدمی کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کر دوں اور پھر لوگوں کے ساتھ لکڑیاں لے جا کر تلاش کروں کہ کون نماز میں شریک نہیں ہے اور پھر ان گھروں کو آگ لگا دوں۔ (اصحابُ الستہ)

۲۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ جماعت کی نماز تنہا کی نماز سے ۲۵ گنا زیادہ افضل ہے۔ (بخاری)

۳۔ جماعت کی نماز تنہا کی نماز سے ۲۷ گنا زیادہ افضل ہے۔ (اصحاب الستہ)

۴۔ جس بستی میں تین آدمی رہتے ہوں اور جماعت سے نماز نہ پڑھتے ہوں ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے لہٰذا جماعت کی نماز کو لازم پکڑو! بھیڑیا دور والی تنہا بکری کو کھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

۵۔ جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا آدھی رات تک عبادت کی اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا پوری رات عبادت کی۔ (مسلم۔ امام مالک۔ ترمذی)

۶۔ جماعت کی پہلی صف فرشتوں کی صف کے مانند ہے۔

۷۔ ایک آدمی کے ساتھ نماز تنہا کی نماز سے بہتر ہے۔ اور دو کے ساتھ ایک کے ساتھ سے بہتر ہے اور جس قدر کثرت ہوتی جائے گی اسی قدر وہ نماز اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگی۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

۸۔ ایک آدمی کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ وہ دن کو روزہ رکھتا ہے رات بھر نماز پڑھتا ہے لیکن جماعت میں اور جمعہ میں شریک نہیں ہوتا۔ فرمایا وہ دوزخی ہے (ترمذی)

۹۔ جو آدمی یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملاقات کرے وہ ان پانچوں نمازوں کی حفاظت کرے جہاں بھی ان کی اذان دی جائے، اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لئے ہدایت والی سنتوں کو مشروع کیا ہے اگر تم نے اپنے گھر میں نماز ادا کی جیسا کہ وہ آدمی ادا کرتا ہے تو تم نے اپنے نبی کی سنت کو ترک کر دیا اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو چھوڑا تو گمراہ ہو جاؤ گے الخ (مسلم۔ ابوداؤد)

۱۔ جماعت کی اس سے بڑھ کر اور کیا اہمیت ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں بھی اس کی پابندی کرتے رہے۔

اقامتِ دین نماز اور جماعت کے تمام فضائل اور احکامات کو ایک جگہ جمع کرنے کے بعد اگر خلاصہ کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ نماز وہ شعار دین اور بقول حضرت شاہ ولی اللہ رح کے وہ شعار اللہ ہے جس کے ذریعہ

ا۔ اقامت دین (جو بھی اس کی تعریف کی جائے) قیام صلوٰۃ پر موقوف ہے
ب۔ مسلمانوں میں اجتماعیت بدون اقامت صلوٰۃ کے نہیں پیدا ہو سکتی۔
ج۔ یہی وہ فریضہ ہے کہ جس کے ذریعہ مسلمان، بہترین قسم کا انسان بن سکتا
د۔ ایسا انسان جو باحیا بھی ہو دیانتدار بھی ہو، امن پسند بھی ہو سب کا بھلا چاہنے والا بھی ہو (جس کو آج کل سیکولر کہا جاتا ہے) جس کے ذریعہ عزت عصمت

کی حفاظت بھی ہوتی ہو. عدل پرور بھی ہو اور تمام انسانوں میں عمدہ قسم کی مساوات پیدا کرنے والا بھی ہو۔ کیا نماز کے علاوہ کسی دوسری چیز کے ذریعے مساوات پیدا کی جا سکتی ہے؟ ایسی مساوات جس سے کسی کو تکلیف نہ ہو اور ایسی مساوات جس سے محبت اور الفت میں اضافہ ہی ہوتا ہو۔ ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

کیا نماز کے علاوہ کسی دوسری چیز سے پاک امنی کو فروغ دیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ مسئلہ نہیں ہے کہ جماعت کی نماز میں اگر عورت مرد کے برابر آکر کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی (اگر امام نے عورتوں کی امامت کی نیت کر رکھی ہو) کیا نماز کے علاوہ کسی دوسری چیز کے ذریعہ ادائیگی حق کی تعلیم دی جا سکتی ہے؟ کیا یہ مسئلہ نہیں ہے کہ اگر مغصوبہ زمین میں نماز پڑھ لی یا چوری کے کپڑے پہن کر نماز پڑھ لی تو نماز مکروہ تحریمی اور قابل اعادہ ہو گی۔ کیا نماز کے علاوہ کسی دوسری چیز کے ذریعہ طاعت کا سبق پڑھایا جا سکتا ہے؟ کیا یہ مسئلہ نہیں ہے کہ اگر امام کے پیچھے بادشاہ وقت بھی کھڑا ہے تو وہ تابع ہے اور مقتدی ہے وعلیٰ ہذا ہزاروں عمدہ خصلتیں عمدہ اطوار اور خلاصہ یہ ہے کہ عمدہ قسم کی انسانیت اقامتِ صلوٰۃ سے پرورش پاتی ہیں۔

ہمیں اس میں ذرہ برابر تردد نہیں ہے کہ تبلیغی کام ہی مکمل اقامت دین کا داعی ہے اس کام کے چھ نمبر تو علیحدہ صرف اقامت صلوٰۃ والا نمبر ہی سب کو جامع ہے اور کوئی شق اس سے خارج نہیں ہے اسی کے ساتھ علم، ذکر، اکرام مسلم وغیرہ دوسرے نمبرات اس میں مزید تقویت پیدا کرتے ہیں جو لوگ ناک چڑھا کر اس کام کو دیکھتے ہیں وہ حقیقۃً فریضہ اقامت دین کو نہیں سمجھ پائے ہیں

نماز اور امامت

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ فقہاء نے تنہا کی نماز کو قاصر اور جماعت کی نماز کو کامل قرار دیا ہے اور جماعت کی نماز

بغیر امام کے ممکن نہیں ہے ایسے ہی اسلام کا کوئی شعبہ زندگی اجتماعیت سے خالی نہیں ہے ہر ایک چیز میں اجتماعیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کی تاکید کی گئی ہے۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

۱ — وعلیکم بالجماعة — تمہارے اوپر جماعت لازمی ہے۔

۲ — من فارق الجماعة شبراً فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه (احمد) — جس نے بالشت بھر بھی جماعت سے انحراف کیا اس نے اسلام کی ڈوری کو اپنی گردن سے اتار کر پھینک دیا

۳ — ید الله علی الجماعة (ترمذی) — جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے

۴ — الاثنان وما فوقهما جماعة — دو اور دو سے زیادہ جماعت ہے

۵ — تنہا اگر سفر کرے تو شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے

اسلام کے نزدیک اگر بے حد و حساب آدمی ایک جگہ جمع ہو جائیں اور ان میں کوئی امام نہ ہو کہ آگے بڑھ کر نماز پڑھا دے (وعلی ہذا) تو اسلام اس بھیڑ کو جماعت نہیں کہتا۔ یہ بھیڑ جماعت اسی وقت بنتی ہے جب اس کا کوئی امیر یا امام ہوتا ہے۔ خیال فرمائیے!

۶ — صلوٰۃ جمعہ بغیر امیر یا امام کے جائز نہیں ہے۔ یہی حال صلوٰۃ عیدین، صلوٰۃ جنازہ، صلوٰۃ کسوف کا ہے۔

۷ — خیال فرمائیے غزوہ ذات قرد میں (جو غزوہ خندق کے بعد ہوا ہے) صلوٰۃ خوف مشروع قرار دی گئی اس کا طریقہ قرآن پاک میں بھی مذکور ہے کہ ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں رہے اور ایک جماعت امام کے پیچھے ایک رکعت ادا کرے اس کے بعد یہ جماعت دشمن کے مقابلے میں چلی جائے اور دوسری جماعت امام کے پیچھے آکر ایک رکعت پڑھے الخ

یہ ظاہر ہے کہ اس طرح نماز ادا کرنے میں چلنا پھرنا بھی پایا جاتا ہے جو صلوٰۃ کے منافی ہے۔ قبلہ کی طرف سے رخ [illegible]

جو منافی صلوٰۃ ہے لیکن ان کے باوجود منفرداً نہیں بلکہ جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ ایسے موقعہ پر دو آدمیوں کو امام بنا دیا جاتا لیکن اسلام کے نزدیک یہ بھی پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

۸۔ فقہ کی کتابوں میں حدث فی الصلوٰۃ کا مسئلہ ہے یعنی اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ اپنی جگہ کسی دوسرے کو امام مقرر کر دے کہ وہ نماز پوری کرائے اور خود وضو کر کے پھر نماز میں آکر شریک ہو جائے۔ یہ بہت واضح بات ہے کہ حدث (عدم طہارت) نماز کے منافی ہے قیاس یہ کہتا ہے کہ اسی وقت نماز فاسد ہو جانی چاہیئے تھی اور کسی دوسرے آدمی کو یا اسی امام کو وضو کے بعد پھر شروع سے نماز پڑھانا چاہیئے تھا لیکن یہ سب کچھ قابل انگیز، مگر جماعت کو ہر حال میں باقی رکھنا ضروری ہے اور وہ بغیر امام کے ممکن نہیں ہے اس لئے مسئلہ استخلاف کے تحت نماز کی بنا جائز اور اس کو پورا کرنا درست ہے

۹۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی مرتبہ بھی مدینہ منورہ سے باہر سفر پر تشریف لے گئے ہر مرتبہ اپنی جگہ مدینہ منورہ میں خلیفہ مقرر فرما کر گئے اور جب کبھی بھی آپ نے کوئی قافلہ، کوئی وفد، کوئی سریہ روانہ فرمایا ہے سب کا امیر مقرر فرمایا ہے۔

۱۰۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین و تدفین اس وقت عمل میں آئی جب پہلے خلیفہ کو منتخب کر لیا گیا اور یہ سلسلہ آجتک سعودی عرب میں ہے کہ بادشاہ کے انتقال کے بعد فوراً ہی دوسرا بادشاہ مقرر کر لیا جاتا ہے اور خلافت کا سلسلہ جب تک رہا یہی طریقہ رہا اور غالباً دنیا کے ملکوں کے مختلف دستور میں بھی اسلام کے اس قاعدے کی روشنی موجود ہے

ان تمام دلائل اور وجوہات کی روشنی میں غور فرمائیں کہ اسلام کونسی اجتماعیت پسند کرتا ہے؟ اسلام انفرادیت کے خلاف ہے یا نہیں؟ نماز کتنا بڑا رکن اسلام اور شعار اسلام ہے کہ پورے اسلام کی عمارت اس ستون پر

قائم ہے۔ کیا اس ستون کو قائم رکھنا دین کو قائم رکھنا ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوحًا وَّالَّذِىٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (شوریٰ)	اے امتِ محمد! تمہارے لئے وہی دین مشروع کیا ہے جس کا حکم حضرت نوحؑ[1] کو کیا اور جسکی وحی (اے نبی) ہم نے آپکی طرف کی اور جس کا حکم حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کو کیا کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفریق پیدا نہ کرو۔

اس آیت میں اقامت دین سے کیا مراد ہے؟ میں کہوں گا کہ نماز کے بارے میں جو تفاصیل گذر چکی ہیں اور جو تفصیل رہ گئی ہے اس کی روشنی میں اقامتِ صلوٰۃ سے مراد کیا ہے؟ مفسرین نے اقامتِ دین کے بارے میں تحریر فرمایا ہے۔

دین اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس کی ذات وصفات پر ایمان لانا تمام انبیاء، کتابوں، فرشتوں اور مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان لانا اور وہ تمام چیزیں جو انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ان کو تسلیم کرنا، ان پر عمل کرنا اور جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو بجا لانا اور جس سے منع کیا ہے اس سے رُک جانا۔

---

[1] آیت مبارکہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ چار رسولوں کا یعنی ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت موسیٰؑ کا ذکر ہے یہ چاروں حضرات صاحب شریعت ہیں اور انکی مستقل ملت ہے یعنی یہود، نصاریٰ، اور ملت ابراہیمی اور ملت ابراہیمی ان سب پر قائم ہے اور ان کے اوپر حضرت نوح علیہ السلام ہیں گویا اصل ملت اور اصل دین ایک ہی ہے مظہری صفحہ ۳۱۲ ج ۸۔

اس کا نام دین ہے [۱]

اس کو نہایت جامع طور پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

ما آتاکم الرسول فخذوہ	رسول تمہیں جو دے وہ لو اور
وما نھکم عنہ فانتھوا	جس سے روک دے رک جاؤ

گویا پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کے مطابق گذارنے کا نام اقامت دین ہے اور بجملہ دین پر قائم کرنے قائم رہنے کے لئے اقامت صلوٰۃ لازم ہے بغیر اس کے دین قائم نہیں ہو سکے گا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کو پھر ملاحظہ فرمائیں :-

"نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے نماز کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو ترک کر دیا اس نے دین کو گرا دیا۔" (او کما قال ع)

اس کے بعد ان آیات اور احادیث کو ملاحظہ فرمائیے! جن کو ہم آنے والے عنوان کے تحت ذکر کر رہے ہیں یاد رکھو! اللہ اور رسول کے عطا کردہ طریقہ پر خود کو ڈھال لینے کا نام دین ہے اور پوری دنیا میں وہی طریقہ چلا دینے کا نام اقامت دین ہے یاد رکھو! نماز کو پڑھنے کا حکم نہیں قائم کرنے کا حکم ہے۔

---

[۱] تفسیر مظہری ص ۳۱۲

اجتماعیت ــــ سے ــــ اجماع تک

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک اجتماعیت پسندیدہ اور انفرادیت مذموم ہے یہی معاملہ علمی اجتماعیت یعنی اجماع کا ہے جس طرح اجتماعیت کے خلاف کرنا حرام اور ناجائز ہے اسی طرح اجماع کے خلاف کرنا حرام اور ناجائز ہے اس لئے اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجماع کو قرار دیا ہے اس کے معنی اتفاق کے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں امت محمدیہ ؐ کے صلحاء قسم کے مجتہدین کا ایک وقت میں کسی دینی معاملہ پر متفق ہو جانے کا نام اجماع ہے۔ اجماع بھی قرآن اور احادیث کی طرح شرعی حجت ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

اجماع کا ثبوت

(۱) ومن یشاقق الرسول	جو شخص رسول کی مخالفت کرے
من بعد ما تبین لہ الھدیٰ	بعد اس کے کہ اس کے لئے ہدایت
ویتبع غیر سبیل المؤمنین	ظاہر ہو گئی اور مومنوں کا راستہ
نولہ ما تولیٰ ونصلہ جھنم	چھوڑ کر دوسری راہ چلے تو ہم اسے
وساءت مصیرا	ادھر ہی چلنے دیں گے اور اسکو
(نساء)	دوزخ میں جھونک دینگے اور وہ برا ٹھکانا ہے

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کے طریقہ کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ کی اتباع حرام ہے اور یہ رسول کے خلاف کرنے کے مترادف ہے اور ایسا کرنے والے کے لئے دوزخ ہے۔ اس لئے مسلمانوں کے طریقہ کی اتباع

واجب ہے اور اجماع مسلمانوں کا متفق علیہ طریقہ ہے اس روشنی میں اتباع ملتِ ابراہیم حنیفاً کے مطلب پر غور کرنا چاہیئے

۲۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (الآیۃ) — اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو! اور تفرقہ نہ ڈالو!

یعنی اجماع کے خلاف کرنا ممنوع ہے

۳۔ اذا تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ ورسولہ — جب کسی معاملہ میں تمہیں اختلاف ہو تو اس کو قرآن اور سنت پر پیش کرو

۴۔ لا تجتمع امۃ محمد علیٰ ضلالۃ (رواہ ترمذی) — امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گمراہی پر مجتمع نہ ہو گی۔

۵۔ اتبعوا السواد الاعظم (ترمذی نسائی) — سواد اعظم کی اتباع کرو

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں یہ سب اگرچہ خبر احاد میں سے ہیں لیکن قدر مشترک حد تواتر کو پہونچتی ہیں اجماع ہر زمانہ میں صلحاء مجتہدین کا معتبر ہے اور وہی شرعی حجت ہے اگرچہ بعض اس کے مخالف ہوں

اہل ظواہر کا مسلک داؤد بن علی ظاہری کہتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ کے علاوہ کسی کا اجماع معتبر نہیں ان کی دلیل یہ ہے:۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (الآیۃ) — تم خیر امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کیے گئے ہو

کذلک جعلناکم امۃ وسطاً — تم کو ہم نے امت وسط بنایا ہے۔

اہل ظاہر فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں یہ خطاب ان ہی حضرات سے ہے جو موجود تھے ان ہی کی یہ صفت بیان فرمائی ہے صحابہ رضؓ کے بعد والے

حضرات اس میں داخل نہیں ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی عدالت کی تصدیق فرمائی ہے اور اجماع کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہی زمانہ میں سب متفق ہوں اور یہ بات حضرات صحابہ رض کے بارے میں تو ممکن تھی بعد کے زمانے میں ممکن نہیں ہے۔

لیکن اہل ظواہر کا یہ خیال ناقص بھی ہے اور غلط بھی کیونکہ اگر قرآن پاک کا خطاب صرف حضرات صحابہ رض میں محصور کر دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآنی احکامات کے بھی حضرات صحابہ رض ہی مکلف تھے بعد والے مومنین نہیں ہیں اور ان ہی کی دلیل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ رض کا اجماع بھی نہیں ہے کیونکہ آیت مبارکہ جس وقت نازل ہوئی ہے اس وقت تک جو صحابہ رض وفات پا چکے تھے۔ یا آیت کے نازل ہونے کے بعد پیدا ہوئے یا مسلمان ہوئے وہ اس کے ضمن میں داخل نہ ہونگے اس صورت میں سب صحابہ رض کا متفق ہونا لازم نہیں آتا اور یہ ان کے ہی اصول کے خلاف ہوا۔ علاوہ ازیں جہاں عصمت صحابہ رض پر احادیث ہیں وہاں عصمت امت محمدیہ پر بھی احادیث موجود ہیں جیسا کہ ایک حدیث اوپر بھی گذر چکی ہے۔

امام مالک رح کا مسلک

امام مالک اور بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اجماع صرف اہل مدینہ ہی کا معتبر ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

(۱)۔ المدینة کالکیر تنفیٔ خبثها (شیخان)
مدینہ آگ کی بھٹی کی طرح ہے وہ خبث کو دور کر دیتا ہے۔

اور مدینہ دار الہجرۃ ہے یہاں رسول پاک مدفون ہیں۔ یہاں وحی نازل ہوئی ہے یہاں تمام صحابہ رض رہا کرتے تھے وغیر ذلک لیکن اس سے صرف مدینہ منورہ کے خصائص اور بقعۂ مبارک ہونا ثابت ہے اگر یہی بات ہے تو مکہ مکرمہ کے بھی بہت خصائص ہیں لیکن اجماع کے لئے ان خصائص کا نہیں

بلکہ علم واجتہاد کا اعتبار رہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل مدینہ کی روایات قبولیت کے اعتبار سے دوسروں پر مقدم ہیں۔

روافض کا مسلک

روافض کہتے ہیں کہ صرف عترۃ رسول کا اجماع معتبر ہے کیونکہ اللہ تعالٰے نے ارشاد فرمایا ہے :۔

۱۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا — اہل بیت رسول! اللہ تعالٰے نے تم سے گندگی کو دور کرنے اور تمہیں پاک کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت رسول معصوم ہیں اور ان کا قول اقرب الی الصواب ہے اور اہل بیت سے مراد صرف حضرت علی رضہ، حضرت فاطمہ رضہ حضرت حسن رضہ اور حضرت حسین رضہ ہیں جس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا تھا اور فرمایا تھا یہ میرے اہل بیت ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا :۔

۲۔ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑتا ہوں کتاب اللہ اور اپنی عترت، جب تک تم ان کو پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔

اور چونکہ اہل بیت رسول اہل بیت رسالۃ ہیں قرآن پاک کے نزول اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سے زیادہ واقف ہیں اس لئے ان کا اجماع معتبر ہے لیکن اہل سنت والجماعت کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں صرف اہل بیت رسول ہی نہیں بلکہ آپکی ازواج مطہرات مراد ہیں ان ہی سے تہمت کو دور کرنے اور ان کی پاکدامنی کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں نہ کہ صرف عترت رسول کے بارے میں چنانچہ دوسری آیت میں مذکور ہے

یانساء النبی لستن کاحد — اے نبی کی ازواج تم اور عورتوں

من النساء۔ (الآیۃ) کی طرح نہیں ہو

رہا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ان چاروں حضرات کو چادر میں لپیٹ لینا تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ آپؐ کی ازواج اہل بیت ہونے سے خارج ہیں علاوہ ازیں یہ حدیث خبر احاد میں سے ہے اور روافض خبر احاد کو تسلیم نہیں کرتے چہ جائیکہ اس کو مستدل بنائیں علاوہ ازیں یہ حدیث متن کے اعتبار سے مضطرب ہے کیونکہ دوسری حدیث میں مذکور ہے۔

"میں تمہارے درمیان کتاب اللہ اور اپنی سنت چھوڑے جاتا ہوں۔" (رواہٗ مالک)

زیادہ سے زیادہ حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان حضرات کی روایت حجت ہے لیکن اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ دوسرے صحابہ رضؓ کی روایات حجت نہیں ہیں لہ

اہل سنت والجماعت کا مسلک

اجماع کے بارے میں اہلسنت والجماعت کا مسلک یہ ہے:-

الصحیح عندنا ان اجماع	صحیح ہمارے نزدیک یہ ہے کہ
کل عصر من اھل العدالۃ	ہر زمانہ کے اہل عدالت اور اہل
والاجتہاد حجۃ ولا عبرۃ	اجتہاد کا اجماع معتبر ہے انکی قلت
لقلۃ العلماء وکثرتھم ولا	اور کثرت کا چنداں اعتبار نہیں اور نہ
بالثبات علیٰ ذلک حتی	یہی بات ہے کہ وہ مرتے دم تک
یموتوا ولا لمخالفۃ اھل	اس پر قائم رہیں اس باب میں فساق
الھویٰ فیما نسبوا الی الھویٰ	و فجار کی مخالفت اور غیر ذی رائے
ولا لمخالفۃ من لا رای	کی مخالفت کا اعتبار نہیں ہے
لہ فی الباب ؎۲	

لہ اجماع کے بارے میں یہ پوری تفصیل نامی شرح الحسامی سے ماخوذ ہے ؎۲ حسامی ص۹۲ اصول الشاشی

یعنی دین کے کسی معاملہ میں عوام کے اجماع کا اعتبار نہیں ہے (جیسا کہ موجودہ زمانہ میں کثرت رائے کا اعتبار ہے) بلکہ اس باب میں علم و تقویٰ بنیاد ہے اور علم سے مراد بھی علم فقہ ہے اس لئے اہل کلام یا محدثین کے اجماع کا اعتبار نہیں ہے [1]

صاحب توضیح نے تحریر فرمایا ہے :-

اجماع کے چند مراتب ہیں (۱) اجماع صحابہ (۲) صحابہؓ کے بعد کے لوگوں کا اجماع ایسے مسائل میں جن میں اختلاف منقول نہ ہو۔ (۳) ایسا اجماع جس میں اختلاف منقول ہو۔

صاحب اصول الشاشی نے اجماع کے چار مراتب تحریر فرمائے ہیں [2]
اصول الشاشی کی شرح فصول الحواشی اور توضیح کی شرح تلویح میں علامہ تفتازانی نے بہت عمدہ بحث کی ہے قدر مشترک یہ ہے کہ اجماع کے چند مراتب ہیں اور ان کے مراتب کے اعتبار سے ان کا حکم ہے۔

---

[1] حسامی ص ۶۲، اصول الشاشی ۵۲ [2] ایضاً

اجماع کی چند مثالیں

خلافت صدیق اکبر رضؓ اسلام میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا اجماع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی خلافت اور ان کی تمام صحابہ پر فوقیت پر ہوا ہے اس بارے میں اگر کوئی اختلاف منقول بھی ہے تو اولاً تو سنداً ضعیف ہے دوسرے وہ اختلاف تھوڑی دیر کے لئے تھا۔ یہ اجماع حدیث متواتر کے درجہ میں ہے اس پر عمل کرنا اور یقین واجب ہے اور جو اس سے انکار کرے وہ بے دین ہے اسی طرح خلفاء راشدین کی فضیلت پر خلافت کی ترتیب کے مطابق اجماع ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رح اور اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے ؎۲

بیع ام الولد "ام الولد" اس باندی کو کہتے ہیں جس کے بطن سے مولیٰ سے بچہ پیدا ہوگیا ہو اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ ام ولد کی بیع جائز ہے یا ناجائز ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضؓ سے ام ولد کی بیع مروی ہے اس کو ابن حزم نے محلّیٰ میں روایت کیا ہے لیکن حضرت عمر رضؓ کے زمانہ میں ام ولد کی بیع کے عدم جواز پر اجماع منعقد ہوگیا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

ایما رجل ولدت امتہ منہ فھی معتقۃ (الحدیث) — جس آدمی کی باندی نے اس سے بچہ جنا وہ آزاد ہے۔

اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضؓ سے احمد، ابن ماجہ رح نے روایت

؎۱ تفصیل ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب سیرت اصحاب النبی ؎۲ تفصیل ملاحظہ فرمائیں ہماری کتاب حیات امام اعظم ابوحنیفہ رح

کیا ہے۔ حدیث مشہور ہے اور اس کو امت نے قبول کیا ہے لہ لیکن حضرت علی رضؓ کے زمانہ میں پھر ام ولد کی بیع کے جواز پر اجماع منعقد ہوا اور ان کے بعد پھر حضرت عمر رضؓ ہی کے فیصلہ پر اجماع منعقد ہو گیا جو اَب تک باقی ہے ٹلہ

جمعہ کی اذانِ اوّل

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین اور حضرت عثمان غنی رضؓ کے ابتدائی دور خلافت تک جمعہ کی صرف ایک ہی اذان تھی جو امام کے منبر کے سامنے خطبہ کے وقت دی جاتی تھی لیکن جب مدینہ منورہ کی آبادی زیادہ ہو گئی تو حضرت عثمان غنی رضؓ نے ایک اذان اس سے پہلے مقرر فرمادی جو زوراء (ایک مکان) پر دی جاتی تھی اور تمام صحابہ رضؓ نے اس سے اتفاق کیا حنفیہ کے نزدیک عدم جواز بیع کا مسئلہ اسی اذان سے ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔
واللہ تعالےٰ اعلم

موجودہ زمانہ میں رویت ہلال کا اعلان

عرصہ دراز تک رویت ہلال کی خبر اختلاف اور خلفشار کا سبب بنی رہی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے مواقع پر عوام میں مسلسل ہنگامے ہوتے رہے چنانچہ ۱۹۷۱ء کے قرب وجوار میں میرے فتاویٰ مدینہ بجنور، الجمعیۃ دہلی، دعوت دہلی میں شائع ہوئے اس کے بعد حضرت مولانا محمد میاں صاحب مرحوم نے ہندوستان کے اہل فتاوے طلب کئے اور اس کے بعد مرحوم نے دو مرتبہ ہندوستان کے اہل علم کو دہلی میں جمع کر کے جو فیصلہ کیا وہ متفق علیہ فیصلہ ہے جس کے قواعد وضوابط اس جگہ درج کئے جاتے ہیں۔ اس مسئلہ کے علمی مباحث قیاس کے بیان میں ملاحظہ فرمائیں۔

لہ [illegible] ٹلہ [illegible] ص ۹ ج ۲

رویت ہلال کے فیصلہ کے متعلق ضروری قواعد

رویت ہلال کا فیصلہ مندرجہ ذیل امور میں سے کسی ایک پر ہو سکے گا۔

(۱)۔ رویت عامہ

(۲)۔ شہادت

(۳)۔ استفاضہ

(۴)۔ ریڈیو یا ٹیلیفون یا خطوط بموجب شرائط معینہ (تفصیل آگے ملاحظہ فرمایئے)

(۲) ہلال رمضان کے ثبوت کا فیصلہ مندرجہ ذیل صورتوں میں سے کسی ایک پر ہو گا۔

(الف) مطلع صاف ہونے کی حالت میں اتنے مسلمانوں کا بیان کہ طلوع ہلال کا یقین ہو جائے

(ب) یا ایک قابل اعتماد دیندار مسلمان (مرد یا عورت) کا شہر کے باہر سے یا کسی بلند مقام سے آکر خبر دینا جس پر طلوع ہلال کا یقین ہو جائے۔

(ج) مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں ایک دیندار مسلمان (مرد یا عورت) کا بیان کہ میں نے چاند دیکھا ہے

(د) یا کسی دوسری جگہ پر چاند ہونے کی اطلاع وہاں سے اتنے آدمی آکر دیں کہ شک و شبہ نہ رہے اور یقین ہو جائے۔

(ھ) یا کسی دوسری جگہ کے بارے میں کم از کم دو دیندار مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں خبر دیں کہ وہاں کی ہلال کمیٹی نے باضابطہ شہادت لے کر رویت ہلال کا فیصلہ کیا ہے۔

(و) خاص ٹیلی فون یا لائٹنگ کال کی اطلاع جبکہ کم از کم ایک اور ٹیلی فون پر اس کی تصدیق کر لی جائے یا دیگر قرائن سے اس کے صحیح ہونے کا

یقین ہو جائے۔

(ز) ریڈیو کے ذریعہ کسی مقام پر چاند ہونے کی خبر بشرطیکہ ٹیلیفون سے اس کی تصدیق کرلی جائے۔

(ح) متعدد ریڈیو اسٹیشن متعدد مقام پر چاند ہونے کی خبر نشر کریں اور ہلال کمیٹی ان پر مطمئن ہو جائے۔

(ط) کل ہند ہلال کمیٹی کا اعلان کہ رویت عام یا باقاعدہ شرعی شہادت کی بنیاد پر یہاں چاند ہونے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے

(ی) کسی ایک مقام یا متعدد مقامات سے اتنے خطوط یا ٹیلیفون آجائیں کہ ان کا انکار کرنا مشکل ہو جائے۔

(۳) رمضان کے علاوہ شوال اور دوسرے مہینوں کے ہلال کا فیصلہ مندرجہ ذیل شکلوں میں سے کسی ایک پر ہو سکے گا۔

(الف) مطلع صاف ہونے کی صورت میں مقامی طور پر اتنے آدمیوں کی شہادت جن کی تردید نہ کی جا سکے

(ب) یا کسی دوسرے مقام پر چاند دیکھے جانے کی شہادت اتنے آدمی دیں کہ ان کی تردید نہ کی جا سکے اور استفاضہ کی صورت پیدا ہو جائے

(ج) مطلع اگر صاف ہو تو کم از کم دو قابل اعتماد دیندار مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں جو دیندار اور قابل اعتماد ہوں بلفظ گواہی رویت ہلال کی شہادت دیں

(د) یا کسی دوسری جگہ سے کم از کم دو قابل اعتماد دیندار مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں آکر شہادت دیں کہ وہاں کی رویت ہلال کمیٹی نے باضابطہ شہادت لے کر رویت ہلال کا فیصلہ کیا ہے

(ہ) خاص ٹیلیفون یا لائٹننگ کال سے کسی ذمہ دار معروف شخص کی اطلاع جبکہ کم از کم تین ٹیلیفونوں سے اس کی تصدیق بھی کرلی جائے۔

(و) متعدد ریڈیو اسٹیشن متعدد مقامات پر چاند ہونے کی خبر نشر کریں، اور ہلال کمیٹی ان کی صحت پر مطمئن ہو جائے
(ز) کل ہند ہلال کمیٹی کا باقاعدہ اعلان کہ رویت عام یا باقاعدہ شرعی شہادتوں کی بنار پر چاند ہونے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے اور کل سے یکم شوال ہے
(ح) ثبوت رویت کے سلسلہ میں خطوط یا ٹیلیفون اس کثرت سے آجائیں کہ ان کا انکار کرنا مشکل ہو جائے۔

فرائض ہلال کمیٹی

(۱) ہر مرکزی کمیٹی مقررہ تاریخ (۲۹ر) میں تمام ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر ہونے والی دوسری کمیٹیوں کے اعلان کو سننے کا انتظام اور التزام کرے گی۔
(۲) اعلان کمیٹی کی تجویز کردہ عبارت اور الفاظ میں ہوگا کمیٹی اس اعلان میں یہ بھی واضح کرے گی کہ فیصلہ رویت عامہ کی بنار پر کیا گیا ہے یا باحساب شرعی شہادت پر
(۳) مرکزی کمیٹی ملک کے مختلف مقامات پر معتمد اور دیندار حضرات پر مشتمل ہلال کمیٹیاں قائم کرائے گی جن کا اعلان پورے ملک کے لئے سمجھا جائے گا اور ہر کمیٹی اپنے قریبی شہروں میں مقامی کمیٹیاں بنائے گی
(۴) کسی شہر میں ثبوت رویت کی صورت میں وہاں کی کمیٹی اپنے سے قریب مرکزی کمیٹی کو رویت کا باضابطہ ثبوت مہیا کرکے پہنچائے گی۔

(۵) کمیٹی کا اجلاس باضابطہ ہو۔ اگر مستقل صدر نہ ہو تو اجلاس کا صدر بنایا جائے۔ وہی کمیٹی کا امیر ہوگا۔ فیصلہ وہی صادر کرے گا اور اسی کی طرف سے اعلان کیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چوتھا ماخذ قیاس

یعنی

فراست مجتہدین

اس کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے اور اس کی محرک اجتماعی ضروریات ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قیاس کی آئینی حیثیت

قیاس کا ثبوت

ملت اسلامیہ کے اکثر طبقات (حضرات صحابہ رضؓ، تابعینؒ، فقہاءؒ، متکلمین) کا اس پر اتفاق ہے کہ کتاب و سنت اور اجماع کے بعد قیاس بھی اسلامی قانون کا ماخذ اور بنیادی اصول ہے۔ حضرات شیعہ، اہل ظواہر، معتزلہ، خوارج اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کے انکار میں کوئی وزن نہیں ہے۔ قیاس کے اثبات میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ آیت مبارکہ ہے لہ

۱ — فاعتبروا یا اولی الابصار   آنکھ والو! عبرت پکڑو!

۲ — جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو اس وقت ان سے دریافت فرمایا تھا کہ تم کس طرح فیصلہ کروگے؟

انہوں نے عرض کیا قرآن پاک سے فیصلہ کرونگا۔ آپ نے دریافت فرمایا اگر وہ مسئلہ قرآن پاک میں نہ ہو تو؟

عرض کیا تو آپ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا اگر وہ معاملہ سنت میں نہ ملے تب کیا کروگے؟

عرض کیا،

اجتھد برائی   میں اپنی رائے کے ذریعہ اجتہاد کرونگا

یہ سنکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور فرمایا:۔

الحمد للہ الذی وفق — خدا کا شکر کہ اس نے اپنے رسول
رسول رسولہ بما یرضیٰ — کے قاصد کو وہ توفیق عنایت فرمائی
رسولہٗ [1] — جسکو اسکا رسول پسند کرتا ہے۔

یہ حدیث مشہور ہے اور صحیح ہے اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضہ کے خیال کی خوشی و مسرت کے ساتھ تائید فرمائی ہے

۳۔ ایک متفق علیہ حدیث میں مذکور ہے کہ ایک آدمی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میری بہن نے حج کرنے کی نذر کی تھی مگر وہ حج کرنے سے پہلے مرگئی آپ نے فرمایا، اگر اس پر قرضہ ہوتا تو، کیا تو ادا کرتا؟ عرض کیا ہاں۔ آپ نے فرمایا

فاقض دین اللہ فھو — اللہ کا قرضہ ادا کر دے وہ ادائگی
احق بالقضاء [2] — کا زیادہ مستحق ہے

اس حدیث میں حج کی ادائیگی کو دین پر قیاس کیا ہے یعنی جس طرح قرضہ ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح سے اگر کسی پر حج فرض تھا اور اس نے وصیت کردی تھی تو اس کی جانب سے حج بدل ادا کرنا ضروری ہے۔

۴۔ ایک اعرابی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا، میری بیوی کے بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ کالا ہے اس پر مجھے شک ہے آپ نے فرمایا، کیا تمہارے یہاں اونٹ ہیں؟ عرض کیا ہاں، آپ نے فرمایا ان کے رنگ کیا ہیں؟ عرض کیا سرخ۔ آپؐ نے پھر فرمایا کیا اس میں کچھ خاکی رنگ کے بھی ہیں؟ عرض کیا ہاں۔ آپؐ نے فرمایا، یہ خاکی رنگ کہاں سے آگیا؟ عرض کیا ممکن ہے کوئی رگ کھینچ کر آگئی ہو۔ آپ نے فرمایا یہی حال اس لڑکے کا ہے [3]

---

[1] رواہ احمد [2] مشکوٰۃ شریف [3] رواہ ابوداؤد

۵۔ حضرت عمر رض نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رض کو جو ہدایت نامہ ارسال فرمایا تھا (جو گذشتہ سطور میں درج ہے) اس میں مذکور ہے:

وہ بات جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں نہ ہو اور تمہارے دل میں کھٹکتی ہو اسے اچھی طرح سمجھو! اور پھر اس کے مشابہ احکام و نظائر کو معلوم کرو اور ان پر اس کو قیاس کرو اور جو بات اللہ اور حق و صداقت کے زیادہ قریب ہو اسکو اختیار کرو [1]۔

۶۔ حضرت عمر رض کے سامنے ایک معاملہ پیش ہوا ایک آدمی کو اس کی سوتیلی ماں اور آشنا نے قتل کر دیا تھا حضرت عمر رض نے حضرت علی رض سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا اگر کئی آدمی ذبح شدہ اونٹ کے چرانے میں اس طرح شریک ہوں کہ ہر ایک، ایک ایک عضو چرا لے جائے تو کیا آپ ان سب کے ہاتھ کاٹیں گے؟ حضرت عمر رض نے فرمایا ہاں! ۔ حضرت علی رض نے جواب دیا ایسے ہی یہ معاملہ ہے اس پر حضرت عمر رض نے اپنے عامل کو لکھ بھیجا کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے [2]

بہرحال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رض سے قیاس ثابت ہے جب حضرات صحابہ رض کو قرآن و سنت میں کوئی فیصلہ نہ ملتا تو وہ کسی نص یا سنت یا متفق علیہ معاملہ کے علل اور وجوہ پر پیش آمدہ واقعہ کو قیاس کرتے اور اس کا فیصلہ کرتے اور اس کی بہت مثالیں ہیں علامہ ابن قیم نے ابن دقیق العید کی طرف منسوب کرتے ہوئے حضرات صحابہ رض کا قیاس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رض کے قیاسات جن اصول کے تحت ہوتے تھے وہ بہت واضح تھے مثلاً۔

ا۔ نہ تو کسی کو نقصان ہو اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچایا جائے
ب۔ مشتبہ چیزوں سے ہٹ کر غیر مشتبہ چیزوں کو اختیار کرو۔

۱۔ ۱/۸۴   ۲۔ ایضاً

ج۔ لوگوں کو فائدہ پہونچایا جائے اور انہیں نقصان سے بچایا جائے[1]

یعنی جن چیزوں سے انسانوں کے لئے خیر ہو اور دنیا میں امن وسکون قائم ہوتا ہو لوگوں کی مضرتیں ختم ہوتی ہوں ان چیزوں کو ملحوظ رکھا جاتا تھا خیر القرون کے بعد قیاس کے لئے حدود اور بنیادیں مقرر کردی گئیں

قیاس کی تعریف اور مثالیں

قیاس کے معنیٰ تقدیر کے ہیں لیکن فقہاء کی اصطلاح میں اس کی مختلف تعریفیں ہیں علماء احناف کے نزدیک بھی اس کی تعریف میں مختلف عبارتیں منقول ہیں

ا۔ کسی علت کی وجہ سے اصل کے حکم کو فرع کی طرف متعدی کرنا (اصول الشاشی)

ب۔ حکم اور علت میں فرع کو اصل کے ساتھ اندازہ کرنا (المنار)

ج۔ فرع کے لئے اصل کا حکم لینا۔ (حسامی)

ہمارے نزدیک یہ سب لفظی نزاع ہے جس سے نفس مقصد پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ پیش آمدہ معاملہ میں (جس کا کتاب وسنت میں صراحتاً کوئی حکم موجود نہیں ہے اور اجمالی حکم ہے) کوئی علت مشترکہ تلاش کرکے حکم دیا جائے گا جیسا مندرجہ بالا احادیث اور آثار میں گذر چکا ہے کہ حج بدل کا حکم، قرضہ پر قیاس کیا ہے جسطرح میت کے قرضہ کی ادائیگی وارثوں کے ذمہ ہے اسی طرح سے حج بھی اللہ تعالیٰ کا ایک قرضہ ہے جو میت پر واجب ہے۔ وعلیٰ ہذا

ا۔ حضرت عمرؓ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:۔۔۔ یارسول اللہ! میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے لیا؟۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم روزہ کی حالت میں کلی کرو تو کیا ہو؟۔ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کوئی حرج نہیں ہے آپ نے فرمایا یہی بات یہاں ہے اس واقعہ میں بوسہ لینے کو منہ میں پانی ڈالنے کے ہم معنیٰ قرار دیا ہے

---

[1] ص ۱۵۱ پر تفصیلی کلام آئے گا

ب ۔ حضرت عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو، جو کے بدلے، کھجوریں کھجوروں کے بدلے نمک نمک کے بدلے یکساں اور برابر برابر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوں۔

اذا اختلف هذه الاصناف — جب دونوں چیز مختلف ہوں تو

فبيعوا كيف شئتم اذا كان — جیسے چاہو فروخت کرو! جب کہ

يدا بيد (مسلم) — ہاتھوں ہاتھ ہوں۔

حضرت ابن عمر رض اور حضرت ابن مسعود رض نے اس حدیث میں یہ بھی روایت کیا ہے

الفضل الربوا — زیادتی سود ہے

یعنی کمی زیادتی کی صورت میں سود ہوجائیگا جو حرام ہے اس حدیث کی روشنی میں علماء احناف نے فرمایا ہے کہ علت، اتحاد جنس اور مقدار ہے یعنی مذکورہ بالا چیزیں اصل ہیں ان پر ہی مذکورہ علت کی روشنی میں دوسری چیز کا حکم ہوگا مثلاً ارد ارد کے بدلے، مونگ مونگ کے بدلے، چاول چاول کے بدلے برابر اور یکساں فروخت ہوں کمی زیادتی کی صورت میں حرمت آجائے گی۔

ج ۔ ابن صباغ نے اپنی کتاب "شامل" میں قیس بن طلق بن علیؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ ایک بدوی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر وضو کرنے کے بعد کوئی آدمی اپنے ذکر کو چھولے؟ (یعنی کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا) آپ نے فرمایا وہ تیرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے۔ یعنی ذکر بھی دوسرے اعضاء انسانی کی طرح ہے جس طرح ناک، کان، انگلی وغیرہ کو چھونے سے وضو نہ ٹوٹے گا اسی طرح ذکر کے چھونے سے بھی وضو نہ ٹوٹے گا۔

د۔ حضرت ابن مسعود رضؓ سے دریافت کیا گیا۔ ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کیا اور نکاح میں مہر مقرر نہیں ہوا تھا وہ آدمی اس عورت سے صحبت کرنے سے پہلے ہی مرگیا تو کیا اس کے لئے مہر ہے۔ حضرت ابن مسعود رضؓ نے ایک مہینہ کی مہلت طلب کی اور مہینہ بھر کے بعد فرمایا: اگر جواب درست ہے تو من جانب اللہ ہے اور اگر میں نے اس میں خطا کی تو یہ میرے نفس ہی کی کوتاہی ہے (فرمایا) اس کے لئے مہر مثل ہے نہ کم نہ زیادہ [1]

یہ فیصلہ سنکر حضرت معقل بن یسار رضؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یہی فیصلہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روع بنت واشق اشجعی کے بارے میں کیا تھا یہ سنکر حضرت ابن مسعود رضؓ اتنے خوش ہوئے کہ جب سے مسلمان ہوئے تھے کبھی خوش نہیں ہوئے تھے کیونکہ ان کا فیصلہ حضور م کے فیصلہ کے مطابق تھا" اس حدیث کو بیہقی نے صحیح قرار دیا ہے اور ابوداؤد نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے تنسیق النظام میں اس حدیث کے تمام طرق مذکور ہیں [2]

حنفیہ کے نزدیک دو وجہ سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے وطی اور موت [3] کیونکہ دونوں صورتوں میں عورت کی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہے۔ موت پر کسی کا اختیار نہیں ہے اور عورت کو اگر مہر سے محروم کر دیا جائے یا نصف مہر دلایا جائے تو بلا اس کی کوتاہی کے اس کا ضرر ہے اور اسلام کسی کا ضرر نہیں چاہتا۔

یہ چیز حضرت ابن مسعود رضؓ کے قیاس تک تھی لیکن اب چونکہ حدیث اور اثر صحابی رضؓ موجود ہے اس لئے یہ مسئلہ منصوصہ ہے مسئلہ قیاسیہ نہیں ہے

قیاس کے لئے شرائط

قیاس کے درست ہونے کے لئے پانچ شرائط ہیں۔

---

[1] اصول الشاشی فتح القدیر، مسند امام اعظم۔ [2] تنسیق النظام ص ۱۵۰ ج ۱
[3] کنز الدقائق باب المہر۔

۱ ـــ قیاس کسی نص کے مقابلہ میں نہ ہو۔

۲ ـــ قیاس کی وجہ سے کسی نص کا حکم متغیر نہ ہو

۳ ـــ جس چیز پر قیاس کیا گیا ہے وہ چیز قیاس سے ثابت نہ ہو بلکہ کسی نص سے ثابت ہو

۴ ـــ قیاس میں کسی امر لغوی کو علت نہ بنایا گیا ہو بلکہ علت شرعی کو بنیاد بنایا گیا ہو۔

۵ ـــ جو چیز قیاس سے ثابت کی جا رہی ہو (فرع) وہ منصوص علیہ نہ ہو۔

(۱) ـــ پہلی شرط کی مثال یہ ہے کہ حسن بن زیاد سے نماز میں قہقہہ کے بارے میں دریافت کیا گیا کیونکہ (وہ نماز میں ناقض وضو ہے جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہے) فرمایا اس سے وضو ٹوٹ جائیگا۔ سائل نے کہا اگر کوئی آدمی حالت صلوٰۃ میں محصنہ کو تہمت لگا دے تو اس سے وضو کیوں نہیں ٹوٹیگا؟ جب کہ قذف قہقہہ سے زیادہ قبیح ہے۔" یعنی قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ وضو ٹوٹ جانا چاہیئے مگر یہ قیاس نص کے مقابلہ میں ہے اس لئے درست نہیں ہے اسی طرح عورت بلا محرم کے حج کو نہیں جا سکتی۔ اگر کہا جائے کہ چند معتبر عورتیں ساتھ ہو جائیں تو جائز ہونا چاہیئے جیسا کہ امام شافعی یہ فرماتے ہیں کیونکہ دونوں صورتوں میں علت مشترکہ، فتنہ میں واقع ہونے کا احتمال نہیں ہے کیونکہ جس وجہ سے محرم کی ضرورت ہے وہ ضرورت معتبر عورتوں کی وجہ سے پوری ہو جاتی ہے لیکن یہ حکم نص کے مقابلہ میں ہے اس وجہ سے یہ قیاس معتبر نہیں ہے نص یہ ہے۔

لا یحل لامرأۃ تومن باللہ	جو عورت اللہ اور یوم آخرت
والیوم الآخر ان تسافر	پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے تین
ثلثۃ ایام ولیالیھا الا و	دن رات کا سفر حلال نہیں ہے الا
معھا ابوھا او زوجھا او	یہ کہ اس کے ساتھ اس کا باپ ہو یا

ذو رحم محرام منہا (رواہ مسلم) — یا شوہر یا اس کا اور کوئی ذی رحم محرم ہو۔

ب۔ دوسری شرط کی مثال یہ ہے امام شافعی رح کا فرمانا ہے کہ جس طرح تیمم میں نیت شرط ہے اسی طرح وضو میں شرط ہے لیکن حنفیہ کہتے ہیں کہ وضو میں نیت شرط نہیں ہے کیونکہ آیت وضو مطلق ہے اس کو مقید کرنا درست نہیں ہے علاوہ ازیں تیمم مٹی سے کیا جاتا ہے اس میں طہوریت نیت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اور پانی میں اصالۃً طہوریت موجود ہے حضرت امام شافعی رح کا قیاس اختیار کر لینے کی وجہ سے نص کا حکم متغیر ہو جاتا ہے۔

ج۔ وضو نبیذ تمر سے چونکہ جائز ہے اس لئے دوسرے شربتوں سے بھی جائز ہونا چاہیئے اس میں تغیر حکم نص ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے نبیذ تمر سے وضو کیا ہے اس پر دوسرے شربتوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ نبیذ تمر سے وضو خلاف قیاس جائز قرار دیا گیا ہے۔

د۔ مسئلہ ہے اگر نماز میں حدث واقع ہو جائے تو بنا جائز ہے اس پر اس مسئلہ کو قیاس نہیں کیا جاتا کہ نماز میں کوئی آدمی نمازی کا سر پھوڑ دے تب بھی بنا جائز ہونا چاہیئے کیونکہ حدث فی الصلوۃ کو خلاف قیاس نص کی وجہ سے بناء کا حکم دیا گیا ہے اس لئے دوسرے معاملہ میں یہ حکم نہیں دیا جا سکتا حدث فی الصلوٰۃ کی نص یہ ہے:

من قاء او رعف او مذی فی صلوٰتہ فلیتوضأ ولیبن علےٰ صلوٰتہا

جس کو نماز میں قے ہو جائے یا نکسیر جاری ہو جائے یا مذی آجائے وہ وضو کرے اور اپنی نماز کی بنا کرے

کیونکہ یہ اسباب غیر اختیاری ہیں ان پر اختیاری اسباب کو قیاس نہیں کیا جا سکتا

س۔ شریعت میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے اس لئے کفن چور کے

بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا کیونکہ دونوں صورتوں میں لغت کے اعتبار سے اگرچہ مال کی چوری پائی جاتی ہے لیکن شریعت میں علت لغوی کا اعتبار نہیں ہے اگر ایسا ہو تو اہل عرب ادھم گھوڑے کو فرس اور سرخ گھوڑے کو کمیت کہتے ہیں مشارکت لغوی کی وجہ سے زنگی اور حبشی کا نام بھی فرس اور کمیت ہونا چاہیئے تھا اس طرح یہ نہایت غیر معقول اور مضحکہ خیز معاملہ ہوتا اس لئے علت شرعی کا اعتبار ہے علت لغوی کا اعتبار نہیں ہے یہ بات دیگر ہے کہ کفن چور کو دوسری سزا سیاستہً اور انتظاماً دی جائیگی نہ کہ نص پر قیاس کرنے کی وجہ سے [۱]

س ۔ پانچویں شرط کی مثال یہ ہے کہ کفارۂ یمین اور کفارۂ ظہار میں جائز ہے کہ کافر غلام آزاد کر دیا جائے یا مومن غلام آزاد کر دیا جائے امام شافعی رح نے فرمایا ہے ان دونوں میں بھی (رقبہ مومنہ) مومن غلام آزاد کیا جائیگا انہوں نے اس کو کفارۂ قتل پر قیاس کیا ہے آیت مبارکہ ہے

فتحریر رقبۃ مومنۃ (الآیۃ) مومن غلام آزاد کیا جائے

یہ قیاس درست نہیں ہے کیونکہ کفارہ یمین اور ظہار میں غلام کے ساتھ مومن و کافر کی قید نہیں ہے اس لئے مطلق کو مقید پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اس شرط کے مطابق اصل مقید منصوص علیہ اور فرع مطلق منصوص علیہ ہے اس شرط کے مطابق یہ قیاس درست نہیں ہے ایسے ہی کفارۂ ظہار میں روزوں کے ذریعہ کفارہ ادا کرنے کے لئے قید ہے کہ وہ قبل مسیس (صحبت) ہوں آیت مبارکہ ہے

فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا — جو غلام نہ پائے تو وطی کرنے سے پہلے دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے۔

لیکن اگر درمیان میں وطی کرلی تو پھر شروع سے روزے رکھنے پڑینگے۔

---

[۱] ہ تفصیل ملاحظہ ہو شرح اصول الشاشی

یہی قید مسکینوں کو کھانا کھلانے میں سمجھنا غلط ہے آیت کریمہ ہے

فمن لم یستطع فاطعام — جو روزوں کی طاقت نہ رکھے وہ

ستین مسکینًا — ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے

یہ آیت مطلق ہے اس میں "من قبل ان یتماسا" کی قید نہیں ہے اس لئے اصل منصوص علیہ مقید ہے اور فرع منصوص علیہ مطلق ہے اور مطلق کو مقید کرنا درست نہیں ہے [۱]

قیاس کی شرائط اور ان کی مثالوں سے یہ ظاہر ہے کہ قیاس محض رائے کا ہی نام نہیں ہے بلکہ قیاس کی بنیاد کتاب وسنت ہی پر ہے مجتہدین کرام اپنے تفقہ، نور بصیرت اور مجتہدانہ فراست کے ذریعہ ان سے مسائل اخذ کرتے ہیں اس لئے اس باب میں ہر ایک آدمی کے اخذ واستنباط کا اعتبار نہیں ہے،

خیال فرمائیے! ان لوگوں کا اجتہاد کس طرح قابل قبول ہو جو صرف موجودہ حالات ہی سے واقف ہیں اور کتاب، سنت اور مزاج اسلام سے واقف نہیں ہیں ایسے ہی ان لوگوں کا قیاس کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ جو صرف کتاب وسنت ہی سے واقف ہیں اور ضروریات اور حالات زمانہ سے بالکل ناواقف ہیں۔ ریڈیو کی خبر، مشینری کے ذبیحہ کے جواز اور عدم جواز کا حکم بیان کرنے کے لئے ضروری ہے کہ علماء جدید اشیاء کے حقائق سے بھی واقف ہوں اور کتاب وسنت پر بھی نظر رکھتے ہوں۔ اس وقت ہی کوئی حکم بیان کیا جا سکتا ہے اس لئے اسلام کی تشکیل جدید کرنے والوں سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ اولاً تو وہ تشکیل کو سمجھیں کہ وہ کیا ہے؟ جو لوگ صرف الفاظ سے تو واقف ہیں معنی سے واقف نہیں حقیقتًا ان کو الفاظ کے استعمال کا بھی حق نہیں ہے الفاظ وہی استعمال کر سکتے ہیں جو معنی سے بھی واقف ہوں اس لئے ایسے الفاظ ہرگز نہ بولو اور وہ کام ہرگز نہ کرو جس سے تم واقف نہ ہو ایسا کرنا پاگل پن کی علامت ہے

---

[۱] اصول الشاشی

قیاس کے متعلق ضروری امور

اس جگہ ان چیزوں کو بیان کیا جارہا ہے جن کی قیاس میں بہت ضرورت پیش آتی ہے اور یہ امور مجتہد کے اجتہاد کے لئے بہت معین اور مفید ہیں۔ اس لئے فقہاء کرام نے بیان فرمایا ہے: کوئی حکم دینے کے لئے چار چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے

۱۔ **سبب**۔ سبب لغت کے اعتبار سے وہ ہے جس کے ذریعہ مقصود تک پہونچا جاتا ہے اس لئے سبب راستہ کو بھی کہتے ہیں لیکن فقہاء کی اصطلاح میں سبب حقیقی وہ ہے جو کسی حکم کا راستہ بتلائے اور اس کا تعلق وجودِ حکم اور وجوبِ حکم سے نہ ہو کیونکہ وجوب حکم علت کے ذریعہ اور وجود حکم شرط کے ذریعہ سے ہوتا ہے البتہ یہ بات ضرور ہے کہ علت سبب اور حکم کے درمیان ہوتی ہے مثلاً چور کو چوری کرنے کے لئے سراغ رسانی کرنا۔ اور اگر کوئی سبب ایسا ہے کہ اس کے حکم میں علت بھی موجود ہے تو اس سبب کا نام "وہ سبب جسمیں علت کے معنی ہوں" ہوگا اس طرح سبب کی چار قسم ہو جائینگی

۱۔ سبب حقیقی، ۲ سبب مجازی۔ وہ سبب جسمیں علت کا شبہ ہو۔ وہ سبب جس میں علت کے معنی ہوں۔

۲۔ **علت**۔ علت لغت میں وہ ہے کہ جس کی وجہ سے محل کا وصف بدل جائے جیسے کہ مرض انسان کی قوت کو ضعف میں بدل دیتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علت وہ ہے جو ذات یا صفت میں موثر ہو لیکن شریعت میں علت اس چیز کا نام ہے کہ ابتدائً وجوب حکم جسکی طرف منسوب ہو جیسے بیع

ملکیت کے لئے علت ہے اور نکاح منکوحہ کے حلال ہونے کے لئے علت ہے اور قتل قصاص کے لئے علت ہے فقہاء کرام نے علت کے لئے تین چیزیں ملحوظ رکھی ہیں۔

ا۔ وہ کسی حکم کے لئے ہو اور حکم اس علت کی طرف بلا واسطہ کے منسوب ہو جیسے ذی رحم محرم ہونا یہ ایسی علت ہے کہ ایسے غلام کو خریدتے ہی (جو ذی رحم محرم ہے) غلام آزاد ہو جائیگا۔ خریدنا ہی اس کی آزادی کے لئے علت ہے اس میں یہ واسطہ نہیں ہے کہ خریدنے کے بعد زبان سے "آزاد کیا" بولے تب ہی آزاد ہوگا۔ یہ علت صرف نام کے اعتبار سے ہے

ب۔ علت اثبات حکم کے لئے مؤثر ہو۔ یہ علت معنی کے اعتبار سے ہے۔

ج۔ علت کے پائے جاتے ہی حکم پایا جائے یہ علت حکم کے اعتبار سے ہے

جس علت میں یہ تینوں چیزیں ہونگی وہی علت کاملہ ہے ورنہ علتِ ناقصہ ہے۔

۳۔ شرط۔ شرط کے معنی لغت میں علامت کے ہیں لیکن شریعت میں شرط اس کو کہتے ہیں جس کے وجود کی طرف حکم منسوب ہو یعنی جس پر کسی چیز کا وجود موقوف ہو فقہاء نے شرط کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔ شرط محض، ۲۔ وہ شرط جسمیں علت کے معنی ہوں، ۳۔ وہ شرط جو تابع ہونے کی وجہ سے شرط ہو، ۴۔ وہ شرط جو مجازاً شرط ہو، ۵۔ وہ شرط جس میں علامت کے معنی ہوں۔

شرط کی ان پانچ قسموں میں دو استثنائی صورتیں بھی بنتی ہیں۔

ا۔ جہاں علت حکم بننے کی صلاحیت رکھتی ہو تو وہاں حکم میں شرط کا لحاظ نہ ہوگا مثلاً کسی آدمی نے اپنی بیوی کو کہا: "اگر تو فلاں گھر میں گئی تو تجھے طلاق" یہ مسئلہ طلاق کو معلق کرنے کا ہے اسکو حضرات فقہاء یمین بھی کہتے ہیں بہر حال چند آدمیوں نے قاضی کی عدالت میں گواہی دی کہ فلاں آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق معلق دی ہے پھر چند آدمیوں نے اس عورت کے گھر میں

داخل ہونے یعنی وجودِ شرط کی گواہی دی قاضی نے حکم دیدیا کہ طلاق ہوگئی،
مہر واجب ہوگیا وغیرہ۔ اس کے بعد دونوں قسم کے گواہوں نے رجوع کرلیا
تو اس جگہ ضمانِ مہر، علت والے گواہوں (یعنی شہودِ یمین) پر ہوگا کیونکہ وقوعِ
طلاق کے لئے وہی علت ہے یعنی تعلیقِ طلاق علت ہے نہ کہ گھر میں داخل ہونا۔
ب ـ علت اور سبب اگر جمع ہوجائیں تو سبب کا حکم ساقط ہوجائیگا مثلاً دو
گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دیدیا۔
پھر دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس عورت نے اس اختیار کو استعمال کرلیا یعنی
اپنے اوپر طلاق واقع کرلی قاضی کے فیصلہ کے بعد دونوں قسم کے گواہوں نے رجوع
کرلیا تو ضمان اختیار والے گواہوں پر آئیگا نہ کہ پہلے گواہوں پر۔ کیونکہ پہلے گواہ
سبب کو ثابت کرتے ہیں اور دوسرے گواہ علت کو تو جس طرح شرط والے
گواہ ساقط تھے ایسے ہی یہاں سبب والے گواہ ساقط ہیں۔

۴ـ علامت۔ علامت کے معنی لغت کے اعتبار سے نشان کے
ہیں جیسے منارہ مسجد کے لئے علامت ہے اور میل یا کلومیٹر کے نشان
راستہ کی علامت ہیں لیکن اصطلاحِ فقہاء میں علامت وہ ہے جو وجودِ حکم
کو بتلائے کبھی شرط کو بھی مجازاً علامت کہہ دیتے ہیں مثلاً احصان (شادی شدہ
ہونا) حکمِ رجم کے لئے بابِ زنا میں علامت ہے اور مجازاً شرط بھی ہے لہذا
گواہوں کے رجوع کی صورت میں احصان والے گواہوں پر ضمان نہ ہوگا بلکہ
یہ دیت اور ضمان زنا کے شاہدوں پر ہوگی کیونکہ علتِ رجم وہی ہیں

عقل کا بیان

عقل کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ علت موجبہ ہے یا نہیں؟ معتزلہ نے اس کو علت موجبہ بلکہ تمام علتوں سے بڑھ کر علت قرار دیا ہے اور حضرات اشعریہ نے اسکا بالکل اعتبار نہیں کیا ہے لہذا ان کا کہنا ہے کہ جس آدمی کو دعوت اسلام نہ پہونچی اور وہ شرک پر ہی مرگیا تو وہ معذور ہے۔ یہ حضرات اس آیت سے استدلال کرتے ہیں

وما کنا معذبین حتی	اور جب تک ہم کسی رسول کو نہ مبعوث کریں
نبعث رسولا۔ الآیۃ	اسوقت تک عذاب نہ دینگے۔

حضرات حنفیہ نے افراط اور تفریط کے درمیان کی راہ اختیار کی ہے ان کا کہنا ہے کہ عقل اثبات اہلیت کے لئے ہے ایسا نہیں کہ عقل ہی علت موجبہ ہو اور ایسا بھی نہیں ہے کہ عقل کا بالکل اعتبار نہ کیا جائے اور اس آیت مبارکہ کے بارے میں کہا ہے کہ دعوت رسول کے بعد کچھ مہلت اور غور وفکر کی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی آدمی کو دعوت نہ پہونچی اور اس پر تجربات اور مشاہدات کا زمانہ گذر گیا اور پھر بھی وہ مشرک بنا رہا اور اسی پر مرگیا تو وہ معذور نہیں ہے حنفیہ حضرات کے نزدیک۔ تجربہ اور مشاہدات کا وقفہ قائمقام دعوت کے ہیں اس لئے حضرات حنفیہ نے فرمایا ہے،

جس آدمی کو دعوت دین نہ پہونچی ہو وہ محض عقل کی وجہ سے غیر مکلف ہے وہ جب تک ایمان اور کفر کو نہ جانتا ہو اور کسی چیز پر اعتقاد نہ رکھتا ہو معذور۔ (حسامی)

اسی وجہ سے حنفیہ نے بچہ کو ایمان کا مکلف قرار نہیں دیا جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے

رفع القلم عن ثلث عن	تین پر سے قلم اٹھا دیا گیا ہے
النائم حتی استیقظ وعن	سونے والا جب تک بیدار ہو جائے
الصبی حتی یبلغ وعن المعتوہ	جب تک بالغ ہو بیوقوف جب
حتی یعقل. رواہ ترمذی	تک سمجھدار ہو اس حدیث کو ترمذی
ابوداؤد، ابن ماجہ وصححہ	ابوداؤد، ابن ماجہ نے روایت کیا ہے
الحاکم	اور حاکم نے اسکو صحیح قرار دیا ہے

لیکن بچہ اگر ایمان لے آئے تو اس کا اعتبار کر لیا گیا ہے امام ابوحنیفہ رح نے بیوقوف کے بارے میں فرمایا ہے کہ ایک حد تک اسکو تصرفات سے روکا جائیگا اور اسکو شرعاً مجبور قرار دیا جائیگا اور جب اس میں سمجھ بوجھ کی علامات پائی جائینگی یعنی امتحان اور تجربہ سے ثابت ہو جائیگا کہ اس میں سمجھ آگئی ہے تو اس کا مال اس کے سپرد کر دیا جائیگا قرآن پاک کی آیت مبارکہ ہے

فان آنستم منھم رشداً	جب تم ان میں کچھ محسوس کرنے لگو تو
فادفعوا الیھم اموالھم (الآیۃ)	انکے مال ان کے سپرد کر دو

حنفیہ نے اس کی آخری حد ۲۵ سال مقرر کی ہے اس سے زیادہ اس پر پابندی نہ لگائی جائے گی[1] بہرحال عقل علت موجبہ نہیں ہے بلکہ اثبات اہلیت کے لئے ہے۔

اہلیت اور اس کی تقسیم

اہلیت کے معنی صلاحیت کے ہیں اور یہ وہ امانت ہے جو انسان کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے

---

[1] شرح الحسامی ص ۔ اطباء نے انسان کی عمر طبعی ۶۳ سال قرار دیکر اس کے ۹ دور قرار دئے ہیں ہر دور سات سال کا مقرر کیا ہے اور بتلایا ہے کہ ہر سات سالہ دور میں انسان کے جسم اور اسکی عقل و شعور میں نمایاں تبدیلی ہوتی ہے (سدیدی)

وحملها الانسان الآیۃ اور اٹھالیا اس کو انسان نے

تمام احکامات تکلیفیہ اور حقوق کا مدار انسان کی اسی صلاحیت اور اہلیت پر ہے اس کی دو قسمیں ہیں "اہلیت وجوب" اور "اہلیت ادا"

۱۔ اہلیت وجوب: وہ اہلیت ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کو ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے

۲۔ اہلیت ادا: وہ اہلیت ہے کہ آدمی فعل کی ادائیگی کے قابل ہو اور ان دونوں میں فرق ظاہر ہے اللہ تعالے نے ارشاد فرمایا ہے

واذاخذ ربک من بنی	جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی پشت
آدم من ظهورهم ذریتهم	سے ان کی اولاد کو لیا اور ان کو
واشهدهم علی انفسهم	ان کے نفسوں پر گواہ بنایا (اور فرمایا)
الست بربکم قالوا بلیٰ	کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں بولے
شهدنا الآیۃ	ہاں ہم گواہ ہیں

یعنی یہ اہلیت اور صلاحیت انسان میں روز اول ہی سے ہے۔ دنیا میں آکر اس صلاحیت اور اہلیت کا ظہور ہوا ہے اور اہلیت کے ظاہر ہونے کے بعد متصلاً ہی اہلیت ادا ہے یہی وجہ ہے ہر آدمی روز اول سے ایمان لانے کا مکلف ہے کیونکہ اس میں اہلیت وجوب موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ کافر ایمان لانے سے پہلے شریعت کا مکلف نہیں ہے۔ ایمان کے بعد شریعت کا مکلف ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہلیت وجوب کی وجہ سے بچہ کے ایمان کا اعتبار ہے اس کے بالغ ہوتے ہی اہلیت ادا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے البتہ بچہ پر ایمان لانا واجب نہیں ہے کیونکہ ابھی اہلیت ادا پیدا نہیں ہوئی ہے اس جگہ فقہاء کرام نے بے شمار مسائل بیان کئے ہیں جس کی یہ کتاب گنجائش نہیں رکھتی جس کا جی چاہے اصول فقہ کی بڑی کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

حقوق کا بیان

چونکہ اہلیت وجوب اور اہلیت ادا سے حقوق کے وجوب اور ادا کا تعلق ہے اس وجہ سے حقوق کو اس جگہ بیان کیا جارہا ہے۔ حقوق بالفاظ دیگر فرائض کا نام ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ جو چیزیں انسانوں کی طرف منسوب ہو جائیں وہ حقوق ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوں وہ فرائض ہیں یعنی صرف لفظی ہے۔ اس طرح حقوق کی چار قسم ہیں۔

۱۔ خالص حقوق اللہ تعالےٰ

۲۔ خالص حقوق العباد

۳۔ وہ حقوق جنمیں دونوں حق ہوں لیکن حق اللہ تعالیٰ غالب ہو

۴۔ وہ حقوق جنمیں دونوں حق ہوں لیکن حق العباد غالب ہو۔

۱۔ حق اللہ تعالیٰ خالص: وہ حق جس میں رخصت اور رعایت منجانب اللہ تعالےٰ آئی ہو انسان کا اس میں کوئی دخل نہ ہو جیسے تعظیم بیت اللہ تعالیٰ، حد زنا وغیرہ۔

۲۔ حق العبد خالص:۔ وہ ہے کہ جس میں رعایت اور رخصت من جانب العبد ہو اور اس کا نفع اور نقصان انسان سے تعلق رکھتا ہو جیسے مال غیر کی حرمت یہ حرمت بلا کالک کی اجازت کے ختم نہ ہوگی

۳۔ وہ حق جس میں حق اللہ غالب ہو جیسے "حد قذف" یعنی کسی کو زنا کی تہمت لگا دینا اور زنا ثابت نہ ہونے کی صورت میں اس پر حد لگائی جاتی ہے اس کو حد قذف کہتے ہیں اس میں حق اللہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور حق عبد اس وجہ سے ہے کہ زنا انسان کے لئے باعث عار اور ذلت ہے لیکن حق اللہ اس میں غالب ہے کیونکہ مقذوف کی معافی سے یہ حد معاف نہ ہوگی اور اس میں وراثت بھی جاری نہ ہوگی۔ امام شافعی رح

نے اس میں حق عبد کو غالب مانا ہے. یہی وجہ ہے کہ وہ معافی اور وراثت کو جائز قرار دیتے ہیں

۴ــ وہ حق جس میں بندے کا حق غالب ہو جیسے قصاص. اس میں حق اللہ تعالےٰ یہ ہے کہ دنیا کو فساد اور بدامنی سے بچانا مقصود ہے اور حق عبد جنایت اور جرمانہ کا واقع ہونا ہے لیکن اس میں حق عبد غالب ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں معافی اور وراثت جاری ہوتے ہیں اور مال بھی بدلہ میں چلتا ہے۔

اقسام حقوق اللہ تعالیٰ

۱ــ عبادات خالصہ: جس میں عقوبت و سزا نہ ہو جیسے ایمان، نماز، زکوٰۃ روزہ، حج، جہاد۔

۲ــ عقوبات کاملہ جیسے حدود

۳ــ عقوبات قاصرہ۔ جیسے قتل کی وجہ سے کسی کو میراث سے محروم کر دینا

۴ــ وہ حقوق جو عبادت بھی ہیں اور عقوبت بھی ہیں جیسے کفارات مثلاً روزہ، صدقہ اور اعتاق کے ذریعہ ادا ہوتے ہیں اور ان کا عبادت ہونا ظاہر ہے اور یہ ان ہی پر واجب ہوتے ہیں جن میں اہلیت ہے اور چونکہ ان میں ایک قسم کی محنت اور مشقت بھی ہے اس وجہ سے عقوبت ہیں

۵ــ وہ عبادت جن میں محنت ہے جیسے صدقۃ الفطر اس کے لئے کمال درجہ کی اہلیت شرط نہیں ہے یعنی عاقل، بالغ ہونا ضروری نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ نابالغ کی طرف سے بھی ادا کیا جاتا ہے۔

۶ــ وہ محنت جس میں ثواب اور قربت ہے جیسے ادائیگی عشر، عبادت کی حیثیت ہونے کی وجہ سے عشر کافر پر واجب نہیں ہے۔

۷ــ وہ محنت جس میں سزا ہے جیسے خراج۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان پر واجب نہیں

ہوتا ہے۔

۸۔ وہ حق جو قائم بنفسہٖ ہو جیسے مال غنیمت اور معدن کا خمس (پانچواں حصہ)

"حقوق العباد" کے اقسام بے شمار ہیں بلکہ ان کے علاوہ جسقدر حقوق ہیں وہ سب حقوق العباد ہیں

عوارضات کا بیان

چونکہ ادائیگی حقوق اور اہلیتِ ادا میں عوارضات پیش آتے رہتے ہیں اس لئے ان کو بیان کیا جاتا ہے اس کی دو قسم ہیں۔

عارضہ سماوی - عارضہ کسبی

عارضہ سماوی :- وہ ہے جو شارع کی جانب سے ہو بندے کے کسب کا اس میں دخل نہ ہو۔ اور عارضہ کسبی اس کی ضد ہے۔ عارضہ سماوی گیارہ ہیں صغر، جنون، بدحواس (عتہ) ہونا، نسیان، نیند، اغما یا بے ہوشی، رقیت (غلامی)، مرض، حیض، نفاس، موت۔

عوارض کسبی دو ہیں:

۱۔ وہ عوارض جو انسان نے خود پیدا کئے ہیں کسی دوسرے کا اس میں دخل نہیں جیسے جہل، سفر، نشہ، معزل، خطا، حمق۔

۲۔ وہ عوارض جو کسی دوسرے نے پیدا کر دئے ہوں جیسے اکراہ، اس طرح دونوں کسبی عوارض سات طرح کے ہوئے جن کو شمار کرا دیا گیا ہے۔ اب ہر ایک کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے

عوارضات سماوی

۱۔ جنون۔ ایک مرض کا نام ہے جو دماغ میں پیدا ہوتا ہے اعضاء انسانی اور قویٰ انسانی میں بلا کسی فتور خلاف عقل اقوال وافعال کا اس مرض میں صدور ہوتا ہے چنانچہ مجنون کے اقوال غیر معتبر ہوتے ہیں مثلاً مجنون کی طلاق، عتاق، ہبہ وغیرہ کا اعتبار نہیں البتہ مجنون کی کسی حرکت کی وجہ سے اگر دوسرے کا نقصان ہوجائے تو ضمان لازم آئے گا۔ مجنون سے وہ تمام چیزیں ساقط ہوجائینگی جو بالغ سے اعذار کی وجہ سے ساقط ہوجاتی ہیں مثلاً حدود، کفارات، قصاص یہ چیزیں بالغ سے شبہ کی وجہ سے ساقط ہوجاتی ہیں اور ایسے ہی مجنون پر سے روزہ، نماز اور تمام عبادتیں ساقط ہوجاتی ہیں البتہ وہ چیزیں جو حق عبد ہیں اور ادا ہوئے بغیر ساقط نہیں ہوتیں وہ مجنون پر سے بھی ساقط نہیں ہوتیں مثلاً ضمان، اقارب کا نان نفقہ دیت

جنون کی چند قسمیں ہیں ممتد اور غیر ممتد، ان میں سے ہر ایک کی دو قسم ہیں اصلی اور طاری۔ جنون اصلی وہ جنون ہے کہ بچہ بالغ ہونے سے پہلے ہی مجنون تھا اور طاری یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد جنون ہوا۔

امام شافعی صاحبؒ کے نزدیک جنون کی تمام اقسام نفس وجوب کو مانع ہیں اور حنفیہ کے نزدیک وجوب ادا کو مانع ہیں البتہ مجنون کے ایمان اور ارتداد کا اعتبار اس کے ماں باپ کے اعتبار سے ہوگا اگر وہ مومن ہیں تو مجنون بھی مومن اور اگر وہ مرتد ہوگئے تو مجنون بھی مرتد یہ حکم جنون اصلی کے بارے میں ہے۔

جنون ممتد: روزہ میں یہ ہے کہ پورے ماہ مبارک کو گھیر لے اور نماز میں یہ ہے کہ ایک دن رات کامل کو گھیر لے اور زکوٰۃ میں یہ ہے کہ پورے سال کو گھیر لے امام ابو یوسف رح نے آسانی کے لئے سال کا اکثر حصہ مقرر فرمایا ہے۔

۲- صغر۔ بلوغ (یعنی ذی عقل و تمیز) سے پہلی حالت کا نام صغر ہے اور چونکہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو صغر عارض نہیں ہوا تھا اسوجہ سے یہ عارضہ سماویہ میں سے ہے جب بچہ میں کچھ شعور اور عقل پیدا ہونے لگتا ہے اسی قدر اس میں اہلیت وجوب ادا ہو جاتی ہے

عذر صغر (بچپن) کی وجہ سے جو چیزیں قابل معافی (قابل سقوط) ہیں بالغ کے لئے بھی قابل معافی ہوتی ہیں اور وہ صغر کی وجہ سے بھی ساقط رہتی ہیں جیسے تمام عبادات، حدود، کفارات اور تمام ذمہ داریاں اس پر سے ساقط ہوتی ہیں لیکن جن چیزوں میں صغیر کا نفع ہوتا ہے (کیونکہ بچہ حدیث شریف کی روشنی میں قابل رحمت ہے) وہ اگر خود کرے تب بھی صحیح اور دوسرا کرے تب بھی صحیح مثلاً ہبہ اگر بچہ قبول کرلے یا اس کے لئے اس کا ولی قبول کرے صحیح ہے۔

اور چونکہ صغر سبب معافی ہے اس لئے اگر بچہ سے کوئی قتل ہو جائے تو بچہ محروم الارث نہ ہوگا لیکن اس جگہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب بچہ اس صورت میں محروم الارث نہیں ہے تو اگر اس کو کوئی غلام بنالے یا وہ کافر ہو جائے تو اس کو محروم الارث ہونا چاہیئے مگر ایسا نہیں ہے کیونکہ قیت اور کفر اہلیت کے منافی ہیں۔

۳- عتہ۔ حواس مختل کو کہتے ہیں یعنی ایسا آدمی کبھی تو سمجھداری کی باتیں کرتا ہے اور کبھی مجنون کی سی حرکات کرنے لگتا ہے ایسا آدمی تمام احکام میں مثل صبی ذوی العقل کے ہے جیسا کہ صغر کے بیان میں گذر چکا ہے۔

۴- نسیان یعنی بھول، سہو۔ اطباء نے نسیان کا تعارف اس طرح کرایا ہے: "نسیان یاد کی قوت ضعیف پڑ جانے کا نام ہے" اور اہل اصول نے کہا ہے نسیان صورت حاصلہ کا بوقت یاد ذہن میں محفوظ نہ رہنا ہے بہر حال نسیان نفس وجوب کو مانع نہیں ہے اور نہ وجوب ادا کو مانع ہے

یہی وجہ ہے کہ انسان کے ذمہ سے روزہ نماز ساقط نہیں ہوتے ان کی قضا رکرنی پڑتی ہے لیکن جب نسیان غالب ہوجائے تو اس کو قابل معافی قرار دیا ہے مثلاً روزہ۔ اور ذبح کرنے میں تسمیہ پڑھنا، اگر ان میں بھول ہوجائے تو معاف ہے اسی طرح اگر دو رکعت پر بھول کر سلام پھیر دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی حقوق العباد میں نسیان معاف نہیں ہے۔

۵۔ النوم۔ یعنی ایک کیفیت بدنیہ کا نام ہے کہ اس کی وجہ سے حواس ظاہرہ اور باطنہ معطل ہوجاتے ہیں اور آدمی استعمال قدرت سے عاجز ہوجاتا ہے اسی وجہ سے نیند اختیار کے منافی ہے وجوب ادا کے منافی نہیں ہے اسی وجہ سے تاخیر ادا یعنی قضا ذمہ میں رہتی ہے اور چونکہ اختیار کے منافی ہے اس لئے حالتِ نوم کے اقوال معتبر نہیں مثلاً نیند میں طلاق دیدے یا آزاد کردے، مسلمان ہوجائے یا مرتد ہوجائے تو معتبر نہیں ہے

۶۔ اغما۔ بے ہوشی کو کہتے ہیں یہ بھی نیند کی طرح ہے بلکہ نیند سے بھی زیادہ شدید ہے اور چونکہ اغما (بے ہوشی) ایک غیر طبعی چیز ہے اسوجہ سے فقہاء نے اسکو ہر حال میں حدث شمار کیا ہے بخلاف نوم کے کہ وہ نماز میں ہیئت مسنونہ میں حدث نہیں اور غیر ہیئت مسنونہ مثلاً ٹیک لگا نا لیٹنا میں حدث ہے، اسی طرح اغمائے ممتد اور نوم ممتد میں فرق ہے۔ نوم ممتد وجوب کو مانع نہیں ہے اور اغمائے ممتد وجوب کو مانع ہے۔ اسطرح اغمائے غیر ممتد نیند کے مشابہ ہے اور ممتد جنون کے مشابہ ہے۔ اغمائے ممتد نماز کے لئے ایک دن رات ہے اور غیر ممتد اس سے کم چنانچہ اس بارے میں آثار بھی موجود ہیں

۱۔ حضرت علی رضؓ کے جب نیزہ مارا گیا تو وہ چار نمازوں تک بے ہوش رہے جب ان کو ہوش آیا تو انہوں نے قضا نمازوں کو ادا کیا۔

۲۔ حضرت ابن عمرؓ ایک دن رات سے زیادہ بے ہوش رہے تو انہوں نے قضا نمازوں کو ادا نہ کیا۔

۷۔ رقیت۔ غلامی کو کہتے ہیں اور لغت میں ضعیف اور کمزور کو کہتے ہیں غلامی میں چونکہ اختیارات کمزور ہوجاتے ہیں اس وجہ سے عربی میں غلام کو رقیق کہتے ہیں اور شریعت میں یہ عجز (کمزوری) حکمی ہے اس لئے جو ذمہ داریاں اور اختیارات آزاد کے ہیں وہ غلام کے نہیں ہیں مثلاً شہادت ولایت، قضا میں۔ غلام کو شرعًا ان کا اہل نہیں قرار دیا گیا ہے غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوسکتا۔ غلام اپنے تمام تصرفات خرید و فروخت نکاح وغیرہ میں آقا کی اجازت کا تابع ہوتا ہے غلام صرف دو عورتوں سے نکاح کرسکتا ہے بخلاف آزاد کے اور غلام صرف دو طلاق کا مالک ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ باندی کی عدت دو حیض ہے وغیر ذلک۔

۸۔ مرض۔ ضد صحت کا نام ہے جو بدن کو عارض ہوتا ہے۔ اطبار کے نزدیک جنون، اغماء، نسیان سب امراض ہی ہیں لیکن چونکہ وہ عقل پر طاری ہوتے ہیں اور انسان کے اختیارات کو مسلوب کردیتے ہیں اس وجہ سے ان کو علیحدہ ذکر کیا ہے اور مریض جسم سے چونکہ اختیارات ختم نہیں ہوتے اس وجہ سے اس کو علیحدہ بیان کیا ہے۔ اسی فرق کی وجہ سے احکامات میں تبدیلی ہے مثلاً مریض کے تصرفات قولی، فعلی سب قابل اعتبار ہیں اِلّا یہ کہ وہ مرض سبب موت ہوجائے اس لئے حالتِ مرض کے تصرفات مرنے کے بعد منسوخ ہوجائیں گے۔ مثلاً ہبہ، صدقہ، یہ سب وصیت کے حکم میں ہونگے اور اس کے لئے شریعت نے ثلثِ مال تک اس کا اختیار برقرار رکھا ہے اور باقی کو ورثار کا حق قرار دیا ہے۔

۹، ۱۰۔ حیض۔ نفاس۔ یہ دونوں اہلیت وجوب اور اہلیت ادا کو مانع نہیں ہیں لیکن چونکہ صلوۃ اور صوم کے لئے طہارت شرط ہے اسلئے

دونوں حالتوں میں قضا لازم ہے. قیاس اس کا مقتضی ہے کہ جنابت کا بھی روزے کے لئے یہی حکم ہونا چاہیئے اور روزہ کی طرح نماز کی بھی قضاء ذمہ میں ہونا چاہیئے لیکن نصوص کی وجہ سے اس قیاس کو ترک کر دیا گیا ہے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

ا۔ "فاطمہ بنت قیسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عورت ہوں استحاضہ آتا ہے کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا نہیں. یہ پسینہ کی طرح ہے حیض نہیں ہے۔ جب حیض آئے نماز چھوڑ دیا کرو اور جب ختم ہو جائے غسل کر کے نماز پڑھ لیا کرو۔"

ترمذی نے روایت کیا ہے۔

۲۔ "حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا، ہمیں حیض آتا تھا جب میں حیض سے پاک ہوتی تو آپ روزہ کی قضا کا حکم فرماتے اور نماز کی قضا کا حکم نہ فرماتے۔"

(۱) ان نصوص سے معلوم ہوا کہ روزہ کے لئے حیض و نفاس سے پاک ہونا شرط ہے بخلاف جنابت کے وہ مانع صوم نہیں ہے. نص کو صرف مورد نص پر رکھا جائیگا اور دوسرے کو اس پر قیاس نہیں کیا جائیگا۔

ب۔ حیض و نفاس اور جنابت ادائے صلوٰۃ کو مانع ہیں کیونکہ طہارت اس کے لئے بھی شرط ہے لیکن اس کی قضاء کو حرج کی وجہ سے عورتوں پر سے ساقط کر دیا ہے (اس میں تفصیل ہے)

۱۱۔ موت۔ ضد حیات کا نام ہے اور وہ عجز خالص ہے، میت سے متعلق جو احکام ہیں ان کی دو قسم ہیں احکام دنیا اور احکام آخرت. احکام دنیا چار طرح کے ہوتے ہیں:

(۱) وہ احکامات جو باب تکلیف سے ہیں مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ

یہ سب ساقط ہو جاتے ہیں البتہ عدم ادائیگی کی وجہ سے ان کا گناہ باقی رہتا ہے
(۲) وہ احکام جو دوسروں کی ضرورت کی وجہ سے مشروع ہوئے ہیں
(۳) وہ احکام جو ذات میت کے لئے مشروع ہوئے ہیں وہ اس وقت تک باقی رہتے ہیں جب تک ضرورت ہوتی ہے
(۴) وہ احکام جو ورثاء میت کے لئے ہوتے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد معلوم ہونا چاہیئے قسم اول کے سب احکامات ساقط ہو جاتے ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے لیکن بقیہ احکامات اگر وہ کسی ذات سے متعلق ہیں تو اس کا حکم باقی رہتا ہے جیسے رہن، راہن کی وفات سے مرتہن کا حق ختم نہیں ہوتا۔ بائع کی وفات سے مشتری کا حق ختم نہیں ہوتا۔

اور اگر ایسی چیزیں جنکا تعلق محض ذمہ داری یا عہد سے ہے تو وہ ساقط ہو جاتی ہیں امام ابوحنیفہ رحہ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

ان الکفالة بالدین عن	قرضہ کا میت کی طرف سے کفالہ
المیت لا تصح اذا لم یخلف	درست نہیں ہے جبکہ میت نے
مالاً او کفیلاً	کوئی مال یا کفیل نہ چھوڑا ہو

اور احکامات کی چوتھی قسم مثلاً وصیت، مال وراثت، میت کا قرضہ، غسل کفن وغیرہ یہ احکامات باقی رہتے ہیں مثلاً اگر شوہر کا انتقال ہوگیا تو اس کی بیوی اس کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ وہ عدت کے زمانے تک اس کے حق نکاح میں ہے اور اگر بیوی کا انتقال ہوگیا تو شوہر غسل نہیں دے سکتا کیونکہ اثر نکاح باقی نہیں رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک بہن کے مرتے ہی دوسری سے نکاح جائز ہے چوتھی بیوی کے مرتے ہی پانچویں سے نکاح جائز ہے امام شافعی رحہ نے فرمایا ہے اگر بیوی کا انتقال ہو جائے تو شوہر غسل دیسکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضہ سے فرمایا:۔

لو مت لغسلتك — اگر تیرا انتقال ہوگیا تو میں غسل دونگا۔

اس کو احمد ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ایسے ہی ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ حضرت اسمار بنت عمیس نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت فرمائی تھی:

ان یغسلها علی رض — ان کو حضرت علی رض غسل دیں

اس کو دار قطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے اور حضرت اسمار فرماتی ہیں

غسلت انا وعلیؓ فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — میں نے اور علی رض نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا

اس کو ابن ابی شیبہ اور امام احمد رح نے روایت کیا ہے ان احادیث کی رُو سے امام شافعی رح نے فرمایا ہے کہ شوہر بیوی کو غسل دے سکتا ہے لیکن یہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کی تخصیص ہے آپ نے ارشاد فرمایا:۔

کل سبب ونسب ینقطع بالموت الا سببی و نسبی — تمام سبب اور نسب موت سے منقطع ہوجاتے ہیں مگر میرا نسب اور سبب۔

عام قاعدہ وہی ہے جو احناف نے بیان فرمایا ہے۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ (شامی ص۵۷۶ ج ۱)

عوارض کسبی کا بیان

۱ــ جہل۔ اس کی چار قسم ہیں

ا ــ جہل باطل، جیسے کفر یہ آخرت میں عذر نہیں بن سکے گا ــ یاد رکھو! جہالت کفر تک پہونچا دیتی ہے۔

ب ــ اس سے کم درجہ کا جہل مثلاً خدا کی ذات وصفات کے بارے میں جہل جیسا کہ معتزلہ کا جہل ہے یہ بھی جہل باطل ہے اور جیسے باغی کا جہل اور باغی وہ ہے جو امام کی طاعت سے باہر ہو گیا ہو یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ حق پر ہے اور امام باطل پر ہے۔

ج ــ وہ جہل جس میں شبہ ہو۔ یہ جہل اجتہادی جہل کہلاتا ہے

د ــ وہ جہل جس میں عذر ہونے کی صلاحیت ہو۔ مثلاً وہ آدمی جو دارالحرب میں مسلمان ہوا اور شریعت نہ جاننے کا عذر پیش کرے یہ عذر قابل قبول ہے۔

۲ ــ سکر۔ یعنی نشہ یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ مباح جیسے دوا کے طور پر پینا، مکرہ اور مضطر کا نشہ۔ اور غیر مباح یعنی نشہ حرام۔ یہ نشہ اہلیت کو باطل نہیں کرتا ایسے آدمی پر تمام احکامات نافذ ہوتے ہیں اور اس کے تصرفات معتبر مانے جاتے ہیں مثلاً روزہ، نماز وغیرہ سب اس کے ذمہ ہوتے ہیں اس کے تصرفات طلاق اعتاق بیع وشرا سب معتبر ہوتی ہیں البتہ استحساناً اس کے مرتد ہونے کا اعتبار نہیں ہے

۳ ــ الہزل۔ لغت میں لعب کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں الفاظ سے غیر ما وضع لہ مراد لینا یعنی بولنا کچھ اور مراد لینا کچھ، یہ رضا کے منافی نہیں ہے لہذا کوئی اگر ہزل سے مرتد ہو جائے تو اس کو مرتد قرار دیا جائیگا اور اختیار حکم کے منافی ہے لہذا وہ احکام جو رضا پر ثابت ہوتے ہیں ہازلاً ثابت نہ ہونگے موقوف رہیں گے جیسے بیع اجارہ۔ البتہ چند چیزیں ایسی ہیں جو ثابت رہیں گی جیسے نکاح، عتاق، طلاق۔

یمین، نذر، رجعت، قصاص سے معافی۔

۴۔ سفہ۔ بے وقوفی کو کہتے ہیں اور اصطلاح فقہ میں سفیہ وہ آدمی کہلاتا ہے جو خلاف مقتضا عقل مال خرچ کرے۔ بیوقوفی اہلیت کو منافی نہیں ہے اس لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سفیہ محجور نہیں قرار دیا جاتا

۵۔ خطا۔ ضد صواب کا نام ہے خطا حقوق اللہ میں عذر ہے اور قابل معافی ہے جبکہ اجتہادی خطا ہو۔ خطا میں مواخذہ ہوگا یا نہیں اس میں اختلاف ہے معتزلہ نے کہا ہے کہ مواخذہ نہیں ہوگا ہمارے علمار کا کہنا ہے یہ مواخذہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ساقط ہوگیا ہے قرآن پاک میں مذکور ہے

ربنا لا تواخذنا ان — اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا خطا
نسینا او اخطانا الآیۃ — ہوجائے تو مواخذہ نہ فرما۔

لہذا اگر مواخذہ نہ ہوتا تو دعا نہ ہوتی کیونکہ اس میں تحصیل حاصل ہے لہذا خطا حقوق اللہ میں عذر ہے اور عقوبات میں شبہ ہے مثلاً اپنی بیوی جانتے ہوئے خطا سے دوسری عورت سے صحبت کرلی تو حد جاری نہ ہوگی ایسے ہی خطاءً قتل کر دیا تو قصاص نہ لیا جائیگا وغیرہ ذلک

۶۔ سفر۔ قطع مسافت کا نام ہے۔ یہ اہلیت وجوب اور ادا کو منافی نہیں ہے البتہ یہ سبب تخفیف ہے اسکی وجہ سے نماز میں تخفیف ہوجائے گی یعنی چار رکعت والی نمازیں دو رکعت ادا ہونگی تاخیر صوم کی رخصت رہیگی یہ تخفیف رخصت ہے یا عزیمت اور مقدار سفر میں ائمہ کا اختلاف ہے

۷۔ اکراہ۔ یہ بھی اہلیت کو منافی نہیں ہے اس کی دو قسم ہیں

ا۔ اکراہ کامل۔ جو اختیار کو فاسد کردے اور رضا کو ختم کردے جیسے جان مارنے کی دھمکی وغیرہ

ب۔ اکراہ ناقص۔ جو اختیار کو فاسد نہ کرے مثلاً قید کرنیکی دھمکی دونوں قسم کا اکراہ اہلیت کے منافی نہیں ہے۔

مختصراً بیان امور کا صرف تعارف ہی ہے جو مسائل اور احکامات اخذ کرنے کیلئے ضروری ہیں۔ غور فرمائیں جو لوگ ان چیزوں سے مفصلاً واقف نہ ہوں اور مطالبہ کریں اسلام کی تشکیل جدید کا ان کے بارے میں کیا فیصلہ ہے؟

احکاماتِ مشروعہ کا بیان

احکاماتِ مشروعہ دو قسم کے ہیں عزیمت اور رخصت

عزیمت:۔ عزم سے ماخوذ ہے یعنی ارادہ محکم۔ شریعت میں عزیمت اس عمل کو کہتے ہیں کہ جس کا عوارض سے تعلق نہ ہو یعنی جس کا تعلق بندوں کے اعذار سے نہ ہو جیسے سفر کی حالت میں روزہ رکھنا عزیمت ہے

رخصت: وہ ہے کہ جس کا تعلق بندوں کے اعذار سے ہو جیسے کسی عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا۔

اقسامِ عزیمت چار ہیں

فرض۔ واجب۔ سنّت۔ نفل

۱۔۔۔ فرض: فرض گیارہ معنی میں استعمال ہوتا ہے[۱] لیکن شریعت میں جو چیز دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کو فرض کہتے ہیں۔ فرض کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا لازم اور اس پر یقین رکھنا ضروری ہوتا ہے چنانچہ فرض کا منکر کافر ہو جاتا ہے اور بلا عذر کے ترک کرنے والا فاسق مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ[۱]

یہ بھی معلوم رہنا چاہیئے کہ شریعت میں فرض کا اطلاق رکن پر اور رکن کا اطلاق فرض پر بھی ہوتا ہے اور کبھی فرض بول کر واجب مراد لیتے ہیں اور واجب بول کر فرض، اس کا مطلب یہ ہے کہ فرض کی دو قسم ہیں ظنّی اور قطعی اور فرضِ ظنّی سے مراد واجب ہے[۲]

---

[۱] نامی ج۱ ص۱۲۲ [۲] رد المحتار ج۱ ص۶۲ البنایہ ص۲ [۳] البنایہ میں "فرض الوضوء" کے تحت یہ معنی مذکور ہیں

۲۔ واجب۔ وہ ہے جس کا ثبوت دلیل ظنی یعنی خبر احاد سے ہو۔ عمل کے اعتبار سے فرض اور واجب دونوں یکساں ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ فرض کا منکر کافر ہے اور واجب کا منکر کافر نہیں ہے کیونکہ واجب کی دلیل میں شبہ ہوتا ہے۔ مجمل، مؤول، عام مخصوص البعض ..... خبر واحد سے واجب ثابت ہوتا ہے اور یہ دلائل ظنی ہیں صدقۃ الفطر اور قربانی واجبات میں سے ہیں۔

۳۔ سنت۔ سنت کی تعریف میں بہت اختلاف ہے۔ سنت کے معنی سیرت کے بھی ہیں اور سنت مدینہ منورہ کی ایک قسم کی کھجور بھی ہے اور سنت کے معنیٰ طریقہ کے بھی ہیں لیکن مذہبی اعتبار سے

ا۔ اسلام میں وہ طریقہ جسکو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اختیار کیا ہو (نامی)

ب۔ وہ عمل جس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو اور ایک دو مرتبہ کے علاوہ کبھی ترک نہ کیا ہو (محیط)

ج۔ وہ عمل جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو اور عذر کے علاوہ ترک نہ کیا ہو۔ اور ادب یا مستحب وہ ہے کہ جس کو صرف ایک دو مرتبہ کیا ہو (مفید۔ مزید)

د۔ وہ عمل جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو اور اس کے کرنے کا حکم بھی دیا ہو اور اس کے ترک پر ملامت کی جائے (خواہرزادہ)

س۔ وہ طریقہ جس کے کرنے پر ثواب ملے اور ترک پر عتاب ہو نہ کہ عذاب (الرازی)

ص۔ طریقہ مسلوکہ فی الدین کا نام سنت ہے جس کے کرنے پر ثواب اور ترک پر ملامت ہو۔ (اکمل)

شریعت میں سنت کی مثالیں بہت ہیں لیکن بعض سنتیں ایسی ہیں جو ثبوت اور نام کے اعتبار سے تو سنت ہیں لیکن اہمیت کے اعتبار سے

فرض اور واجب کے قریب قریب ہیں جیسے سنت اذان و اقامت ، سنت ختنہ ۔

سنتِ اذان امام محمد رح نے فرمایا ہے اذان واجب ہے اگر کسی بستی والوں نے ترکِ اذان پر اتفاق کر لیا تو ان سے جنگ کی جائے گی اور اگر کسی ایک نے ترک کو کہا تو اس کو مارا جائے گا اور قید کر دیا جائیگا ۔

۲ ــــ محیط اور تحفہ میں امام محمد کا قول ہے کہ اذان فرض کفایہ ہے

۳ ــــ بدائع میں جملہ مشائخ کا قول نقل کیا ہے کہ اذان اور اقامت سنتِ موکدہ ہیں ۔

۴ ــــ امام ابو یوسف رح نے امام ابو حنیفہ رح کا قول نقل کیا ہے کہ اذان اور اقامت سنت موکدہ ہے اور واجب کے درجہ میں ہے اور شعار دین ہے اسی وجہ سے اس کے ترک پر جنگ کی جائے گی ۔

۵ ــــ امام شافعیؒ اور اسحٰق فرماتے ہیں کہ اذان و اقامت سنت ہے

۶ ــــ امام مالکؒ فرماتے ہیں مسجد میں سنت ہے اور غیر مسجد میں مستحب ہے ۔

۷ ــــ ابو علی اصطخری فرماتے ہیں اذان فرض ہے ۔

۸ ــــ امام احمد فرض کفایہ فرماتے ہیں ۔

۹ ــــ مکحول فرماتے ہیں اذان سنت ہدیٰ اور اس کا ترک ضلالہ (گمراہی ہے) اسی وجہ سے جنگ کی جائے گی [1]

۴ ــ **نفل** . نفل کے معنی زائد کے ہیں ۔ یعنی فرض ، واجب ، سنت سے زائد ۔ اس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے پر نہ عتاب ہے نہ عقاب ہے البتہ نفل شروع کر دینے پر اتمام لازم اور واجب ہے اور نفل کو شروع کر دینے کے بعد از خود فاسد کر دینا گناہ ہے قرآن پاک میں مذکور ہے [2]

یا ایہا الذین آمنوا   ایمان والو ! اپنے عمل کو باطل

---

[1] البنایہ ص۵۳ ج۱ [2] ص۵۲ ج۱ نامی ص۱۲ ج۱

لا تبطلوا اعمالکم الآیۃ   نہ کرو۔

اصطلاحی الفاظ مندرجہ بالا احکامات مشروعہ کے لئے چند اصطلاحی الفاظ بولے جاتے ہیں۔

۔۔ یجوز۔ جائز ہے فرض۔ واجب۔ سنت مستحب۔ اولیٰ۔ افضل۔ مباح کے لئے بولا جاتا ہے ان میں سے کوئی ایک معنیٰ اسی عنوان کے تحت قرائن اور دیگر وجوہات اور علامات سے متعین ہو جاتے ہیں جو مادلت اور بصارت علمی سے معلوم ہو جاتے ہیں۔

۔۔ لایجوز۔ جائز نہیں ہے۔ حرام مکروہ تحریمی یکردہ تنزیہی کے لئے بولا جاتا ہے۔

۔۔ لاینبغی۔ مناسب نہیں۔ مندوب کے لئے ینبغی اور غیر مندوب کیلئے لاینبغی بولا جاتا ہے۔

۔۔ لاباس۔ کوئی حرج نہیں۔ مندوب کیلئے بولا جاتا ہے۔

۔۔ اشبہ۔ اس سے مراد اشبہ روایۃً ہے

۔۔ ارجح۔ اس سے مراد ارجح درایۃً ہے

فقہ کی تمام معتبر اور مستند کتابوں میں ان اصطلاحی الفاظ کا استعمال ثرت بلکہ حنفی فقہ کی تمام کتب قدیم میں ان اصطلاحی الفاظ کی بہت ہی ادہ کثرت ہے ایسے حضرات جنکو بصارت علمی حاصل نہیں ہے وہ ان بابوں سے کس طرح اخذ و استنباط کر سکتے ہیں۔

مثلاً کوئی فعل مباح ہے اس کے بارے میں اگر جواب دینے والا یہ ہے کہ "ناجائز" یہ بھی درست ہے۔ اور اگر یہ کہتا ہے کہ "جائز" تو یہ جواب درست ہے کیونکہ پہلی صورت میں مجیب جانب عزیمت کو اختیار کرتے ہوئے ہے اور دوسری صورت میں جانب رخصت کو اختیار کرتے ہوئے جواب ہے۔ یہ بات فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے ملحوظ رکھنی چاہیئے تو اس نے

انشاءاللہ کماحقہ فائدہ ہوگا۔

ان اصطلاحی الفاظ کے معنی متعین کرنے میں اوران کی تشریحات میں فقہاء کرام نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اگر اس پر مبصرانہ نظر نہیں ہے تو پھر مجیب سائل کے جواب میں جانب رخصت یا جانب عزیمت کو ترجیح دینے میں خطا کریگا اس لئے مقنن یا قانون ساز کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام نزاکتوں کو سامنے رکھے۔

ان گذارشات کے بعد اب میں عرض کرتا ہوں کہ اسلام کی تشکیل جدید کرنے والے کہاں کھڑے ہیں؟ ایسے الفاظ استعمال کرو کہ جنکے معنی سے بھی واقفیت ہو اور جن الفاظ کے معنی سے واقفیت نہیں ہے ان کو اگر بولتے ہو تو اہل عقل و خرد آپ کو مجنون کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔
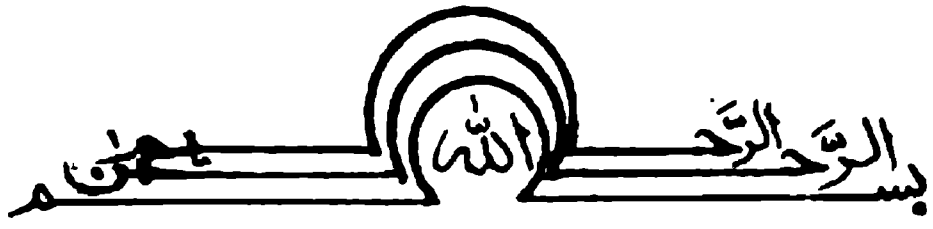
چند علمی مباحث

برطانیہ میں اوقات نماز

مغربی ممالک اور خصوصًا برطانیہ میں بڑھتی ہوئی مسلمانوں کی آبادی کے
بدولت اوقات نماز کا مسئلہ علمار کرام اور مفتیان عظام کی خصوصی توجہ کا مستحق
ہے ۔ ہم امید کرتے ہیں کہ مفتیان عظام اس مسئلہ پر غور وخوض کے بعد یہاں
بسنے والوں کے لیئے دین فطرت کے صحیح آسان اسلامی حل کے ذریعہ مسلمانوں
کے لیئے موقعہ عمل فراہم فرماکر عنداللہ ماجور ہونگے ۔

محکمہ موسمیات اور ہیئت دونوں نے اپنی تحقیق کے مطابق شفق کو تین
درجوں میں تقسیم کیا ہے

۱۔ سول شفق (CIVIL TWILIGHT) چار درجہ والی شفق
۲۔ شفق بحری (NAUTICAL TWILIGHT) بارہ درجہ والی شفق
۳۔ شفق سیت (CASTRONOMICAL TWILIGHT) اٹھارہ درجہ
والی شفق ۔

سول شفق کو احمر سے تعبیر کیا جاتا ہے اس وقت آسمان صاف ہوتا ہے رات
کے آثار کم ہوتے ہیں چند موٹے موٹے تارے دکھائی دیتے ہیں
شفق بحری، اس شفق کو شفق ابیض سے تعبیر کرسکتے ہیں
شفق سیت ، یہ وہ شفق ہے کہ جس کے بعد آسمان پر مکمل تاریکی چھا جاتی ہے
اور چھوٹے چھوٹے تارے بھی دکھائی دیتے ہیں ماہرین فلکیات اس شفق کے بعد
اپنے فنی تجربوں میں لگ جاتے ہیں ۔ شفق کی اس تفصیل کے بعد اسلامی ممالک
نیز ہندوپاک کرۂ ارض پر اندرون ۴۸ عرض البلد پر واقع ہونے کی وجہ سے
وہاں شفق کے غروب میں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے اس لئے ان

ممالک میں عموماً نماز عشاء بعد غروب ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد سال بھر ہوتی ہے مگر برطانیہ اور وہ ممالک جو ۵۴ عرض البلد سے اوپر واقع ہیں وہاں جوں جوں اوپر جانا ہوگا غروب شفق دیر سے ہوگی اور صبح صادق جلدی اسی طرح موسم گرما کے بعض مہینوں اور دنوں میں تو غروب شفق اور ابتدائے صبح صادق میں بالکل فصل نہیں ہوتا ہے اور بعض دنوں میں بہت ہی کم فاصلہ ہوتا ہے جو امید ہے کہ حسب ذیل مثال سے اچھی طرح واضح ہو جائیگا۔

۵۴ عرض البلد (انگلستان کے جس علاقہ میں ہم رہتے ہیں ۲۰ رجون کو طلوع آفتاب اور غروب حسب ذیل ہے

	منٹ	—	گھنٹہ
طلوع آفتاب	۳۵	—	۴
دن کی تعداد	۶	—	۱۷
غروب آفتاب	۴۰	—	۹
غروب شفق بحری	۱۹	—	۱۹
صبح صادق	۵۸	—	۱
درمیانی فاصلہ	۳۸	—	۱

۵۶ عرض البلد (گلاسکو اور اطراف) پر ۲۰ رجون سے ۱۲ رجولائی تک شفق بحری غائب نہیں ہوتی

۵۸ عرض البلد (بالائی اسکاٹ لینڈ، اسٹورناولے) ۲۱ رمئی سے ۲۵ رجولائی تک شفق مذکور غائب نہیں ہوتی ان دنوں ساری رات افق پر اجالا رہتا ہے

(۱) الف ـ مذکورہ حساب کی بناء پر جن مقامات پر یعنی ۵۴ عرض البلد پر جہاں ۱۲/۹ کو شفق غائب ہوتی ہے اور ۴۰/۵ کو طلوع ہوتا ہے ہم ۱۲/۴۰ سے قبل نماز عشاء نہیں پڑھ سکتے اور دوسری طرف فجر کی نماز چار بجے ـ

درمیانی فاصلہ ساڑھے تین گھنٹہ کا رہتا ہے۔ نماز عشار کا یوں مؤخر کرنا ناممکن نہ سہی مگر مشکل ضرور ہے

ب۔ نیز بعض ائمہ کے نزدیک جمع بین الصلوتین سفر اور اعذار کی بنار پر جائز ہے اور اس پر عرب ممالک کے باشندوں کا انگلستان میں عمل ہے تو کیا حنفی مسلک کے لئے اس میں آسانی کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی جو سارے عوام کے لئے قابل عمل ہو

ج۔ تحقیق اوقات کا یہ مسئلہ صرف نمازوں ہی کی حد تک نہیں آئندہ چند سالوں کے بعد رمضان المبارک بھی انہیں مہینوں میں آئے گا تو اس مسئلہ کی اور بھی زیادہ نازک اور سنگین صورت ہوگی، مذکورہ حساب کی بنار پر روزہ تو لمبا ہوگا بعض جگہوں پر ۱۸ گھنٹے ۱۱ منٹ طلوع وغروب آفتاب کا حساب ہوگا، اور جن جگہوں پر ایک گھنٹہ ۲۸ منٹ کا فاصلہ نماز عشا اور فجر صادق کے درمیان رہتا ہے ان کے لئے اس مختصر سے وقت میں نماز عشار، تراویح، سحری وغیرہ کی ادائیگی ناممکن نہ سہی تو مشکل ترین ضرور ہے جس کا ادنیٰ احساس ہر ایک کر سکتا ہے۔

د۔ جو علاقے ۵۶° عرض البلد پر واقع ہیں جہاں ۲۲ دن اور جو علاقے ۵۸°، ۶۰° عرض البلد پر واقع ہیں جہاں ۶۵ دن (دوماہ) تک شفق اور صبح صادق کے درمیان فاصلہ نہیں رہتا روزہ کی ابتدا کب سے ہو نیز نماز عشار اور تراویح کا اختتام کب ہو یہ سمجھ میں نہیں آتا۔

یاد رہے کہ مذکورہ ساری گذارشات عمل کے لئے ہیں اور یہ وہ علاقے ہیں جہاں مسلمان کافی تعداد میں آباد ہیں اور ان کی اچھی خاصی تعداد اسی مسئلہ سے دوچار ہے اس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ مفتیان عظام اس مسئلہ پر بڑی سنجیدگی سے غور فرما کر قابل عمل حل سے ہم دُور افتادوں کو نوازیں گے۔

سوال نمبر ۲: برطانیہ میں مختلف مسلک کے لوگ آباد ہیں کوئی شافعی ہے تو کوئی حنفی ہے تو کوئی اور مسلک کا حنفی حضرات نماز عصر مثلین کے بعد پڑھتے ہیں مثلین اور غروب آفتاب میں سردیوں میں صرف گھنٹہ بھر کا فاصلہ رہتا ہے اور گرمیوں میں ظہر اور عصر کے درمیان کافی فاصلہ رہتا ہے جن شہروں میں غیر حنفی عوام ہوتے ہیں اور امام حنفی ہوتا ہے تو وہاں یہ مسئلہ اور بھی زیادہ قابل بحث ہوتا ہے امام کا اصرار مثلین پر ہوتا ہے اور عوام کا اصرار مثل اولیٰ پر۔ ان کے اصرار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں کی اکثریت کارخانوں میں کام کرتی ہے وہ گرمیوں میں مثل اولیٰ پر نماز ادا کرکے کارخانے کو جا سکتے ہیں اور مثلین کے انتظار تک ان کے کارخانے کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور بعض کارخانوں میں نماز کی ادائیگی بہت مشکل ہوتی ہے نیز کتب فقہ میں اصفرار شمس کے بعد نماز عصر کو مکروہ لکھا ہے اب یہاں کے موسم میں مثلین کے وقت تو کیا اس سے پہلے سورج میں زردی آجاتی ہے اور تمازت تو سارے دن نہیں ہوتی تو کیا ان صورتوں میں نماز عصر کو حنفی المسلک بھی مثل اولیٰ ادا کریں تو نماز صحیح ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال نمبر ۳:۔ برطانیہ کا موسم اتنا غبار آلود ہے کہ یہاں سارے سال میں چاند کی رویت شاذ و نادر ہی ہوتی ہے جس ملک میں کئی کئی دن تک غبار کی وجہ سے آفتاب نظر نہ آتا ہو وہاں چاند کی رویت کا سوال کم پیدا ہوتا ہے جب رویت ہلال کا مسئلہ یوں ہے تو رمضان اور عیدین کے تعین کا مسئلہ بھی ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اور اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے بھی مراسلت کے بعد جناب والا کے آخری استفتاء کے مطابق آج تقریباً تیس سال سے عمل ہو رہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رمضان المبارک کے تعین کے بارے میں تو قریبی ملک مراکش سے بذریعہ فون بات چیت ہونے پر ان کی خبر کے مطابق متعین کیا جاتا ہے اور عید

رمضان کے لئے ملک میں ۲۹ کو چاند ثابت نہ ہو تو ۳۰ روزے پورے کر کے عید منائی جاتی ہے اور عید الاضحی کے لئے عموماً یہاں کے علماء یوں کرتے ہیں کہ ہند و پاک کے خطوط پر یکم ذی الحجہ متعین کر کے اس کے حساب سے عید الاضحی کا تعین بھی ہوتا ہے مگر بادی النظر میں یہ کوئی حل نہیں معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جو صاحب فون کرتے ہیں اگر وہ ملک ہی میں موجود نہ ہوں یا جن کے ساتھ مراکش فون پر بات کی جاتی ہے وہ نہ ہوں ان دونوں صورتوں میں یہ بات بھر دی پریشانی کا باعث ہوگی نیز خطوط والا مسئلہ بھی کسی حد تک صحیح ہو تب بھی مستقل حل نہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں محکمہ موسمیات کے حساب سے تعین رمضان المبارک وعیدین کرتے ہیں تعلیم یافتہ طبقہ خاص کر عرب ممالک کے طلبہ وہ اس کو قبول نہ کرتے ہوئے محکمہ موسمیات کے حساب سے تعین رمضان وعیدین کرتے ہیں تو کیا ان مجبوریوں کی وجہ سے علامہ سبکی رح کی تحقیق کے مطابق محکمہ موسمیات والوں کے حساب کے مطابق زمین سے قابل رویت نہ ہونے پر عید بنا ورمضان کا تعین کیا جائے تو کیا اس کی گنجائش ہے؟

خدا کے فضل سے برطانیہ میں ڈیڑھ لاکھ مسلمان آباد ہیں اور بہت بڑی تعداد میں ان کے بچے ہیں ملک بھر میں ۸۰/۷۰ مساجد قائم ہو گئی ہیں جن میں تراویح نماز پنجگانہ ہو رہی ہے اس لئے اس قسم کے مسائل لائق توجہ اور قابل غور ہیں اس لئے حضرت والا سے صحیح شرعی آسان رہبری کے متوقع ہیں۔

فقط

مدیر خاران

ڈیوزبری (انگلینڈ)

الجواب

۱۔ اقم الصلوٰۃ طرفی النہار وزلفا من اللیل الآیۃ (ہود رکوع ۱۰)

۲۔ اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الیٰ غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہودا (اسرار رکوع ۹)

۳۔ فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموات والارض وعشیا وحین تظہرون (روم رکوع ۲)

۴۔ عن انس رضؓ قال سأل رجل عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کم فرض اللہ علے عبادہ من الصلوات قال افترض اللہ علے عبادہ صلوٰۃ خمسا ۔۔۔ (الحدیث)

(حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں آپؐ نے فرمایا اللہ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں)

مندرجہ بالا آیات اور حدیث اور اسی قسم کی دوسری احادیث سے تمام اہل اسلام (عاقل، بالغ، مرد، عورت) پر نماز پنجگانہ فرض ہے اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے بلاشبہ اور بلاخلاف نماز ارکان خمسہ میں سے ایک ہے اور اس کی فرضیت تمام روئے زمین کے مسلمانوں پر یکساں ہے اور اس میں بھی شک نہیں ہے کہ نماز پنجگانہ اسی امت کی خصوصیت ہے ملا علی قاری نے فرمایا ہے :۔

مجموع ھذہ الخمس من خصوصیاتنا — پانچوں نمازیں صرف ہماری ہی خصوصیات میں سے ہیں۔

(مرقات جلد ۲ صـ ۱۲۴)

اس کے علاوہ جہاں تک تعین اوقات کا معاملہ ہے اس میں ایک حدیث

بریدہ رضؓ جس کو امام مسلم رحؒ نے روایت کیا ہے اور دوسری امامت جبرئیل والی حدیث جس کو ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے جو اوقات صلوٰۃ کو جامع ہیں جن میں ارشاد ہے۔

الوقت مابین ھذین الوقتین — وقت نماز ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے

ان دونوں حدیثوں میں ہر نماز کا ابتدائی وقت اور ہر نماز کا آخری وقت مذکور ہے ان میں اوقات نماز کا ایک پیمانہ بتلا دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحؒ نے اوقات صلوٰۃ کی جو توجیہہ بیان کی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

"اگر لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا کہ تمام لوگ ایک ہی ساعت کے اندر نماز پڑھیں اور اس سے آگے پیچھے نہ پڑھیں تو اس میں حرج عظیم تھا اسی وجہ سے اوقات کے اندر کسی قدر توسیع اور گنجائش بھی کر دی گئی اور چونکہ یہی قرائن جو عرب کے نزدیک ظاہر تھے اور ادنیٰ اعلیٰ اسکو معلوم کر سکتے تھے اس قابل تھے کہ ان کے موافق احکام مقرر کئے جائیں اس واسطے اوقات کے اوائل اور ان کے اواخر کے لئے جو حدیں منضبط اور محسوس ہیں مقرر کی گئیں"

(حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۹۳)

اوقات صلوٰۃ میں ظہر کی نشانی سورج ڈھلنے کے بعد، اور مغرب کی غروب شمس کے بعد، فجر کی طلوع شمس سے قبل بہت واضح ہیں عصر اور عشاء کے اوقات دریافت کرنے میں ایک عامی کو دشواری پیش آسکتی ہے اور اس کو کسی دوسرے سے دریافت کی احتیاج پیش آسکتی ہے اسلام کی خوبی تو ملاحظہ فرمائیے کہ اس کا کوئی فریضہ ایسا نہیں ہے جس کی ادائیگی میں ایک بالکل ہی نوعمر، نومسلم، بالکل جاہل، عاقل، بالغ کو ذرہ برابر دشواری پیش آجائے مثلاً شرائط صلوٰۃ میں سے اگر جہت قبلہ مشتبہ ہوجائے تو تحری اس کا قائم مقام ہے

اینما تولوا فثم وجہ اللہ — جدھر کو بھی تم منہ کرلوگے اسی طرف کو اللہ کا منہ ہے

اگر پانی نہ ہو اور اگر ہو مگر گراں قیمت ہو یا نہ ہو مگر استعمال پر قادر نہ ہو تو تیمم وضو اور غسل کا قائم مقام ہے وضو اور غسل کے لئے ہرگز کسی کی اعانت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر کپڑے نہ ہوں اور اگر ہوں تو ناپاک ہوں تو بیٹھ کر ننگے ہی نماز پڑھنے کا حکم ہے اگر رکوع، سجدہ، قیام وسجود پر قادر نہ ہو تو لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھنے کا حکم ہے غرض کہ نماز اور دوسرے ارکان کی ادائیگی کے بارے میں معذور ترین انسان کے لئے سہولت اور آسانی موجود ہے لہذا یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ان اوقات صلوۃ جن میں فقہاء کا اختلاف بھی موجود ہے کوئی تنگی اور دشواری ہوگی یا اسی میں گوشہ زمین کے اس نو عمر نو مسلم نو علم کے لئے جو قطبین میں کسی جگہ رہتا ہے اور اللہ کی دعوت کو قبول کر چکا ہے اس کے لئے آسانی نہ ہوگی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور رحمت کو تو ملاحظہ فرمائیے کہ اس دشوار گذار مسئلہ کو کس طرح حل فرما دیا:

"خروج دجال کے وقت جب وہ چالیس دن زمین پر رہے گا اور ایک دن سال بھر کے برابر ہوگا جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ اُس وقت نمازیں کس طرح ادا ہونگی تو فرمایا: "اقدروا لہ" اس کے لئے اندازہ کرنا پڑیگا یہ نہیں کہ سال بھر کے دن میں صرف پانچ نمازیں کافی ہو جائیں

(درمختار ج ۱ ص ۲۳۵)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے اپنے فتاوی میں ارض تسعین (۹۰ درجہ) پر بسنے والے مسلمان کے لئے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے یہی فتاوی دارالعلوم میں موجود ہے ملاحظہ فرمائیے فتاوی دارالعلوم طبع جدید ج ۲ ص ۳ اور فتاوی عزیزیہ ص ۳۵۶ ۔ لہذا وہ علاقے جن کے بارے میں آپ نے سوالات کئے ہیں یعنی گلاسکو، بالائی اسکاٹ لینڈ، استور ناولے جو ۵۶° اور ۶۰° عرض البلد کے درمیان واقع ہیں جن کا طلوع اور غروب آپنے

ذکر کیا ہے ان میں اوقات صلوٰۃ مقرر کرنا کوئی دشوار نہیں اور بلاشبہ ہمارے فقہ کی روشنی میں بھی کوئی تنگی نہیں ہے ایسا ہرگز نہیں ہے کہ آپ کی دشواریوں کے پیش نظر عصر کی ابتدار مثل اولیٰ کے بعد یا جمع بین صلوتین کی عذر کی بنار پر گنجائش نہ ہو اور اس طرح ضرورتاً دوسرے امام کی تقلید کرنے میں کوئی قباحت لازم آتی ہو۔ اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات ترتیب وار مذکور ذیل ہیں۔ واللہ الموفق والمستعان

(۱) الف: جب کہ ۵۴ عرض البلد پر سورج کا طلوع اور غروب متحقق ہے تو اوقات صلوۃ بھی اس کی رفتار کے مطابق مقرر ہونگے اور جب کہ شفق بحری ۱۹/۲ پر غروب ہوگئی تو اس سے متصل شفق سیت موجود ہے جس میں مکمل تاریکی کو تحریر کیا ہے اور مکمل تاریکی فوت ہے کہ تارے بھی جگمگانے لگے ہونگے اس لئے یہ وقت صلوۃ مغرب کے ختم ہونے کا ہے حدیث شریف میں موجود ہے

لاتزال امتی علی الفطرۃ	میری امت ہمیشہ خیر پر رہے گی
مالم یوخروا المغرب	جب تک وہ مغرب کی نماز کو ستاروں
حتی تشتبک النجوم	کی جگمگاہٹ تک موخر نہ کرے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور فقہار کی اصطلاح میں یہ وقت شفق ابیض کے غروب ہونے کا ہے اور آپ کے الفاظ میں شفق سیت کے غروب ہونے کا ہے کیونکہ اس کے کچھ پہلے شفق احمر کے غروب کا وقت ہے اور اس وقت مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور صاحبین کے قول اور امام صاحب کی ایک روایت کے مطابق مغرب کا وقت شفق احمر کے غروب پر ختم ہو جاتا ہے (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۴۶)

بدیں وجہ میرے نزدیک آپ کے علاقے میں عشار کی نماز حدیث شریف کی رو سے اور مفتی بہ قول کی بنیاد پر ۱۲/۱۸ سے قبل بھی پڑھی جا سکتی ہے جبکہ دوسری طرف ساڑھے تین گھنٹہ کی رات ہو، افطار تراویح سحری وغیرہ

اعذار سامنے موجود ہیں تو شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ شفق کے غروب کا وقت جو خط استواء یا سرطان یا خط جدی پر ہے وہ یہاں نہیں ہوگا اس پیمانے کو یہاں جاری نہیں کیا جا سکتا۔

ب۔ نصوص سے ثابت ہے کہ نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا فرض ہے "ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا"۔ لیکن جمع بین صلوٰتین کے متعلق احادیث بکثرت موجود ہیں جن میں سفر، حضر، اعذار کا ذکر ہے ان میں بعض احادیث موضوع ہیں بعض ضعیف ہیں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جمع بین صلوٰتین کی صورتا اور عملاً اجازت بربنائے اعذار دی ہے بیان فرماتے ہیں :۔

قال ابو حنیفہ من اراد	امام ابو حنیفہ نے فرمایا جو آدمی جمع بین صلوٰتین
ان یجمع بین صلوٰتین بمطر	کا ارادہ کرے بارش یا سفر یا دیگر
او سفر او غیرہ فلیوخر الاول	اعذار کی بنا پر اس کو چاہیئے کہ
منہما حتی تکون آخر وقتہا	پہلی نماز کو اس کے آخر وقت
ویعجل الثانیۃ حتی یصلیہا	تک مؤخر کرے اور دوسری نماز
فی وقتہا فیجمع بینہما	کو اس کے اول وقت میں جلدی ادا
فیکون کل واحد منہما فی	کرے اس طرح دونوں نمازیں اپنے
وقتہا (کتاب الحج ج ۱ ص ۱۶۴)	اپنے وقت میں ادا ہونگی

آپ اپنے علاقہ میں امام صاحبؒ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر عمل کر سکتے ہیں اس صورت پر عمل کرنے میں حنفی مسلک کے مطابق عمل قرار پائے گا حضرت تھانوی رح نے امداد الفتاویٰ میں اگرچہ تحریر کر دیا ہے البتہ ضرورت شدیدہ میں تقلیداً للشافعی جمع کر لینا مع شرائط مقررہ مذہب شافعی جائز ہے" میرے نزدیک حضرت تھانوی رح کا یہ ارشاد صحیح نہیں ہے کیونکہ جب صاحب مسلک حضرت امام اعظم کا ارشاد موجود ہے تو تقلیداً للشافعی کی .....

ضرورت نہیں ہے۔

ج ۔ اعذار کی بناء پر فرائض تو ساقط نہیں ہو سکتے البتہ ان کی ادائیگی کے لئے آسانیاں اور سہولتیں ہو سکتی ہیں جہاں تک سنن کا تعلق ہے وہ اگر اعذار کی بناء پر ادا نہ کی جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں مثلاً سفر اور مرض میں سنن موکدات اور تراویح کا ترک جائز ہے اس لئے آپ کے علاقے میں قلتِ وقت وغیرہ عذر کی بناء پر ترک تراویح جائز ہوگا کیونکہ ۱۸ گھنٹہ کا فریضہ صوم ادا کرنے کے بعد فریضہ صلوٰۃ مغرب، صلوٰۃ عشا، صلوٰۃ فجر بہت اہمیت رکھتے ہیں اور لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا اس تنگی کے باوجود بعد صلوٰۃ عشا اور ابتدائے وقت فجر کے درمیان تراویح ادا کی جائیں تو اس علاقہ کے مسلمان انتہائی اجر عظیم کے مستحق ہونگے اور دنیا و آخرت میں انکے بڑے مراتب ہونگے

د ۔ اگر ۵۶°، ۶۰° پر سورج کا طلوع و غروب ہوتا ہے تو اس کا جواب جزو الف میں موجود ہے اور اگر نہیں تو شروع میں واقعہ خروج دجال کے تحت اس کا جواب موجود ہے۔

برطانیہ میں رویت ہلال اور روزے

معلوم ہو کہ شریعت اسلامی میں چاند کے بارے میں وجود ہلال کا اعتبار نہیں رویت ہلال کا اعتبار ہے کیونکہ وجود ہلال تو دنیا کے کسی نہ کسی الق پر ضرور ہوتا ہے رویت کے بارے میں مطلع صاف ہونے کی صورت میں رویت عامہ شرط ہے اور غبار اور ابر کی صورت میں رویت کا قائم مقام نصاب شہادت کو قرار دیا ہے کیونکہ اس سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے یہی غلبۂ ظن جن ذرائع سے (رویت عامہ نہ ہونے کی صورت میں) حاصل ہو جائے اسی کا نام خبر مستفیض ہے (رد المحتار صفحہ ۱۰۲ ج ۲)

موجودہ زمانے میں حصول خبر کے مختلف اور متعدد ذرائع ملکر خبر مستفیض کا فائدہ دے سکتے ہیں مثلاً تار، ٹیلیفون، خطوط، ریڈیو، محکمہ موسمیات کی تقسیمات یہ تمام چیزیں ملکر خبر مستفیض کا فائدہ دے سکتے ہیں علیحدہ علیحدہ نہیں کیونکہ مسئلہ رویت ہلال واقعاتی ہے نہ کہ وجودی اور کسی چیز کا وقوع ثابت کرنے کے لئے وہی اصول ہے جس کو اوپر درج کیا جاچکا ہے اسی کو دنیا کی عدالتوں نے بھی تسلیم کیا ہے سب جانتے ہیں کہ عدالتوں کو مختلف چیزوں کا علم ریڈیو کے ذریعہ یا ٹیلیفون کے ذریعہ ہوچکا ہوتا ہے لہٰذا آپ کے ملک میں کبھی رویت نہ ہونے کی صورت میں خبر مستفیض پر عمل درآمد ہوسکتا ہے اس کے لئے آپکے یہاں .... ان ہی مقامات کے تار، ٹیلیفون خطوط، ریڈیو مفید ہوسکتے ہیں جن کا مطلع متحد ہے واضح ہو کہ آپ کا ملک برطانیہ صفر طول البلد پر ہے اور ہندوستان بشمول پاکستان عراق عرب ایران سوڈان یمن یہ سب ممالک ۹۰، ۴۵ شرقی کے درمیان ہیں اور ایک طول البلد میں ۷۰ میل کا فاصلہ اور ۴ منٹ کا فرق ہوتا ہے اور ۲۹ ویں تاریخ کا چاند زیادہ سے زیادہ ۵۴ منٹ افق پر رہتا ہے اور چونکہ فقہاء اور متاخرین نے اس کا اعتبار کیا ہے کہ اختلاف مطالع معتبر ہے۔ علامہ زیلعی رح نے فرمایا ہے:۔

والاشبہ ان یعتبر لان کل قوم مخاطبون بما عندھم وانفصال الھلال عن شعاع الشمس یختلف باختلاف الاقطار وکلما تحرکت الشمس درجۃ فتلک طلوع فجر لقوم وطلوع شمس لآخر

مناسب یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کرلیا جائے اس لئے کہ ہر قوم اسی کی مخاطب ہے جو اس کی رویت ہے اور سورج کی شعاع سے چاند اقطار کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے سورج جب ایک درجہ حرکت کرتا ہے تو یہ حرکت ایک شہر کے لئے اگر طلوع فجر ہے تو دوسرے کیلئے

علامہ عثمانی نے فتح الملہم میں اور علامہ کشمیری نے اسی کو راجح قرار دیا ہے اس لئے مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے جو تحریر فرمایا ہے "اس لئے آپ اپنے قریبی ملک کے ریڈیو پر اعتماد کر کے رمضان المبارک اور عید کر سکتے ہیں"، صحیح ہے لیکن یہ حکم مراکش، الجزائر کے ریڈیو کو شامل ہوگا کیونکہ برطانیہ اور ان کا عرض البلد تقریباً ایک ہی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہاں کے ریڈیو اسٹیشن اپنے یہاں شرعی طور پر رویت ہونے کا اعلان نشر کریں تو یہی اعلان آپ کے یہاں کی مجلس علماء تسلیم کر کے نافذ کر دے، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، عراق وغیرہ کے ریڈیو آپ کے یہاں معتبر نہ ہونگے کیونکہ ان کو فاصلہ بہت ہے۔

۲— روزوں کے بارے میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب نے آیت مبارکہ وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين الآية کی تفسیر کرتے ہوئے جن شرائط کے ساتھ وجوب فدیہ کا حکم دیا ہے وہ صحیح ہے لیکن وجوب فدیہ خود فرضیت صوم پر دال ہے اور چونکہ آپ کے یہاں بعض ایام میں غروب وطلوع میں صرف ڈھائی گھنٹہ کا فصل ہے اس لئے جو حضرات روزہ رکھنے پر قادر ہوں ان کے لئے مناسب یہی ہے کہ احتیاطاً افطار کے کچھ وقفہ کے بعد وہ سحر پر عمل درآمد کریں اور روزہ رکھیں

فقط

کتبہ عزیز الرحمٰن غفرلہ

مدنی دارالافتاء مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم

بجنور

ذبیحہ بلا تسمیہ

"برہان" دہلی فروری ۱۹۶۴ء کے شمارہ میں مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی نے دیار غرب کے متعلق اپنے تاثرات بیان فرمائے ہیں اسی کے ضمن میں امریکہ اور یورپ کے ریسٹورنٹوں کا تذکرہ کرتے ہوئے وہاں کے کھانوں کی مدح میں ایک طویل قصیدہ پڑھ دیا ہے اور ساتھ ہی وہاں کے حرام گوشت (یہودیوں، عیسائیوں کے مکنکل طرز پر بلا تسمیہ کے ذبیحہ) کی حلت پر زوردار الفاظ میں ایک فتویٰ صادر فرما دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ مولانا نے اپنے اس فعل نامشروع کو زبردستی مشروع کرنا چاہا ہے اور الفاظ ایسے استعمال فرمائے ہیں جس سے دوسروں کے ابتلاء کا اندیشہ ہے اس لئے مسئلہ پر کچھ سپرد قلم کرنا میں اپنے نزدیک ضروری سمجھتا ہوں، آئندہ مولانا کے اس پورے مضمون کا جائزہ لیا جائے گا اور ان غیر مشروع چیزوں کی نشان دہی کی جائے گی جن کی مولانا نے تبلیغ فرمائی ہے سطور ذیل میں مضمون کے ایک طویل اقتباس کو پیش کیا جا رہا ہے۔

مولانا سعید احمد صاحب کا ارشاد

اس موقع پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں گوشت کا انتظام کیا تھا؟ اصل یہ ہے کہ امریکہ اور کناڈا میں دو قسم کا گوشت ملتا ہے ایک تو وہی عام گوشت جسے میٹ (MEAT) کہتے ہیں یہ عیسائیوں کا "ذبیحہ" ہوتا ہے اور اس کے مقابل جو یہودیوں کا ذبیحہ ہوتا ہے وہ کوشر کہلاتا ہے، یہودی اس باب میں بڑے کٹر اور جامد ہوتے ہیں اپنے ذبیحہ کے علاوہ کسی اور ذبیحہ کو جائز نہیں سمجھتے، لیکن جہاں تک طریقہ ذبح کا تعلق ہے

جو مسلمانوں کے عام رواج کے برخلاف ایک مکنکل طریقہ ہے وہ ہر جگہ یکساں
ہے اور اس لحاظ سے عیسائیوں کے ذبیحہ اور یہودیوں کے ذبیحہ میں کوئی
فرق نہیں ہے وہ ہر جگہ یکساں ہے البتہ فرق صرف اس قدر ہے کہ مذبح میں
جب یہودیوں کے جانور ذبح ہو جاتے ہیں تو ان کا ایک مذہبی شخص آکر ان
جانوروں پر کچھ پڑھ دیتا ہے۔ ان ملکوں میں بڑے بڑے متقی مسلمانوں کو میں
نے دیکھا ہے کہ وہ گوشت کو بڑی بے تکلفی سے کھاتے ہیں مگر عیسائیوں
کے ذبیحہ کو چھوتے تک نہیں۔ میری رائے میں اس تفریق کے کوئی معنیٰ
نہیں ہیں! کیونکہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ
یورپ اور امریکہ میں ذبح کا جو طریقہ مروج ہے وہ اسلامی شریعت میں
معتبر ہے یا نہیں؟ صلحاء واخیار امت کا تعامل اس بات کی دلیل ہے کہ یہ طریقہ
معتبر ہے اس لئے کہ جو حضرات عیسائیوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے وہ بھی گوشت
کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، حالانکہ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا
اس خاص اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اسلام میں کسی گوشت
کے حلال ہونے کا دارومدار چار چیزوں پر ہے۔

(۱) گوشت کسی حلال جانور کا ہو (۲) ذبح کرنے والا مسلمان ہو یا
اہل کتاب میں سے ہو (۳) ذبح کا طریقہ عند الشرع معتبر ہو (۴) ذبح کے
وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

مسئلہ زیر بحث میں پہلی اور دوسری شرط کے وجود میں تو کوئی کلام ہی
نہیں ہو سکتا۔ رہی تیسری شرط تو چونکہ اس کو بھی جمہور امت نے تسلیم کر لیا
ہے اس لئے اس کے وجود میں بھی کوئی شبہ نہیں رہا۔ اب لے دے کے
بحث اس پر مرکوز ہو جاتی ہے کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے
یا نہیں؟ اس بارہ میں احناف کا صاف مذہب یہ ہے کہ تسمیہ عند الذبح
ضروری ہے اور ان کا استدلال سورۂ انعام کی اس آیت سے ہے:-

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ — اور جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے تم ان میں سے کچھ بھی نہ کھاؤ۔

لیکن اس کے برخلاف امام شافعی رح کا مسلک یہ ہے کہ تسمیہ ذبح کے وقت مستحب ہے واجب یا شرط نہیں ہے جو مذہب امام ابو حنیفہ رح کا ہے وہی امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا بھی ہے، البتہ اگر کوئی مسلمان بھول چوک کی وجہ سے تسمیہ نہ کر سکے تو کوئی مضائقہ نہیں اس کا ذبیحہ حلال ہوگا، امام شافعی کا اپنے مسلک کے لئے استدلال یہ ہے کہ:۔

(۱) مذکورہ بالا آیت میں مالم یذکر میں "ما" سے مراد گوشت اور غیر گوشت ہر چیز ہو سکتی ہے حالانکہ ایک دو اقوال کو چھوڑ کر کوئی اس کا قائل نہیں ہے کہ جب کبھی کوئی بھی چیز کھائی جائے اس پر اللہ کا نام لینا واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ مَا اپنے عموم پر نہیں ہے

(۲) اس آیت سے تو بظاہر تسمیہ عند الاکل کا وجود ثابت ہوتا ہے نہ کہ تسمیہ عند الذبح کا، پھر تسمیہ عند الذبح کے وجوب کے لئے اس سے استدلال درست کیونکر ہوگا۔

(۳) تیسری دلیل امام شافعی کی یہ ہے کہ اگر اس کا تعلق ذبح سے ہی مانا جائے تب بھی اس سے ان جانوروں کا حرام ہونا ثابت نہیں ہوتا جن کو اللہ کا نام لئے بغیر ذبح کیا گیا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی آیت میں " وَاِنَّہٗ لَفِسْقٌ " ہے اور چونکہ واؤ حالیہ ہے اور فسق کی تشریح سورۂ مائدہ کی آیت میں اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ (جو جانور کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو) سے کی گئی ہے اسی بنا پر آیت میں " مَالَمْ یذکر اسم اللہ علیہ " سے مراد "مَا ذکر اسم غیر اللہ علیہ" (جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو) گویا سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳ میں محرمات طعام کے سلسلہ میں " وَمَا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ " فرما کر جو حکم بیان کیا گیا تھا اسی کا اعادہ سورۂ الانعام ولا تاکلوا الآیۃ فرما کر کیا گیا۔

امام شافعی کے قول کی تائید بخاری، نسائی اور ابن ماجہ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت عائشہ رض سے مروی ہے اور جس میں فرمایا گیا ہے کہ چند لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "ہمارے پاس لوگ گوشت لے کر آتے ہیں جس کے متعلق ہمیں بالکل علم نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یا نہیں؟ حضور ﷺ نے جواب دیا" تو تم گوشت پر اللہ کا نام لو اور کھاجاؤ۔" اس سے ثابت ہوا کہ تسمیہ عندالذبح شرط یا واجب نہیں ہے اور اس بنا پر اگر عندالذبح نہ غیر اللہ کا نام لیا جائے نہ اللہ کا تو وہ ذبیحہ حرام نہیں ہوگا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ آیت زیر بحث کی مذکورہ بالا تاویل میں امام شافعی منفرد نہیں ہیں بلکہ ابن جریر الطبری نے بھی اس آیت کی تفسیر میں مختلف روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے" اور درست یہ کہنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مراد ان جانوروں کا گوشت حرام قرار دینا ہے جو بتوں یا دیوتاؤں کے نام پر ذبح کیے گئے ہوں یا ان کو ذبح ایسے شخص نے کیا ہو جس کا ذبیحہ اسلام میں حلال نہیں ہے۔"

امام شافعی اور بعض فقہاء کے اسی مسلک کی بنیاد پر غالباً مصر و شام میں سب سے پہلے مفتی محمد عبدہٗ نے خاص انگریزوں کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا تو مصر میں شور مچ گیا اور اخبارات میں مخالفانہ مضامین شائع ہونے لگے ادھر سے مفتی صاحب کے فتوی کی تائید میں ان کے تلمیذ رشید سید رشید رضا نے مجلۂ المنار (جلد ششم) میں مضامین لکھنے شروع کئے، یہ مضامین اس درجہ مدلل اور پرزور تھے کہ مصر اور شام و تونس کے بعض علماء نے ان کی تائید میں خطوط لکھے مضمون کے ساتھ یہ خطوط چھپتے رہے اس کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ فضا بدلی اور مفتی محمد عبدہٗ کی مخالفت کا جوش ختم ہو گیا۔ اسی سلسلہ میں خاص اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے

جامعۂ ازہر مصر میں فقہ کے مسالک اربعہ کے علماء و فقہاء کا ایک نمائندہ اجتماع ہوا، اور انہوں نے ایک رسالہ لکھا جس میں مفتی صاحب کے فتوے کی تائید اپنے مذہب کی روشنی میں کی تھی۔ شیخ عبدالحمید حمروش جو اس زمانہ میں ازہر کے مشہور عالم اور مصر کے قاضی شرع تھے انہوں نے یہ رسالہ چھاپا تھا، اس کے علاوہ شیخ محمد بیرم الخامس جو حنفی فقہ کے بہت بڑے عالم اور مبصر ہیں، انہوں نے بھی اپنی کتاب "صفوۃ الاعتبار" میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور خود علمائے حنفیہ کے اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ یورپ کا ذبیحہ چونکہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہے اس لئے وہ مطلقاً حلال ہے اور وہ نہ موقوذہ کی تعریف میں آتا ہے اور نہ منخنقہ و نطیحہ کی تعریف میں

نوٹ:۔ علمائے ازہر کا کسی ایک مسئلہ پر متفق ہو جانا عالم اسلام کے لئے حجت نہیں بن سکتا عالم اسلام پر نافذ کرنے کے لئے عالم اسلام کے علماء کا اتفاق ضروری ہے اسی کا نام اجماع ہے اور اگر کسی نے بھی اختلاف کر دیا تو اس کو اجماع نہیں کہا جا سکتا ہے اس لئے اس سے استدلال ہی سرے سے غلط ہے آئندہ سطور میں علمائے ازہر کے فتاویٰ کی حقیقت سے بحث کی جا رہی ہے۔ (عزیز الرحمٰن)

بحث کا خلاصہ

مندرجہ بالا اقتباس کا ہمارے نزدیک یہ تجزیہ ہو سکتا ہے:

(۱) یورپ اور امریکہ میں جن مکنکل طریقوں پر جانوروں کو ذبح کیا جاتا ہے چونکہ اس پر صلحاء اور اخیار امت کا تعامل ہے اس لئے یہ گوشت حلال ہے اور یہ طریقہ عندالشرع معتبر ہے اور جمہور امت نے اسکو تسلیم کر لیا ہے اس لئے اس کے وجوب میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے

(۲) تسمیہ عندالذبح شرط یا واجب نہیں اور اس بناء پر اگر عندالذبح نہ غیر اللہ کا نام لیا جائے اور نہ اللہ کا تو وہ ذبیحہ حرام نہیں ہوگا۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رض کی حدیث سے بھی ثابت ہے کہ صرف کھاتے وقت تسمیہ کہنا کافی ہے۔

لہٰذا یورپ اور امریکہ کے ہوٹلوں میں جو حلال جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے وہ حلال ہے

مولانا کے دلائل پر نظر

مولانا نے اپنے مضمون میں مندرجہ بالا مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے جو دلائل بیان فرمائے ہیں ان پر کلام کرنے سے پیشتر یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہو رہا ہے کہ میں مولانا کے مضمون کے بارے میں یہ عرض کردوں کہ انہوں نے اپنے مضمون میں تلبیس سے کام لیا ہے اور بعض شرعی دلائل کو خلاف واقعہ اور غلط بیان کیا ہے جو یقیناً ان کے عالمانہ مرتبہ کے یکسر خلاف ہے۔

شریعت کے نزدیک ذبح کے لئے جو طریقہ معتبر ہے اس کے متعلق آئندہ سطور میں مفصل بیان کیا جائے گا، ہاں اس قدر عرض کیا جارہا ہے کہ مکنکل طریقہ سے ذبح کرنے کو جمہور امت نے اب تک تسلیم نہیں کیا ہے، یہ مولانا کی ذمہ داری ہے کہ وہ حوالوں کے ذریعہ سے اس کو جمہور کا مسلک ثابت کریں اس طریقہ سے ذبح شدہ گوشت کو آج تک صلحاء اور اخیار امت نے بالکل ہاتھ نہیں لگایا ہے ہاں مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

مجھے جہاں تک علم ہے متقی اور پرہیزگار قسم کے حضرات کا جب ان ہوٹلوں میں گذر ہوتا ہے تو وہ مچھلی اور انڈے وغیرہ غیر مذبوح اشیاء کو استعمال کرتے ہیں وہ تو اس گوشت کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ اگر مولانا کے علم میں دو چار صلحاء اور اخیار امت ہیں تو وہ ان کے نام بتلائیں تاکہ ان سے استفسار کیا جاسکے۔

(۲) تسمیہ عندالذبح کہنا واجب اور شرط ہے الّا یہ کہ بھول جائے

ورنہ عمداً ترک کرنے سے گوشت حرام ہو جائے گا اور اس کا کھانا جائز نہ ہوگا۔

(۳) حدیث حضرت صدیقہ رضؓ کو خلاف واقعہ بیان کیا ہے جو مولانا کے محل استدلال سے بالکل الگ ہے لہٰذا یورپ اور امریکہ کے ہوٹلوں یا اسی طرز کے دوسرے ہوٹلوں میں غیر شرعی طور پر جو گوشت تیار کیا جاتا ہے مسلمان کے لئے اس کا کھانا حلال نہیں ہے نیز اس وجہ سے بھی کہ ان ہوٹلوں میں سور کا گوشت بھی تیار کیا جاتا ہے اور گوشت چلانے کے ظروف میں کوئی احتیاط نہیں برتی جاتی کہ سور کے گوشت کے چمچہ وغیرہ کو دوسرے سالن میں نہ ڈالتے ہوں، اس لئے اس گوشت سے مسلمانوں کو اجتناب کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد اب اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا جاتا ہے سب سے پہلے بحث کو مختصر کرنے کے لئے آخری دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی حدیث پر کلام کیا جا رہا ہے تاکہ مسئلہ بہت زیادہ طویل نہ ہو جائے

حدیث عائشہ صدیقہ رضؓ

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی یہ حدیث بخاری شریف میں باب ذبیحۃ الاعراب ونحوہم میں موجود ہے اس کے متعلق علمائے کرام اور محققین عظام کی تشریحات ملاحظہ فرمایئے۔

علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال ابتدائے اسلام میں کیا گیا تھا اور سوال کرنے والے بھی مسلمان تھے کہ:

"ہمارے پاس کچھ دیہاتی گوشت لاتے ہیں معلوم نہیں انہوں نے اس کو تسمیہ کہہ کر بھی ذبح کیا ہے یا نہیں، آپ نے فرمایا کہ تم اس پر بسم اللہ پڑھ لیا کرو اور کھا لیا کرو"

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ لوگوں کو یہ شک اس وجہ سے

ہوا تھا کہ یہ دیہاتی لوگ نئے نئے اسلام لائے تھے

وکانو احدیثی عہد بالکفر — وہ عہد کفر سے قریب تھے (بخاری)

یعنی انہیں ابھی مسلمان ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، امام مالک نے اس جگہ "الاسلام" کا لفظ زیادہ کیا ہے خود امام بخاری رح نے ترجمۃ الباب ہی اسی عنوان سے باندھا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ دیہاتی مسلمانوں کے ذبیحہ کے بارے میں سوال کیا جا رہا ہے۔ امام مالک نے اہل البادیہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ کیا ان تصریحات کی موجودگی میں حضرات صحابہ رض کے سوال اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کو عمومیت پر محمول کیا جائے گا یا خصوصیت پر (عمدۃ القاری ص۱۱۵ ج۲۱ مطبوعہ مصر)

(۲) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رح جو حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کے بھی استاد ہوتے ہیں اور میرے خیال میں موصوف کو حضرت شاہ صاحب رح کی علمیت تسلیم ہو گی؟ فرماتے ہیں

> "باب ذبیحۃ الاعراب سے مراد جہلائے عرب ہیں کہ جن کے بارے میں یہ وہم ہو سکتا تھا کہ انہوں نے تسمیہ پڑھنا چھوڑ دیا ہو گا یا وہ مسائل سے زیادہ واقف نہیں تھے ان کے ذبح شدہ گوشت کو کھایا جائے یا نہیں۔ یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ بلا تسمیہ کے ذبح گوشت کو کھا لینا چاہئے، کیونکہ تسمیہ پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دیہاتیوں کے حال کو اعدل احوال پر محمول کر لینا چاہئے (آگے چل کر فرماتے ہیں) ظاہر ہے کہ وہ تسمیہ عند الذبح ضرور پڑھ لیتے ہونگے۔"
>
> (فیض الباری ص۳۴۲ ج۴)

امام نسائی رح نے اس واقعہ کو اعراب کے متعلق بیان کیا ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی رح نے اپنی تفسیر درالمنثور میں مصنف عبدالرزاق سے

اس طرح نقل کیا ہے :۔

"جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ دیہاتی مسلمان ہوئے، وہ مدینہ منورہ گوشت بیچنے لایا کرتے تھے حضرات صحابہ کرام رضہ نے ازراہ تقویٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے یا نہ کھایا جائے تب آپ ؐ نے یہ ارشاد فرمایا" (اوجز ص۱۶۷ ج ۱)

علامہ باجی فرماتے ہیں :۔

حضرات صحابہ رضہ کو یہ خیال اس وجہ سے ہوا تھا کہ یہ لوگ دیہاتی ہیں اور دیہاتیوں سے اس قسم کی بھول چوک ممکن ہے (اوجز ص۱۶۸ ج ۴)

اس قسم کی عبارتیں اس حدیث کے متعلق حدیث کی تمام کتابوں شروحات اور حاشیوں میں موجود ہیں، جن سے صرف ایک مخصوص واقعہ کی طرف نشان دہی ہو رہی ہے لیکن مولانا نے اس طرح حدیث سے استدلال کیا ہے کہ پڑھنے والا واقعتاً اس خلجان میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ تسمیہ عند الذبح ضروری نہیں ہے بلکہ کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لینا کافی ہے۔ کافر کے علاوہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہو یا اہل کتاب نے اور چاہے عمداً ہی اس پر تسمیہ کہنا چھوڑ دیا ہو، حالانکہ امام شافعی کے علاوہ جمہور علمائے امت میں سے کسی نے بھی اس کو حلال قرار نہیں دیا، علامہ ابن تیمیہ تک نے یہ فرما دیا ہے کہ تسمیہ عند الذبح مطلقاً واجب ہے اور اسی پر اکثریت ہے (فتاویٰ ابن تیمیہ ص۲۹۱ ج ۱)

تسمیہ عند الذبح

اصل مسئلہ یہ ہے (جس پر مولانا نے مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے) وہ حلال جانور جس کو کسی مسلمان نے یا اہل کتاب نے ذبح کیا ہے۔ ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا شرط اور واجب ہے یہی جمہور ائمہ کا مسلک ہے۔ امام احمدؒ، امام مالکؒ یہی فرماتے

ہیں امام بخاری کا فیض الباری میں شاہ صاحبؒ نے یہی مسلک نقل کیا ہے
صرف امام شافعی صاحبؒ تسمیہ عند الذبح کے استحباب کے قائل ہیں امام
ابو حنیفہ رح نے اس مسئلہ میں اتنی اور تشریح فرمائی ہے کہ اگر مسلمان تسمیہ
عند الذبح بھول گیا تو یہ گوشت حلال ہے کیونکہ ایک حدیث میں موجود ہے
" جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ متروک
التسمیہ ناسیًا کو کھانا چاہیئے یا نہیں ؟ آپ ص نے ارشاد فرمایا کھاؤ اس
لئے کہ اللہ کا نام ہر مسلمان کے قلب میں موجود ہوتا ہے ۔
اس بناء پر امام صاحب کے نزدیک بھولنے والا تارک تسمیہ نہیں
(روح المعانی ص۱۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رض نے بخاری شریف کے باب التسمیہ علی الذبح
میں یہی بات فرمائی ہے جس سے امام صاحب کے مسلک کی تائید ہو رہی
ہے حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں :۔
والناسی لا یسمی فاسقا (بخاری شریف) بھولنے والا فاسق نہیں ہے
اس کے علاوہ امام صاحب فرماتے ہیں عامداً تسمیہ ترک کرنا جائز نہیں
ہے اگر ترک کر دیا تو گوشت حلال نہ ہوگا اس کے متعلق امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں

متروک التسمیہ عامداً	متروک التسمیہ عامداً کی حلت میں
لا یسع فیہ الاجتہاد ولو	اجتہاد جائز نہیں ہے اور اگر قاضی
قضی القاضی بجواز بیعہ	نے ایسے گوشت کی بیع پر جواز کا حکم
لا ینفذ لکونہ مخالفا	دیدیا تو اسکی قضا نافذ نہ ہوگی کیونکہ
للاجماع (ہدایہ)	یہ خلاف اجماع ہے ۔

اب مولانا کے الفاظ مندرجہ بالا حدیث کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیے :
" اس سے ثابت ہوا کہ تسمیہ عند الذبح شرط یا واجب نہیں اور اس
بناء پر اگر عند الذبح نہ غیر اللہ کا نام لیا جائے اور نہ اللہ کا تو وہ ذبیحہ

حرام نہ ہوگا۔

آخر میں فرماتے ہیں:۔

اور خود علمائے حنفیہ کے اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ یورپ کا ذبیحہ چونکہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہے اس لئے وہ مطلقاً حلال ہے

اور اس کے آخر میں فرماتے ہیں

"وہ یقیناً حرام نہیں ہے" یعنی اہل کتاب کا ذبیحہ خواہ انہوں نے تسمیہ عندالذبح ناسیاً چھوڑ دیا ہو یا عامداً وہ حلال ہے اور وہ یقیناً حرام نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ جسارت ہے اور ایسی جسارت کہ جس میں قطعیت کا انکار کر دیا گیا ہے، کیا مولانا علمائے احناف کی کتابوں سے اس قسم کے اقوال پیش کرنے کی ذمہ داری قبول فرمائیں گے۔ نہایت حیرت کی بات ہے کہ مولانا نے ایک قطعی مسئلہ میں اتنا کمزور اجتہاد فرمایا ہے اور یورپ وامریکہ کے اخیار وصلحاء کے تعامل سے استدلال کیا۔ کیا نصوص شرعیہ قطعیہ کو کسی کے تعامل سے رد کیا جا سکتا ہے، کیا استدلال کے میدان میں عمل کو دلیل بنایا جا سکتا ہے اگر اس کا کہیں ثبوت ہے تو مولانا کے ذمہ اس کی نشان دہی کرنا ضروری ہے۔

علمائے ازہر کا فتوے

رہا علمائے ازہر کے فتوے سے استدلال یہ کوئی استدلال نہیں ہے اور نہ اس کو کسی نے قبول کیا ہے خود علمائے ازہر کے فتاوی پر تنقید کرتے ہوئے ڈاکٹر مصطفےٰ احمد زرقا نے ان کے اجتہاد پر لعنت ملامت کی ہے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔

جامع ازہر کے فضلاء نے ایسی کتابیں اور فتاوی شائع کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنا قلم دشمنان اسلام کے ہاتھ گرو رکھ دیا ہے اور اسلام کی بنیادیں اس طرح ڈھا دینا

چاہتے ہیں کہ جسطرح دشمن بھی نہیں ڈھا سکتے اس قسم کے لوگوں کا دین سے کیا تعلق ہو سکتا ہے یہ تو منافق اور سازشی قسم کے لوگ ہیں جو اجتہاد اور آزادی رائے اور حریت فکر کے پردے میں دین کے ساتھ خیانت اور مذاق کر رہے ہیں اور اس سازش اور خیانت کا ان کو بڑا معاوضہ مل رہا ہے اور خدا کی لعنت سے بے پرواہ ہو کر بڑے بڑے دنیوی منافع حاصل کر رہے ہیں۔ (معارف دسمبر ۱۹۶۰ء)

خلاصۂ بحث الحاصل جس جانور کو ذبح کرتے وقت عمداً اللہ کا نام لینا چھوڑ دیا اس کا کھانا حرام ہے یہی جمہور امت کا فیصلہ ہے اسی پر اجماع ہے اور اب تک اس اجماع کا خلاف ثابت نہیں ہو سکا۔

(۲) امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک قرآن پاک اور متعدد احادیث کی روشنی میں اگر تسمیہ عند الذبح نسیاناً رہ گیا وہ حلال ہے یہی ابن عباس رض کا مسلک ہے اور اسی کو امام بخاری رح نے ترجیح دی ہے

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رض کی حدیث سے ترک تسمیہ عامداً ثابت نہیں بلکہ وہ علمائے امت کی تشریحات کی رو سے امام ابو حنیفہ رح کے مسلک کے مطابق ہے نہ کہ امام شافعی صاحب رح کے مسلک کے جس کے بل بوتے پر مولانا نے امریکہ کے ہوٹلوں میں صرف بسم اللہ پڑھ کر یہ گوشت خوب پیٹ بھر کر کھایا ہے

(۴) احادیث کے علاوہ آیات سے تسمیۂ عند الذبح واجب ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً:۔

واذکروا اسم اللہ علیہ (الآیۃ) اس آیت میں امر کا صیغہ ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے

فاذکروا اسم اللہ صواف اس آیت سے بھی تسمیہ عند الذبح واجب

ہونا ثابت ہے کیونکہ اس میں بھی امر کا صیغہ ہے اور مزید قرینہ یہ ہے کہ آگے چل کر فرمایا ہے " فاذا وجبت جنوبہا " اور فا اس میں تعقیب کے اوپر دلالت کر رہی ہے۔ احکام القرآن صـ۲ ج ۳

(۵) آیت " لاتاکلوا " الخ سورۂ انعام سے متروک التسمیہ عامداً ثابت ہے نہ کہ ناسیاً کیونکہ " انہ لفسق " کی ضمیر کا مرجع بروایت ابن عباس یہی ہے۔ (روح المعانی صـ۱۵ ج ۴ اور بخاری شریف باب التسمیہ علی الذبح صـ۸۲۶ ج ۲)

(۶) ابن ماجہ اور نسائی کی روایت جس کو ہم اوپر بھی ذکر کر چکے ہیں اور موطا امام مالک کی روایت اپنے ترجمۃ الباب کے تحت اور علمائے امت کی تشریحات خصوصاً ابن تیمیہ کے اس فتوی علیہ غیر واحد من السلف کی رو سے بھی امام شافعی رح کے مطابق نہیں بلکہ امام ابو حنیفہ کے مسلک کی تائید میں ہے

ذبح کا مکینکل طریقہ

اس طریقہ سے مراد مشین کے ذریعہ ذبح کرنا ہے ہوتا یہ ہے کہ جانوروں کو مذبح میں لیجا کر بجلی کا بٹن دبا دیتے ہیں اور مشین ان جانوروں کی گردنوں کا تیا پانچا کر دیتی ہے ظاہر ہے امریکہ اور یورپ کے ہوٹلوں میں جو گوشت آتا ہے وہ ان مشینوں کا ذبح شدہ ہوتا ہے جس کی تجارت یہودی کرتے ہیں یا نصرانی، یہودیوں کے یہاں تو اتنا اہتمام کیا جاتا ہے کہ کوئی ان کا ملاّ آکر گوشت پر پھونک مار جاتا ہے اور نصاری کے یہاں تو اس کا بھی اہتمام نہیں ہے خود مولانا نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے اور اللہ کا نام لیکر بٹن دبانے کا تو سوال ہی نہیں اگر یہ ہوا ہوتا تو مولانا کے لئے تو بہت زیادہ سہولت تھی انکو اتنی طویل بحث کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ بجلی کا بٹن اگر اللہ کا نام لیکر دبا دیا جائے تو کیا عند الشرع یہ ذبیحہ حلال ہوگا۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے۔ کہ شریعت کے نزدیک ذبح کی دو قسم ہیں (۱) ذبح اختیاری (۲) ذبح اضطراری

ذبح اختیاری تو یہی ہے کہ کسی آلہ دھار دار سے بسم اللہ کہہ کر جانور کو حلقوم کے پاس سے ذبح کر دیا جائے اور ذبح اضطراری یہ ہے کہ شکار یا کسی دیوار میں زندہ دبے ہوئے یا کسی ایسی جگہ پھنسے ہوئے جانور کو ذبح کرنا کہ جہاں سے اس کو زندہ نہ نکالا جا سکے کوئی دھار دار آلہ تسمیہ پڑھ کر پھینک کر مار دینا جس سے اس کا کوئی عضو کٹ جائے میکنکل طریقہ سے ذبح کرنا ذبح اختیاری میں داخل ہے نہ کہ ذبح اضطراری میں اور اس کے علاوہ کوئی تیسرا طریقہ شریعت نے معتبر نہیں مانا ہے اور نہ اس کو ابھی تک جمہور امت نے تسلیم ہی کیا ہے مصر کے علماء نے ضرور فتویٰ دیا ہوگا لیکن ان کے فتاویٰ کی حقیقت اوپر بیان کر دی گئی ہے۔

یوروپ اور امریکہ کا ذبیحہ

یکم مارچ ۱۹۶۴ء کے مدینہ میں ہمارا ایک مضمون مشینری کے ذبیحہ کے متعلق شائع ہوا تھا یہ مضمون مدینہ اخبار سے نقل ہو کر سندھ پاکستان کے متعدد اخبار اور رسالوں میں شائع ہوا جس کا علم اتفاقاً ہمارے مستفتی جناب احمد سعید صاحب ص ب ۴۹ مدینہ منورہ کو بھی کسی طرح ہو گیا۔ اب انہوں نے ہمارے پاس اپنے مکتوب گرامی کے ساتھ رسالہ المسلمون" جنیوا شمارہ ۹/۱۰ جلد ۸ ارسال فرمایا ہے جس میں اہل کتاب کے ذبیحہ کے متعلق چند سوالات ہیں ان سوالات کا جواب اردن کے مفتی صاحب محترم جناب الاستاذ الشیخ عبداللہ القلیقلی نے تفصیل سے دیا ہے۔ بطور ذیل میں محترم مستفتی صاحب کا مکتوب اور سوال وجواب کا خلاصہ اور اس کے بعد اپنے تفصیلی جواب کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ یہ جواب مستفتی صاحب اور رسالہ المسلمون" کو بھیج دیا گیا ہے۔

مکتوب گرامی احمد سعید صاحب ص ب ۴۹ مدینہ منورہ، ۱۸ اگست ۶۴ء

بخدمت اقدس حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب زاد مجدکم و مدفیوضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سلام مسنونہ کے بعد "المسلمون" ایک رسالہ ہے جو یورپ سے نکلتا ہے اس میں ایک اہم مسئلہ جو ذبائح سے متعلق ہے اور جوابات مفتی اردن سے دیا گیا ہے جو اس خط کے ہمراہ موجود ہے اور پڑھ کر آپ خود اندازہ لگائیے اور کیا جواب ہونا چاہیئے۔ آپ اس کو غور و فکر سے پڑھ کر جواب ارسال

فرمائیے چاہے ان کو جواب دیں یا تو میرے اوپر بھیجد یجئے پھر یہاں سے
ان کے اوپر روانہ کر دونگا۔ میں نے آپ کے پاس اس وجہ سے بھیجا ہے
کہ ایک مرتبہ آپ نے اس مسئلہ کو واضح طور پر کسی اخبار میں تحریر فرمایا تھا
لہذا چونکہ یہ دینی کام ہے قوی امید ہے کہ آپ اس میں دقت لگائیں گے
اور اس الجھن کو دور فرمائیں گے۔ فقط

والسلام احمد سعید

سوالات کا ترجمہ دیار مغرب کے یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کے بارے میں شریعت اسلامیہ کی روشنی میں آپ کی
کیا رائے ہے۔

(۱) ایک جماعت علماء کی یہ کہتی ہے کہ اہل کتاب سے مراد (جن کا
ذبیحہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے حلال قرار دیا ہے) وہ ہیں جو اپنے
دین صحیح کی اتباع کرتے ہیں نہ وہ جنہوں نے تحریف و تبدیلی کی ہے
دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ آج کے یہود و نصاریٰ وہی ہیں کہ جن
کو قرآن نے اہل کتاب قرار دیا ہے اور ہمارے لئے ان کے ذبیحہ کو حلال
قرار دیا ہے۔

(۲) ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اہل کتاب اپنے اسلاف کے طریقہ پر
(کہ جس وقت قرآن نازل ہوا تھا) ذبح نہیں کرتے ہیں اس کے متعلق بھی
اختلاف ہے

(الف) ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اہل کتاب میں سے کچھ تو اس طرح
قتل کرتے ہیں کہ اس کے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہتا پس یہ حقیقت میں
مخنوقہ یا موقوذہ کے حکم میں ہے ذبیحہ نہیں ہے

(ب) دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ بات دراصل یہ ہے کہ منشیات کے
ذریعہ جانوروں کو بیہوش کر دیا جاتا ہے تاکہ ان کو تکلیف نہ ہو لیکن یہ عارضی

اثر ہے اس سے حیوان مرتا نہیں ہے بلکہ بعض دفعہ اثنائے قتل ہی میں یہ
بیہوشی دور ہو جاتی ہے۔

اور آج امریکہ اور یورپ میں ہزاروں مسلمان آباد ہیں جو ان ہی اہل
کتاب کے درمیان رہتے ہیں ان میں سے کچھ حضرات تو ایسے ہیں جو ذبیحہ سے
پرہیز کرتے ہیں اور احتیاط پر عمل کرتے ہیں اور بعض حضرات رخصت پر عمل
کرتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ بھی اہل کتاب کے طعام میں سے ہے جو کہ
مسلمانوں کے لئے حلال ہے ونیز یہاں گوشت کا کھانا ضروریات زندگی
میں سے ہے کیونکہ یہاں سردی بہت زیادہ ہوتی ہے

مسلمانوں میں سے بعض لوگ تو یہودیوں کے قصابوں سے گوشت
خریدتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے ملاؤں کی موجودگی میں اس کو ذبح کرتے
ہیں لیکن یہ قصاب بہت گراں فروش ہیں پھر اگر ان قصابوں پر بھی تعصب
سوار ہو جاتا ہے تو سوائے یہودیوں کے دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں
کرتے ہیں۔

خلاصہ جواب مفتی اردن

(۱) ان لوگوں کا قول صحیح نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب سے
مراد وہ ہیں جو اپنے دین صحیح کی اتباع کرتے ہیں بلکہ دوسرے فریق حق پر ہیں
جنہوں نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اہل کتاب (کہ جن کا ذبیحہ اللہ تعالےٰ نے ہمارے
لئے حلال قرار دیا ہے) سے مراد یہی یہود و نصاریٰ ہیں۔

(۲) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان اہل کتاب نے اپنے ذبیحہ کے طریقوں کو
بدل دیا ہے لہٰذا وہ آیت کے حکم سے خارج ہیں۔ یہ قول بھی پہلے قول کے قریب
قریب ہے جو ہمارے نزدیک باطل ہے بلکہ آیت شریف مطلق ہے لہٰذا ذبیحہ
اہل کتاب خواہ وہ کسی طرح ذبح کیا گیا ہو ہمارے لئے حلال ہے اگرچہ انہوں نے

اپنے طریقۂ قدیم کو کیوں نہ بدل دیا ہو لہٰذا جب ہم یہ دیکھ ہی نہیں رہے ہیں کہ انہوں نے کس طرح ذبح کیا ہے تو ہمیں وساوس میں مبتلا نہ ہونا چاہیئے

(۳) جو لوگ یوروپ اور امریکہ کے نصاریٰ کے ذبیحہ سے ممانعت کرتے ہیں ان کے پاس سوائے وہم کے کوئی دلیل نہیں ہے پھر مانعین کا فتویٰ اباحت کا فتویٰ دینے والوں کے معارض۔ جبکہ حلت کے اکثر قائل ہیں لہٰذا اس گوشت کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے رہا احتیاط پر عمل کرنا یہ علماء کا کام ہے عوام کو اس میں نہیں پڑنا چاہیئے۔

مفتی صاحب موصوف نے یہ جوابات نہایت تفصیل سے دئے ہیں جن کو پڑھ کر ہم ان کے تبحر علمی کے معترف ہیں اور انکی تحقیقات کی قدر کرتے ہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ ہم ان سے بعض چیزوں میں متفق نہیں ہیں بہر حال اب میں اپنا تفصیلی جواب پیش کرتا ہوں۔ وھو الموفق للصواب

میرا جواب (۱) اگرچہ علماء کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ ہیں جو اپنے دین صحیح کی اتباع کرتے ہوں لیکن جمہور علماء نے اس قول کو اختیار نہیں کیا کیونکہ جس وقت آیت مبارکہ

وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم (الآیۃ)	اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے۔

نازل ہوئی ہے اس وقت بھی یہود و نصاریٰ کا حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کی ابنیت کا عقیدہ تھا ان میں اس وقت بھی نصاریٰ ثالث ثلاثہ کا عقیدہ رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے لئے اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے اور فساد عقیدے کے باوجود ان کو قرآن پاک نے اہل کتاب ہی کے خطاب سے یاد کیا ہے۔

لم يكن الذين كفروا من اهل الكتب والمشركين	نہ تھے کافر، اہل کتاب اور مشرک باز آنے والے یہاں تک

منفکین حتی تاتیھم البینۃ   آجائے ان کے پاس کھلی بات. (قیامت)

اس آیت میں "من" اسم موصول کا بیان ہے جس سے اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ یہ فرقے اپنے عقائد (ابنیت عیسیٰ وعزیر اور اصنام پرستی) سے باز آنے والے نہیں ہیں یہاں پر ان عقائد فاسدہ کے باوجود ان کو اہل کتاب سے یاد کیا گیا ہے۔ اس لئے وہ حضرات جو اہل کتاب سے مراد دین صحیح کی اتباع قرار دیتے ہیں صواب پر نہیں ہیں۔

(۲) اگر موجودہ اہل کتاب نے اپنے دین سے ارتداد نہیں کیا ہے یعنی یہودی اپنی نام نہاد یہودیت اور نصرانی اپنی نام نہاد نصرانیت پر قائم ہیں اور اپنے کو یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں تو بیشک وہ اہل کتاب ہیں سے ہیں اور اس کے متعلق ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو علمائے حنفیہ فرماتے ہیں :-

ان انتقل الکتابی الیٰ دین غیر اھل الکتب من الکفرۃ لاتوکل ذبیحتہ   اگر کوئی کتابی کافروں کے دین کی طرف منتقل ہو گیا یعنی مرتد ہو گیا تو اس کا ذبیحہ نہ کھایا جائیگا

(عالمگیری ص۲۸۵ ج ۵)

آج کل سائنسی دور ہے مذہب ایک عیب شمار ہونے لگا ہے خصوصًا امریکہ اور یورپ اور روس میں تو مذہب کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں، ہر یورپ اور امریکہ کی مردم شماری کے موقعہ پر اس قسم کی اطلاعیں موصول ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کی ایک بڑی آبادی کا کوئی مذہب نہیں ہے ایسے سلسلہ نسب کے اعتبار سے وہ اگرچہ کسی یہودی یا نصرانی کے یہاں پیدا ہوئے ہیں لیکن ذاتی طور پر وہ اپنا کوئی دین نہیں رکھتے بلکہ لادینیت ان کے نزدیک قابل فخر ہے۔ اس انکار کے باوجود اس کو اہل کتاب ہی شمار کرنا زیادتی ہے لیکن اگر وہ اہل کتاب ہے تو پھر اس کا جواب اوپر دیا جا چکا ہے

ان دو اجمالی جوابات کے بعد اب ہم ذبیحہ اہل کتاب اور مشینری کے ذبیحہ پر ذرا تفصیل سے کلام کرنا چاہتے ہیں اس کے بعد بقیہ جوابات کو بطور خلاصہ کے پیش کر دیں گے۔

تذکیہ یا ذبح شرعی

ذکات شرعی یا ذبح شرعی سے کیا مقصود ہے اور ایسا کیوں حکم دیا گیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں ہمارے سامنے دو چیزیں آتی ہیں:-

(۱) انہار دم یعنی جانور سے خون کا خارج کر دینا

(۲) دوسرے اللہ تعالیٰ کا نام لینا یہ دونوں چیزیں مقصود ہیں نہ کہ تنہا انہار دم اس لئے کہ جہاں تک انہار دم کا تعلق ہے وہ تو زمانہ جاہلیت میں بھی موجود تھا اور کافر اپنے جانوروں کا ذبح یا نحر کرتے تھے لیکن بوقت ذبح بتوں کا نام لیتے تھے قرآن نے اس کو حرام قرار دیا ہے

حرمت علیکم المیتۃ و	تمہارے لئے مردار سور کا گوشت
الدم و لحم الخنزیر و	اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام
ما اهل به لغیر اللہ	پر ذبح کئے گئے ہیں حرام ہیں

اس کے بعد آگے چل کر ارشاد فرمایا ہے

وما ذبح علی النصب	اور جو بتوں پر ذبح کئے گئے ہیں

یعنی جو جانور غیر اللہ (بتوں) کی نذر اور چڑھاوے کے طور پر ذبح کئے گئے ہیں وہ حرام ہیں۔ بہر حال یہ بات بلا شبہ ظاہر ہے کہ ذبیحہ جانوروں میں سے صرف اخراج خون مقصود نہیں ہے، اگر صرف انہار دم مقصود ہوا ہوتا تو کافروں کے ذبیحہ کو حرام قرار نہ دیا جاتا قرآن پاک میں ارشاد ہے

لا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ	اس جانور کا گوشت نہ کھاؤ جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو

بلکہ ارشاد فرمایا گیا ہے

الا ما ذکیتم — مگر جو تم نے ذبح کیا ہے

یعنی مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تمہارے لئے فلاں چیزیں حرام ہیں اور جو جانور تم نے شرعی طور پر ذبح کئے ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں اسیطرح آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنے والے یا آسمانی مذہب کے معتقدوں کا ذبیحہ بھی تمہارے لئے حلال ہے

وطعام الذین اوتوا الکتاب — اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے

حل لکم — حلال ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضؓ نے ارشاد فرمایا ہے:

طعام اہل کتاب سے مراد ان کا ذبیحہ ہے بہرحال قرآنی آیات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ تذکیہ شرعیہ یا ذبح شرعیہ میں انہار دم کے ساتھ ایک قسم کی عبادت (اللہ کا نام لینا) بھی موجود ہے

علامہ ابن عربی فرماتے ہیں:۔

ان الذکاۃ وان کان المقصود بھا انھار الدم ولکن فیھا ضرب من التعبد والتقرب الی اللہ سبحانہ لان الجاھلیۃ کانت تتقرب بذلک لاصنامھا و انصابھا (احکام القرآن ج۱ ص۱۲)

زکوۃ (ذبح) سے اگرچہ مقصود انہار دم ہے لیکن اس میں ایک قسم کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کی طرف قربت موجود ہے کیونکہ اہل جاہلیت ذبح سے اپنے بتوں کی طرف تقرب حاصل کیا کرتے تھے۔

اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے ذبح یا زکاۃ شرعیہ کے دو رکن قرار دیئے ہیں (۱) ایک ذبح محل مخصوص میں (۲) دوسرے اللہ کا نام لینا ان دونوں میں سے جو ایک چیز بھی فوت ہو جائے گی حرمت آ جائے گی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عمل کے اعتبار سے ذبح کی دو قسم ہیں ذبح اختیاری اور

ذبح اضطراری، ذکوٰۃ اختیاری میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

الا ان الذکوٰۃ فی الحلق واللبہ	ذکوٰۃ حلق اور لبہ میں ہے

یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے غرضکہ ان تمام احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے ائمہ مجتہدین نے بیان فرمایا ہے کہ وہ پانچ رگیں ہیں جن میں سے اکثر تین کا منقطع ہونا ضروری ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔

ان قطع ثلثا منہا ای ثلث کان یحل الاکل بہ (مظہری صہ۱۵ ج ۳)	اگر ان رگوں میں تین یعنی تہائی کاٹ دیں تو اس جانور کا کھانا حلال ہے

لہذا ذکوٰۃ اختیاری میں اگر کسی بھی طرح یہ رکن فوت ہو جائے گا تو وہ گوشت حلال نہ ہوگا۔ دوسری قسم ذکوٰۃ اضطراری کی ہے یعنی اگر کوئی آدمی جانور کو محل مخصوص میں ذبح کرنے سے قاصر ہے مثلاً شکار ہے یا کوئی جانور کنوئیں میں گر گیا یا دیوار میں دب گیا یا بھاگ گیا کہ ہاتھ نہیں آتا تو پھر ایسی حالت میں اس جانور کے کسی دھاردار آلہ کو اللہ کا نام لیکر پھینک کر مار دینا اور کسی بھی جگہ سے زخم کے ذریعہ خون بہا دینا کافی ہے متعدد حدیثوں میں یہی بیان کیا گیا ہے

اما الاضطراریۃ فرکنہا العقر وھو الجرح فی ای موضع کان۔ عالمگیری صہ۲۸۵ ج ۵	اور ذکوٰۃ اضطراری پس اس کا رکن زخم کسی بھی جگہ لگا دینا ہے۔

ذکوٰۃ کے ان دو طریقوں کے علاوہ نزول قرآن کے وقت اور کوئی طریقہ رائج نہیں تھا، انہی دو طریقوں کے ساتھ مسلمان اور اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا گیا ہے آج بھی اگر ان دو قسموں میں سے کسی ایک قسم پر اہل کتاب اللہ کا

نام لیکر ذبح کریں گے تو حلال ہوگا۔

یورپ اور امریکہ کا ذبیحہ

یہ بات ہم تاریخی شواہد سے ثابت کر سکتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ اور یہود و نصاریٰ قطعی طور سے اسلام کے دشمن ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ ہمیشہ اسلام کے ہر شعار اور اس کی ہر تہذیب اور اس کے ہر قانون کو مٹانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا ہے اس کو بھی رہنے دیجئے وہ سائنسی دور میں مذہبیت کو ایک نہایت فرسودہ اور بیہودہ تصور قرار دیتے ہیں اس لئے وہ جب کوئی چیز ایجاد کرتے ہیں تو ان کے سامنے ہرگز ہرگز یہ تصور نہیں ہوتا کہ ان ایجادات سے یا اس کے فعل سے کسی مذہب پر زد پڑتی ہے یا نہیں۔ یہ چیز تو پیروان مذہب کو خیال کرنا چاہئیے کہ وہ کسی چیز کے اختیار کرنے میں حدود اللہ کو منقطع تو نہیں کر رہے ہیں۔ اگر انقطاع حدود لازم آتا ہو تو پھر اجتناب ضروری ہے کیونکہ مذہب آیا ہی اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اپنا پابند بنائے نہ اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کی مرضی کے مطابق ڈھلتا اور بدلتا چلا جائے۔ اگر ایسا ہے تو پھر کوئی مذہب نہیں بلکہ ہر انسان کا وہی مذہب ہوگا جو اس کا دل چاہے گا۔

اب آیئے یورپ اور امریکہ کے ذبیحہ پر مذکورہ دو قسموں کی روشنی میں غور کرلیں۔ ذبیحہ کے سلسلے میں مختلف مشینیں ایجاد ہو چکی ہیں جن میں بقدر مشترک اتنا ہے کہ جانوروں کو مذبح میں لاکر کھڑا کر دیتے ہیں اور بجلی کا بٹن دبا دیتے ہیں اوپر سے چھری گرتی ہے اور ایک دم گردنوں کو اڑاتی چلی جاتی ہے ایسا بھی کرتے ہیں کہ جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اس کے دماغ پر داغ دیتے ہیں جس کی وجہ سے جانور پر نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے یا اس کو نشہ سا ہو جاتا ہے اس کو STUN سٹن کرنا کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے جانور کو تکلیف کم ہوتی ہے یا بالکل نہیں ہوتی STUN کے نتائج میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جسم میں بہت کچھ باریک نالیاں ہیں جو بند رہتی ہیں اور کام میں نہیں آتیں اس

کی وجہ سے وہ پھیل جاتی ہیں اور خون ان کے ذریعہ بدن کے پٹھوں اور عضلات میں پھیل جاتا ہے یہ خون نہ بہہ سکتا ہے اور نہ اس ذی حیات ہی کے کام آسکتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ جانور اگرچہ مرتا نہیں ہے لیکن اس کی حیات جسمانی کے ایک نظم میں خلل واقع ہوجاتا ہے اطباء کی اصطلاح میں اس کو مرض کہاجاتا ہے فقہ حنفی نے مریض جانور کے ذبح کے متعلق بیان فرمایا ہے

وان علم حیاتہ حلت	اور اگر جانور میں حیات تھی تو
مطلقاً وان لم تتحرك و	حلال ہے اگرچہ اس نے حرکت
لم یخرج الدم عالمگیری ج ۵ ص ۲۸۶	نہ کی ہو اور نہ اس میں سے خون نکلا ہو

لیکن اسی کے ساتھ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مشین کے ذریعے سے برقی بٹن دباکر ذبح کرنا شریعت اسلامیہ کی کون سی قسم میں داخل ہے اگر برقی بٹن کو تیر کمان کا قائمقام قرار دیا جائے (کہ وہاں کمان کی قوت سے دھاردار آلہ پھینکا جارہا ہے اور یہاں برقی قوت سے) تو جانور اس تعریف میں نہیں آتا ہے جس کیلئے حدیث نبوی نے یہ صورت جائز قرار دی ہے۔ اور ذکوۃ اختیاری بہرحال یہ ہے نہیں کیونکہ یہاں آلہ دھاردار برق کے توسط سے گردن کاٹ رہا ہے لہٰذا نصوص شرعیہ کی کوئی علت مستنبط موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے مشینری کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا جائے بلاشبہ قرآن وحدیث اور فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں مشینری کا ذبیحہ حرام قطعی ہے

ذکوۃ شرعیہ کا دوسرا رکن

تسمیہ یعنی بوقت ذبح اللہ کا نام لینا ذبح کا دوسرا رکن ہے جس کو قرآن پاک نے الا ما ذکیتم اور ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ میں بیان فرمایا ہے یہ رکن بھی اگر فوت ہوجائے گا تو ذبیحہ حرام ہوجائے گا اسی طرح سے دوسری آیت "فاذکروا اسم اللہ صواف" اور متعدد احادیث سے اللہ تعالیٰ کا بوقت ذبح نام لینا ثابت ہو رہا ہے جمہور علمائے امت کا یہی مسلک ہے

بخاری، نسائی، ابن ماجہ اور دیگر کتابوں میں متعدد حدیثیں موجود ہیں علامہ ابن تیمیہ کا بھی یہی ارشاد ہے فرماتے ہیں:۔

علیہ غیر واحد من السلف — اس پر سلف کا اجماع ہے

ہاں نسیانًا اگر بوقت ذبح اللہ کا نام لینا یاد نہ رہے تو اس کو جائز قرار دیا ہے حضرت ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں:

من نسی فلا باس و	جو اللہ کا نام لینا بھول گیا، اس گوشت
قال اللہ تعالےٰ ولا تاکلوا	کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے
مما لم یذکر اسم اللہ علیہا	اور اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے جس پر
وانہ لفسق والناسی لا	اللہ کا نام نہ لیا جائے اس کو نہ کھاؤ کیونکہ
یسمی فاسقًا (بخاری شریف)	یہ فسق ہے اور بھولنے والا فاسق نہیں ہوتا

اور بھول کر اللہ کا نام نہ لینے میں مسلم اور کتابی دونوں برابر ہیں

والمسلم والکتابی فی ترک	مسلم اور کتابی اس معاملہ میں
التسمیۃ سواء (عالمگیری ص۲۸۵)	دونوں برابر ہیں

پھر اللہ تعالےٰ کا نام لینے میں یہی ضروری نہیں ہے کہ صرف عربی زبان میں نام لیا جائے گا تو تب ہی سمجھا جائے گا، ورنہ نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے

سواء کانت التسمیۃ	برابر ہے کہ تسمیہ عربی میں ہو
بالعربیہ او بالفارسیۃ	یا فارسی میں یا کسی بھی زبان میں
او ای لسان کان	(عالمگیری ص۲۸۵ ج ۵)

بخاری شریف کی ایک روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تسمیہ ضروری نہیں ہے یہ حدیث حضرت عائشہ رضؓ نے ذکر کی ہے ملاحظہ فرمائیے باب ذبیحۃ الاعراب، ہم نے یکم مارچ کے "مدینہ" میں اس حدیث پر اتنا تفصیلی کلام کیا ہے کہ اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہتی اس لئے اس جگہ اس کا

اعادہ نہیں کیا جا رہا ہے

طعام اہل کتاب

ذکوۃ یا ذبح کے ان دونوں ارکان کو بیان کرنے کے بعد اب آج کل کے اہل کتاب، یورپ امریکہ کے باشندوں کے ذبیحہ پر ایک نظر ڈالنا مناسب ہے آج کل یورپ اور امریکہ میں بہت کم اہل کتاب ایسے ہونگے جن کو خدا کا تصور ہوتا ہو، اس لئے کہ موجودہ زمانہ کی گردشوں نے انسان کو اس جگہ لیجا کر کھڑا کر دیا ہے جہاں انسان صرف انا، انا ہی کرتا ہے ایسی صورت میں بوقت ذبح خدا کا نام لینا بعض مذہبی لوگوں ہی کا کام ہے اگر یہ کہا جائے کہ جب نسیاناً جائز قرار دیا ہے تو اگر اہل کتاب بھی بھول جاتے ہیں تو کیا مضائقہ ہے؟ بیشک، لیکن نسیان تو یہی ہے کہ تھوڑی دیر ذہول رہا اور پھر یاد آگیا لیکن آج یورپ اور امریکہ کے انگریزوں کو تو خدا کی طرف سے ہمیشہ ہی ذہول رہتا ہے اس صورت میں اہل کتاب کے ذبیحہ میں ترک تسمیہ عامداً پائی جا رہی ہے اس جگہ اردن کے مفتی صاحب نے بیان فرمایا ہے:-

"جمہور علماء اس پر ہیں کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے خواہ دین صحیح پر ہوں یا نہ ہوں خواہ انہوں نے کسی بھی طرح ذبح کیا ہو اس لئے کہ آیت مطلق ہے اس میں کسی زمان اور طریقہ کی قید نہیں ہے لہذا اگر مسلمان کے سامنے کسی موجودہ کتابی کا ذبیحہ آئے تو اس کو اس میں جانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس نے کس طرح ذبح کیا ہے خدا کا نام بھی لیا ہے یا نہیں"

اس کے بعد ایک حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

"حضرات صحابہ کے سامنے جب اہل کتاب کا ذبیحہ رکھ دیا جاتا تو کھا لیتے اور یہ نہیں پوچھتے تھے کہ یہ کیسے ذبح کیا ہے۔ الخ

کا نام بھی لیا ہے یا نہیں لیا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سوال نہیں کیا لہذا ہمیں بھی سوال نہیں کرنا چاہیئے۔

اس جگہ میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں آیت مبارکہ طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم میں ذبیحہ مراد ہے کیا یہ بتلایا جائے گا کہ اسوقت اہل کتاب سور کا گوشت بھی کھاتے تھے اگر نہیں کھاتے تھے۔ اور آج کل اہل کتاب یہود، نصاریٰ سور کا گوشت کھاتے ہیں لہذا اس بنا پر آیت مطلق نہ رہی بلکہ ذبیحہ میں حلال جانوروں کا ذبیحہ ہی داخل ہوا پھر یہ آیت جس وقت نازل ہوئی ہے اس وقت اہل کتاب اور مسلمان دونوں کا طریقہ ذبیحہ ایک ہی معروف طریقہ تھا بلکہ کافروں کا بھی وہی طریقہ تھا صرف فرق اس قدر تھا کہ کافر غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے اور مسلمان اور اہل کتاب اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے طریقۂ ذبح ایک ہی تھا جو معروف تھا اور یہ قاعدہ ہے کہ المعروف کالمشروط معروف کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے وہ خود دلالۃً معلوم ہوتا ہے اس لئے آیتہ کو اس بارے میں مطلق کہنا صحیح نہیں ہے بلکہ آیت طریقہ ذبحہ میں مجمل ہے جس کو اس وقت کا عرف اور عمل بیان کر رہا ہے اور وہ معروف ہے اس وجہ سے آیت میں مزید کسی قید کی ضرورت نہیں ہے ورنہ پھر وہی صورت پیش آجائیگی کہ جب طعام اہل کتاب مطلق ہے اور ہر زمان کے لئے مطلق ہے تو پھر موجودہ زمانے کے اعتبار سے سور کا گوشت بھی مراد لینا چاہیئے فما ہو جوابکم فہو جوابنا۔ اس جگہ جو جواب دیا جائے گا ہم بھی جواب میں وہی راہ اختیار کرینگے

بات دراصل یہ ہے کہ عرب کے اہل کتاب کے دو قبیلے تھے ایک قبیلہ بنی تغلب کا بھی تھا وہ صحیح طریقہ پر ذبح نہیں کرتے تھے باوجود آیت کے مطلق یا مجمل ہونے کے حضرت علی رض نے ذبیحہ بنی تغلب کو مستثنیٰ قرار دیدیا حضرت علی رض فرماتے ہیں

لا تاکلوا ذبائح نصاریٰ بنی تغلب — بنی تغلب کے نصاریٰ کے ذبیحہ کو مت کھاؤ۔

اس حدیث کو عبدالرزاق نے اور امام شافعی رح نے نقل کیا ہے اور امام شافعی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے چونکہ حضرت علی رض کو بنی تغلب کے نصاریٰ کے حالات معلوم تھے اس وجہ سے انہوں نے بنی تغلب کے ذبیحہ کو منع کر دیا باوجودیکہ آیت مجمل ہے۔ اسی طرح آج کل کے یہود و نصاریٰ کی حالت معلوم ہے اس لئے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تحریر فرماتے ہیں۔

ان النصاریٰ فی ھذا الزمان	اس زمانہ کے نصاریٰ ذبح نہیں کرتے
لا یذبحون بل یقتلون	بلکہ وہ وقذ کے ذریعہ قتل کرتے ہیں لہذا
بالوقذ غالبا فلا یحل	ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔
طعامھم ص ۳۶ ج ۳	

باوجودیکہ متقدمین فقہاء نے اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کے یہود و نصاریٰ آج کل کے ترقی یافتہ یہود و نصاریٰ نہیں تھے اور نہ اس قسم کے آلات ہی اس وقت ایجاد ہوئے تھے طریقہ ذبح بھی وہی قدیم تھا لیکن قاضی صاحب تو ابھی چند برسوں کے علماء میں سے ہیں وہ نصاریٰ سے بہت اچھے طریقے سے واقف ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن عابدین حال ہی کے علماء متاخرین میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں :-

والاولیٰ ان لا یاکل ذبیحتھم	اور بہتر یہ ہے کہ ان کا ذبیحہ نہ کھایا
ولا یتزوج منھم الا	جائے اور نہ اس سے مناکحت کی
للضرورۃ (ردالمحتار)	جائے مگر ضرورتاً۔

اس سے چند سطر پہلے تحریر فرماتے ہیں :-

وبہ افتی الجد	محترم دادا صاحب اسی پر فتویٰ دیتے تھے

حاصل کلام یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ کے اہل کتاب کے ذبیحہ میں ذبیحہ شرعیہ کی دونوں شرطیں مفقود ہیں (۱) یہ ذبح اختیاری یا اضطراری کی کسی قسم میں داخل نہیں (۲) اس پر اللہ کا نام عمداً ترک کیا جاتا ہے اور یہی اغلب ہے زیادہ

سے زیادہ یہودیوں کے ذبیحہ کو اس سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے مگر ایک رکن بہرحال اس میں سے بھی فوت ہو رہا ہے اس لئے دونوں ذبیحہ حرام ہیں

(۲) قرآن پاک میں نزول قرآن کے وقت ان کا طریقہ ذبح معروف تھا جس کے متعلق قرآن نے حلت کا حکم دیا تھا، اور اب موجودہ طریقہ میں دونوں رکن فوت ہونے کی وجہ سے بدل چکا ہے۔ اس لئے قرآن پاک کی مذکورۃ الصدر آیت سے آجکل کے حالات ذبیحہ خارج از بحث ہیں۔ پھر حضرت علی رضؓ کا استثنیٰ موجود ہے اسی کی روشنی میں یورپ اور امریکہ کے ذبیحہ اس آیت کے تحت داخل نہیں ہیں۔

(۳) آج کل کے اہل کتاب کے بارے میں حسن ظن قائم نہیں رکھا جا سکتا اس لئے کہ وہ سور کا گوشت بھی کھاتے ہیں اور نزول قرآن کے وقت سور کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔

(۴) اردن کے مفتی صاحب کا یہ ارشاد قطعاً غلط اور بلا دلیل ہے کہ سردیوں کی وجہ سے سرد ممالک میں گوشت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، اس ضرورت کی وجہ سے کھانا جائز ہے۔ میرے نزدیک امریکہ اور یورپ اور دوسرے سرد ممالک میں گوشت کا بدل انڈا اور مچھلی موجود ہے کیا یہ شریعت میں موجود نہیں ہے کہ جب کسی چیز کا بدل موجود نہ ہو تب اس کی اباحت کا حکم دیا جاتا ہے اور یہاں سرد ممالک میں ضرورت انسانیہ کے پیش نظر گوشت کا بدل انڈا اور مچھلی ہے اس کے علاوہ علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کسی شے کی حرمت اور حلت میں شک ہو جائے تو پھر حرمت کو ترجیح دیتے ہیں اور ناجائز قرار دیتے ہیں اور پھر اگر ضرورت پیش آئے تو قیودات کے ساتھ اس کو مباح قرار دیتے ہیں یہ بھی غلط ہے کہ حلال اور حرام کی تحقیق علمار کا کام ہے۔ ان ہی کو اس پر عمل کرنا چاہیئے اس لئے کہ حلت اور حرمت کا معاملہ مقتضائے ایمان میں سے ہے اسلئے یورپ اور امریکہ پہونچ کر کسی بھی مسلمان کو بلا تحقیق کے وہاں ذبیحہ نہیں کھانا چاہیئے۔

رویتِ ہلال اور اسلامی تقریبات

مسئلہ رویت ہلال اسلام کا ایک اہم مسئلہ ہے کیونکہ رویت ہلال ہی کے اوپر اسلامی اور دینی تقریبات مثلاً اعیاد و رمضان، حج اور دوسری چیزوں کا انحصار ہے ظاہر ہے کہ جس چیز کا تعلق فرائض، واجبات اور حرام و حلال سے ہوگا اس کو کس قدر اہمیت حاصل ہوگی علاوہ ازیں فرائض و واجبات، حرام و حلال کا تعلق عقیدے سے بھی ہے جس کی وجہ سے ایمان اور عقائد پر بھی اثر پڑتا ہے کیونکہ ادائیگی فرائض اور ارتکاب حرام و حلال سے ایمان کو تقویت یا عدم تقویت حاصل ہوتی ہے اسی وجہ سے شارع علیہ السلام نے اجتناب حرام اور ادائیگی فرائض پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ بدیں وجہ مسئلہ رویت ہلال بھی ایک اہم مسئلہ ہے اور اس سلسلہ میں جو فیصلہ بھی ہونا چاہیئے مضبوط اور محکم ہونا چاہیئے محض قیاسات، ظنیات اور حسابات سے ہی اس مسئلہ کا اثبات کرنا مناسب نہیں ہے جبکہ ان حسابات اور تخمینوں سے نصوص شرعیہ کا رد بھی لازم آتا ہے۔

اسلام کے کسی بھی مسئلہ کے اثبات کے لئے قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس سے کام لیا جاتا ہے ہر مسئلہ میں قرآن، حدیث اور اجماع امت کو فوقیت حاصل رہی ہے چنانچہ ایسی بہت سی نظیریں ہیں کہ جن میں قیاس جلی کو رد کر دیا گیا ہے وجہ غالباً اس کی یہ ہے کہ انسانوں کی مثال احکامات شرعیہ کے مقابلہ میں تابع اور محکوم کی سی ہے اور تابع کی تبعیت اور محکوم کی محکومیت

اتباع حکم ہی تک برقرار رہتی ہے اسی وجہ سے اسلامی عقائد، فرائض، واجبات اور دیگر احکامات کا عقل انسانی کے تابع ہونا ضروری نہیں ہے عقل نے تو ہمیشہ دھوکہ کھایا ہے یہ بھی انسانی عقل کا ہی کرشمہ ہے کہ خدا کے وجود کا اس نے انکار کیا ہے ایسا ذہن و قیاس جو دن رات غلطیاں کرتا ہو اپنے مزعومات کو کبھی غلط اور کبھی صحیح کہتا ہو کب اعتماد کے قابل ہو سکتا ہے اسی انسانی عقل نے ایک عرصہ تک اور برسوں کے تجربہ سے سبع سیاروں کے وجود کے علاوہ دیگر سیارگان کا وجود تسلیم نہیں کیا تھا مگر اب دس سیارگان کے وجود کا قائل ہے۔ کبھی یہی عقل انسانی حرکتِ فلک کی قائل تھی لیکن اب حرکت ارض کی قائل ہے، کبھی یہی عقل خلا میں جانے کو بالکل محال قرار دیکر معراج النبی کا انکار کرتی تھی اور اب یہ عقل اپنے پہلے عقیدہ اور خیال کو غلط کہتی ہے بلکہ خود خلا کے وجود کا اقرار کر رہی ہے۔ کبھی اسی عقل کے سامنے شق صدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بالکل جھوٹ معلوم ہوتا تھا اور اب یہی عقل قلب کے آپریشن کر رہی ہے، تو ایسی عقل ہرگز اس قابل نہیں ہو سکتی کہ جس کی اتباع میں نصوص شرعیہ کو ترک کر دیا جائے بلا شبہ عقل کی ہر بات اسی وقت قابل تسلیم ہے جب اس کا نصوص سے ٹکراؤ نہ ہوتا ہو کیونکہ اسلام انسانی عقول کے تابع ہونے کے لئے نہیں آیا بلکہ انسانوں کو اپنا تابع بنانے کیلئے آیا ہے یہی وجہ ہے کہ صدہا انقلاب گذر چکے مگر آج اسلام کی ہر تعلیم اور ہر اصول بلا تحریف موجود ہے۔

اس تمہید کے بعد مسئلہ رویت ہلال پر ذرا تفصیلی کلام کرنا چاہتا ہوں کیونکہ آج کل کے پاکستانی حساب دانوں اور رصدگاہوں کے ماہرین اور منجمین کا اصرار ہے کہ رویت ہلال کا فیصلہ ہماری تحقیق کے مطابق ہونا چاہیئے اور نصوص کو ترک کر دینا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں پاکستان نے سرکاری طور سے اس فیصلہ کو منظور بھی کر لیا ہے اور ہلال کمیٹیاں توڑ دی ہیں اس سلسلہ

میں حکومت کا ایک اعلان دسمبر ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا تھا جس کا جواب میں نے ۲۱ دسمبر ۵۹ء کے "مدینہ" میں دیا تھا، میرا وہ جواب پاکستان کے دیگر اخبارات میں بھی شائع ہوا تھا۔ اب ۲۵ اپریل کے مدینہ میں حکومت پاکستان کا فیصلہ شائع ہوا ہے ضرورت ہے کہ حکومت کے نظریہ کی تغلیط اور شرعی فیصلہ کا اثبات ذرا تفصیل سے کیا جائے۔ اس سلسلہ میں چند چیزیں قابل غور و فکر ہیں۔

(۱) اسلام نے رویت ہلال کا کیوں اعتبار کیا کیوں نہ اپنی تقریبات کو شمسی نظام پر موقوف رکھا؟ (۲) رویت سے مراد کیا ہے؟ (۳) رویت کے لئے حکومت کے فیصلہ کی ضرورت (۴) رویت کتنے طریقوں سے ثابت ہو سکتی ہے (۵) آیا قبل از وقت حکومت کو رویت کے فیصلہ کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے (اس سلسلہ میں علامہ شوکانی کی تحقیق کا مطلب اور اس کا جواب جس کو مضمون نگار نے اپنے مضمون میں بیان کیا ہے)

دینی تقریبات اور رویت ہلال

کیا وجہ ہے کہ اسلام نے دینی تقریبات مثلاً اعیاد، رمضان اور حج وغیرہ کے سلسلہ میں رویت ہلال کا اعتبار کیا ہے۔ کیوں نہ اپنی تقریبات کو نظام شمسی کے ماتحت رکھا جبکہ طلوع وغروب کے حساب سے کسی خاص اختلاف کا اندیشہ بھی نہیں تھا کیونکہ سورج کے طلوع وغروب سے دنوں ہفتوں، مہینوں اور سالوں کی گنتی اور ان کا حساب لگایا جا سکتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند سے حساب لگایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ ہم غیر پڑھے لکھے لوگ ہیں اور حساب اور لکھنا نہیں جانتے۔ الشھر ھکذا وھکذا الخ الحدیث جس سے اشارہ اسی ۲۹ اور ۳۰ دن کے مہینہ کی طرف ہے وجہ غالباً اسمیں یہ معلوم ہوتی ہے

کہ اسلام جو کل بنی آدم کی اخوۃ کا داعی اور مساوات کی تعلیم دیتا ہے اگر اپنی تقریبات کو نظام شمسی کے ماتحت کر دیتا تو دنیا کا ایک حصہ اسلامی رعایتوں سے محروم رہ جاتا مثلاً خط استوا اور اس کے ارد گرد کے ممالک جو خط سرطان اور خط جدی یا انکے ارد گرد ہیں ایک ہی موسم میں روزہ اور اعیاد کی تقریبات ادا کرتے کیونکہ روز اول ہی سے ان کے لئے رمضان اگر جون کے مہینہ میں ہوا کرتا تو ہمیشہ کے لئے یہی مہینہ ان کے روزوں کے لئے مقرر پڑتا کیونکہ نظام شمسی کے ماتحت طے شدہ امر ہے کہ جون میں گرمی ہی ہوگی بخلاف نظام قمری کے کہ اس میں ماہ رمضان ہر موسم میں بدلتا ہوا نظر آتا ہے۔ (طنطاوی)

قرآن پاک کی وہ آیات کہ جن میں چاند اور سورج کو وقت کا پیمانہ قرار دیا ہے ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ یہ مقررہ وقت کے پیمانے ہیں لوگوں کے فائدے اور حج کے لئے۔ (سورہ بقرہ)

(۲) وہی ذات جس نے آفتاب کو سراپا روشنی اور چاند کو نور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کر دیں تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو

(سورہ یونس)

(۳) اور ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کر دیں ہیں یہاں تک کہ وہ پلٹ کر پرانی کھجور کی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے نہ کہ آفتاب کیلئے (سورہ یٰسین)

ان آیات سے یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ چاند کی منزلیں مقرر ہونے کی وجہ سے سال اور برسوں کی گنتی اور حج و اعیاد کی تقریبات کا انعقاد ہوتا ہے وجہ غالباً اس کی یہ ہے کہ سورج سے سال اور مہینوں اور ہفتوں کی گنتی نہایت دشوار ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

لتعلموا عدد السنین والحساب۔	تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان سکو۔

اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے منازل قمر کا اعتبار کرتے ہوئے نظام شمسی کو ترک کر دیا ہے

لان سیرہ اسرع و بہ	اس لئے کہ چاند کی رفتار تیز ہے
یعرف انقضاء الشہور و	اور اسی سے مہینوں اور برسوں کا
السنین والشرع اعتبر	اختتام معلوم ہوتا ہے شریعت
الاھلۃ الخ (تفسیر طنطاوی ج ۲)	نے چاند کا اعتبار کیا ہے۔

لہذا اگر چاند نہ ہوا ہوتا یا اس کی منازل مقرر نہ ہوئی ہوتیں تو مہینوں برسوں کا حساب لگانا دشوار ہو جاتا اور لوگوں کو اپنے حسابات میں دشواریاں پیش آتیں (جیسا کہ آئندہ سطور میں اختلاف اقوام سے ظاہر ہوگا) (طنطاوی ص ۱۲ ج ۶)

وجہ اس کی یہ ہے کہ قمر کا ایک دورہ ۲۸ یوم میں پورا ہوتا ہے۔ یہی اس کی اٹھائیس منزلیں ہیں پہلی منزل شرطین ہے اور آخری منزل کا نام حوت ہے یہ منزل بارہ برجوں میں مقسوم ہے اور ہر برج کی ۲ ۱/۳ منزل ہے اور چاند تیس دن کا مہینہ ہونے کی صورت میں دو رات چھپا رہتا ہے اور ۲۹ دن کا مہینہ ہونے کی صورت میں ایک رات چھپا رہتا ہے اسی کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الشھر ھکذا الخ سے تعبیر کیا ہے کہ مہینہ ۲۹ یا ۳۰ دن کا ہوتا ہے اسی اختلاف کی وجہ سے چار فصل ہوتی ہیں اور ہر فصل ۳ ماہ کی ہوتی ہے اور ایک سال ۱۲ مہینہ کا ہوتا ہے اور ہر ہفتہ ۷ یوم کا ہوتا ہے اسی کے حساب سے ۷ × ۴ = ۲۸ منزل۔ اور ایک یا دو دن استتار قمر کے ہوتے ہیں اسی کی طرف شارع علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے

ان غم علیکم الھلال الخ	اگر چاند تم سے چھپ جائے تو ۳۰ دن پورے کر لو۔

اور چونکہ استتار قمر کے دو دن بھی ہیں اور ایک دن بھی اس وجہ سے یقینی طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ کس مہینے میں کتنے دن دو یا ایک دن

چھپا رہے گا لہذا استتار قمر کے بعد رویت ہلال جب ہوگی اسی دن سے قمر کی پہلی منزل کی ابتدا ہو جائے گی اس کے اثبات کے لیئے شریعت نے جہاں اپنے اور معاملات کو طے کرنے کے لیئے دو شاہدوں کا نصاب مقرر کیا ہے وہاں رویت ہلال کے لیئے بھی یہی نصاب شہادت شرط قرار دیدیا ہے ہاں صرف رمضان المبارک کے لیئے ایک ہی آدمی کی شہادت پر اکتفا کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہاں احتیاط کا تقاضہ یہی ہے اس وجہ سے فرمایا ہے

صوموا لرؤیتہ وافطروا — چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور

لرؤیتہ — چاند دیکھ کر افطار کرو۔

اور عدم رویت کی صورت میں نصاب شہادت کو قائم مقام رویت قرار دیدیا ہے اگر نصاب شہادت کا اعتبار نہ ہو تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ دوسرے معاملات میں نصاب شہادت کو لازمی قرار دیا جائے کیونکہ جب رویت ہلال کا اثبات منجمین کی آراء اور رصدگاہوں کے ماہرین کے حساب سے ہو سکتا ہے تو دوسرے معاملات بھی دیگر ذرائع سے ثابت ہو سکتے ہیں۔

اس جگہ ایک لطیفہ جو "لتعلموا عدد السنین" الایۃ میں موجود ہے اس کو بھی ظاہر کر دینا لطف سے خالی نہیں ہے معلوم ہونا چاہیئے کہ لتعلموا مضارع کا صیغہ ہے اور لام نے آکر اس کے معنی مقرر کر دئے ہیں یعنی قمر کی منزلوں سے تم آئندہ برسوں کا حساب لگا سکو گے۔ اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ استتار قمر کی یقینی مدت صرف ایک ہی دن یا صرف دو ہی دن قبل از ظہور معلوم ہو سکے اور یہ معلوم اسی وقت ہوگا جب قمر اپنی آخری منزل حوت سے سفر ختم کر کے پہلی منزل شرطین میں داخل ہوگا اور اس کا اثبات رویت اور رویت کا اثبات نصاب شہادت پر ہے۔ ورنہ قبل از مرگ واویلا لازم آجائے گا۔ اور یہ عقلمندوں کے نزدیک مناسب نہیں ہے۔

اقوام عالم کی سرگردانی

میری مذکورہ گذارش سے، شریعت میں ہلال کا اعتبار اور اس کی اہمیت بخوبی واضح ہوگئی ہوگی۔ اس کے علاوہ اقوام عالم نے اپنے حسابات کے لئے جو دوسرا معیار مقرر کیا تھا اس کو بھی ظاہر کئے دیتا ہوں

(۱) کلدانی اور اہل فارس اپنا حساب اور سال کی ابتدا شروق شمس کے اعتبار سے رکھتے تھے انہوں نے تمام ساعتوں کی تعداد ۲۴ رکھی تھی۔

(۲) یہودی غروب شمس سے اپنا حساب لگاتے تھے۔

(۳) اطالوی بھی یہودیوں کی طرح حساب لگاتے تھے۔

(۴) مصریوں کی بھی وہی رائے تھی جو فارسیوں کی تھی ان حساب سے ان کے نزدیک سال ۳۶۵ دن کا ہوتا تھا اور سال کے ۱۲ مہینہ اور مہینہ ۳۰ دن کا اس طرح سے انکو ۱۲×۳۰ = ۳۶۰ + ۵ دن لوند کے داخل کرنے پڑتے تھے لیکن ان پانچ دن کی ابتداء و شمول سورج کے شروق اور غروب اور ساعات کے ازدیاد پر موقوف تھا جو ظاہر ہے کہ کتنا دشوار مرحلہ ہے اس کے مقابلہ میں اسلام کا قاعدہ "الشھر ھکذا" کتنا سہل اور آسان ہے کہ ایک جاہل کو بھی اپنا حساب لگانے میں کسی معاونت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس کا مہینہ چاند کے ظہور سے دوسرے چاند کے ظہور تک ہو رہا ہے اور اسی کو شریعت پوشیدہ رہنے کی صورت میں دو گواہوں سے ثابت کر رہی ہے۔

(۵) چینی بھی اپنا حساب سورج سے لگاتے تھے۔

(۶) عرب اپنا حساب قمر سے لگاتے تھے اور انہوں نے چاند کی منزلوں سے حساب لگا کر ۲۹، ۳۰ دن کا مہینہ اور ۷ دن کا ہفتہ اور ۱۲ مہینہ کا سال

تسلیم کیا تھا اسی کا جواب قرآن نے یسئلونک عن الاھلۃ " سے دیا ہے
کہ یہ حساب کا ایک پیمانہ ہے تاکہ تمہیں برسوں کی گنتی لگانے میں سہولت ہو

موجودہ تحقیق کی ابتداء

آج کل کے سائنس دانوں اور ماہرین فلکیات کو اپنی تحقیقات پر بہت زیادہ اعتماد ہے ان کا کہنا ہے کہ چونکہ آج جو چیزیں ہم معلوم کر رہے ہیں یا جو تحقیق ہم نے کی ہے اس کے ہم ہی موجد اعلیٰ ہیں اس وجہ سے اسلامی تعلیمات اور احکامات کو بھی ہماری تحقیق کے مطابق ہونا چاہیئے کیونکہ آجکل کے تجربات اس حد تک پہونچ گئے ہیں کہ جن کا جھٹلانا محال ہے اس وجہ سے کیوں نہ اپنے تجربہ کے مطابق اسلامی اصولوں کو ڈھالیں حالانکہ اس سے زیادہ صریح البطلان کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ آج کی تحقیق کا جن چیزوں پر مدار ہے اس کی ابتداء بہت پہلے ہو چکی تھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو موجودہ نظریات اور اصولوں کی ابتداء بہت پہلے وجود میں آچکی تھی۔ ماہرین علم دین ان کو جانتے تھے لیکن اس کے باوجود کبھی انہوں نے اسلامی اصولوں میں ترمیم و تنسیخ کا ارادہ تک نہیں کیا چہ جائیکہ ان کو بدلتا

موجودہ علم فلکیات کا سب سے پہلا موجد جس نے بروج شمس و قمر اور حرکات فلک و سیارگان کو معلوم کیا اور شمس و قمر کی منازل تقسیم کیں وہ ہے اراتوستانس، یہ آدمی قیروان میں ۲۷۶ سال قبل مسیح پیدا ہوا تھا اور ۲۴۴ سال قبل مسیح یہ شخص اسکندریہ آیا اور ۱۹۴ سال قبل مسیح اس کا انتقال ہوا اس نے اسکندریہ آکر نظام فلکی کے متعلق ایک کتاب بھی تصنیف کی اسی نے سب سے پہلے تحقیق کیا کہ انقلاب صیفی کے وقت سورج کی شعاعیں عموداً ہوتی ہیں۔ اس کی تحقیق کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ یہ ایک مرتبہ اسکندریہ

سے دریائے نیل کے کنارے اسوان کی طرف سفر کر رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ جس قدر جنوب کو جاتا ہے شمال میں طلوع ہونے والے ستارے تدریجاً گم ہوتے جاتے ہیں تو اس نے طے کیا کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ زمین گول ہو۔ اسی عقیدہ کی بناء پر اس نے ثابت کیا کہ انقلاب صیفی کے وقت سورج کی شعاعیں اسکندریہ پر عمودی حالت میں پڑتی ہیں اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ زمین ساکت اور اجرام سماوی متحرک ہیں۔

اس محقق سے پہلے بیان کیا جاتا ہے کہ فیثاغورث نے جو کروٹونیا کی ایک درسگاہ میں علم ہیئت کا مدرس تھا دریافت کیا تھا کہ زمین حرکت کرتی اور تمام اجرام سماوی ساکت ہیں یہ محقق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۵۰۰ سال قبل پیدا ہوا لیکن اس کی تحقیق کو ارا توستانس نے غلط ثابت کیا۔ بہر حال کہاں تک ان ماہرین فلکیات کے نظریات کو بیان کیا جائے یہ سب چیزیں ظہور اسلام کے وقت سامنے آچکی تھیں اور عرب ان سے واقف تھے۔ ان سب دشواریوں کو دیکھتے ہوئے انہوں نے نظام قمری کو اپنایا تھا جس کی طرف قرآن اور احادیث نبوی نے اشارہ کیا ہے اور انسانی سہولتوں کے پیش نظر اسی حساب کو آسان قرار دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ کی طرف کس صفائی سے ارشاد فرماتے ہیں:۔

انا امۃ امیۃ لا نکتب و	ہم غیر پڑھی لکھی جماعت ہیں
لا نحسب الشھر ھکذا و	نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب
ھکذا او ھکذا	لگاتے ہیں مہینا تنے دن کا
	ہوتا ہے یعنی ۲۹ دن کا یا ۳۰ دن کا

اس حدیث آیت لتعلموا الخ نیز دیگر احادیث کی بناء پر حضور ؐ کے ارشاد الدین یسر کی کتنی اچھی وضاحت ہو جاتی ہے۔

رویت کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ایک رویت بالعین اور دوسرے رویت بالقلب۔ لیکن یہ کس طرح معلوم ہو کہ کس جگہ رویت بالقلب مراد ہے اور کس جگہ رویت بالعین مراد ہے۔ سوال لغت نے اس کا فیصلہ کیا ہے کہ جس جگہ معاملہ غیر محسوس چیز سے ہوگا وہاں رویت بالقلب مراد ہوگی یہ نہیں کہ دونوں معنی بیک وقت مراد لئے جائیں مثلاً رائیت الملک (میں نے بادشاہ کو دیکھا) میں آنکھ سے دیکھنا مراد ہے یہ مطلب نہیں ہوگا کہ میں نے بادشاہ کو قلب سے دیکھا کیونکہ بادشاہ از قبیل محسوسات ہے اسی طرح سے اگر کوئی کہے رائیت الجنۃ (میں نے جنت کو دیکھا) تو یہاں رویت سے مراد رویت بالقلب ہوگی کیونکہ جنت غیر محسوسات میں سے ہے لہٰذا یہی معاملہ ہلال کے بارے میں ہے کہ رائیت الھلال سے مراد آنکھ کا دیکھنا لیا جائے گا نہ کہ قلب اور عقل کا کیونکہ ہلال از قبیل محسوسات ہے اگر رویت میں یہ فرق نہ کیا جائے تو اسلام کے بڑے بڑے اہم مسائل کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ میں نہیں سمجھتا اور نہ کسی اہل لغت کا قول کسی لغت میں میری نظر سے گذرا ہے کہ اس نے محسوس چیز کے لئے بھی رویت بالقلب مراد لی ہو۔ حکومت پاکستان کا رویت ہلال کے معاملہ میں المنجد کے حوالہ سے رویت بالقلب مراد لینا نا سمجھی کی دلیل ہے کہ مستدل اتنے بڑے مسئلہ میں استدلال کر رہا ہے لیکن اس فرق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں اور یہ ایک بڑی ہٹ دھرمی ہے۔

حکومت نے ثبوت ہلال کے سلسلہ میں اپنے اعلان میں علامہ شوکانی کے قول سے بھی استدلال کیا ہے کہ امام اور حاکم اگر ابتدائے ماہ رمضان کے سلسلہ میں چاند ہو جانے کا فیصلہ دیدے تو جو لوگ اس کے حدود اقتدار میں ہیں

ان پر روزہ رکھنا واجب ہے اگرچہ ان سب کا افق ایک نہ ہو الخ۔ (مدینہ ۲۸ اپریل ۱۹۶۰ء)

یہ استدلال بھی ظاہر البطلان ہے (۱) ابتدائے رمضان سے مراد قبل رویت ہے یا بعد رویت؟ قبل رویت تو ہو نہیں سکتا کیونکہ جب ہلال دو دن یا ایک دن اپنی آخری منزل میں مستتر ہے تو علامہ شوکانی کے پاس اس وقت کونسا آلہ تھا جس سے انہوں نے پتہ چلالیا اور اگر پتہ چلا یا تو علامہ شوکانی جیسے کٹر ظاہر حدیث پر عمل کرنے والے ابوداؤد کی مذکورہ حدیث کے ذیل میں کیوں اپنے قول کے خلاف کہہ رہے ہیں

ولا یلتفت ما قال ابن عبد البر۔ ابن عبد البر نے جو فرمایا ہے وہ قابل التفات نہیں۔ علامہ ابن رشد نے ہدایۃ المجتہد میں اس قول کے خلاف اجماع نقل کیا ہے۔

(۲) اس وجہ سے بھی یہ قول قابل استدلال نہیں ہے۔ جب یہ بات ظاہر ہے کہ اختلاف افق کی وجہ سے اختلاف رویت ہوتا ہے (جس کو آجکل کے ماہرین بھی تسلیم کرتے ہیں) اسی کے مطابق حضرت عبداللہ ابن عباس نے ابن کریب اور معاویہ کی ملک شام والی رویت کا اعتبار نہیں کیا تھا اور یہ معاملہ صحابہ رض کے ایک بڑے مجمع کے سامنے پیش آیا تھا صحیح بات وہی ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اگر کسی وجہ سے چاند نظر نہ آئے خواہ سبب استتار قمر ہو، اب دو فیصلوں کو قائمقام رویت کے قرار دیا جائے گا۔

گھڑی گھنٹہ سے استدلال

حکومت نے گھڑی گھنٹہ وغیرہ سے استدلال کیا ہے کہ جب کہ نماز کے لئے ان کو استعمال کیا جاتا ہے تو کیوں نہ ماہرین فلکیات کے اقوال کو اور حساب کو رویت کے سلسلہ میں معتبر مانا جائے۔ یہ قیاس بھی غلط ہے کیونکہ بحث رویت کے قبل از وقت

ماننے میں ہے نہ کہ بعد از وقت مثلاً اگر یہ کہدیا جائے کو فلاں تاریخ کو فلاں وقت
کی نماز جب سائرن بجے یا گھڑی اتنا وقت بتلائے تو ادا کرلی جائے شرعاً قابل
قبول نہ ہوگا کیونکہ اگر متعینہ تاریخ کو نماز کا وقت شروع نہیں ہوتا تو لاکھ گھڑیاں
بجیں سب مردود ہونگی گھڑیوں کو ہم اس وجہ سے تسلیم کرتے ہیں کہ وقت نماز
شروع ہونے پر گھڑیاں اس کے مطابق اور حساب اس کے موافق ہوجاتا ہے
اسی طرح ماہرین فلک کا قیاس ثبوت رویت ہونے کے بعد مزید تقویت کا باعث
ہوسکتا ہے اور اس کو فقہا خبر مستفیض کے ذیل میں شمار کرسکتے ہیں۔ کیونکہ خبر
مستفیض نام اس خبر کا ہے کہ مختلف ذرائع سے ناقابل تردید طور پر یہ بات ثابت
ہوجائے کہ آج چاند ہوگیا ہے۔ یہ خبر بعد از وقوع ہوتی ہے نہ کہ قبل از وقوع
قبل از وقوع کا نام پیشین گوئی ہے اور پیشین گوئی کو اسلام تسلیم نہیں کرتا، سو ماہرین
فلک قبل از وقت چاند ہونے کی پیشنگوئی کرتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو چاند ہوگا جو
شرعاً اور عقلاً معتبر نہیں ہے۔

رویت ہلال اور جنتریاں

مخدوم و مکرم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

تازہ مدینہ میں رویت ہلال پر مضمون... شوق اور غور سے پڑھا جزاک اللہ بیشتر حصہ سے اتفاق ہے دو ایک پہلو پر کچھ کہنا بھی ہے۔ مضمون کا جو خلاصہ آپ نے خاتمہ پر دفعہ وار دیا ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ دفعہ ۱، دفعہ ۴، دفعہ ۵ دفعہ ۶ بالکل صحیح و معقول ہے۔ البتہ دفعہ ۲ پر یہ جرح ہوتی ہے کہ جس نظام توقیت کو آپ سب حضرات نے تمامتر تسلیم کرلیا ہے اور اسی کے مطابق ہر مسجد میں نماز افطار سحر وغیرہ کا نقشہ ٹنگا رہتا ہے اسی کا ایک جزو مطلع ہلال ہے اس ایک جزو کو ماننے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ موسمیات کی سائنس ابھی خام و نامکمل ہے لیکن طلوع و غروب، کسوف و خسوف، وغیرہ اوقات شمس و قمر بالکل بہ قاعدہ ریاضی مرتب ہوئے ہیں پچاسوں برسوں کی پیش بینی منٹ سکنڈ تک کر دی جاتی ہے۔ دفعہ ۲ رویت کے لئے لازمی نہیں کہ ہر حال میں بصری ہی ہو جو علم یقینی طور پر حاصل ہو رویت کے حکم میں داخل ہے قرآن مجید میں "ارأیت" "الم تر" وغیرہ بیسیوں صیغوں کا اطلاق غیر بصری موقعوں پر ہوتا ہے۔ والسلام

دعاگو عبدالماجد دریابادی

۱۵ / مارچ ۱۹۶۶ء

میں حضرت مولانا مدیر مجیب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ان باتوں کی طرف توجہ دلائی جنکو سابقہ مضمون میں صاف ہو جانا چاہیئے تھا اس وقت میں خود ان چیزوں کو صاف کرنا چاہتا تھا مگر سہواً قلمبند نہ ہو سکیں جنکو اب پیش کرتا ہوں۔

گھڑی گھنٹوں سے استدلال

اسلامی عبادات (روزہ نماز وغیرہ) کیلئے وقت معیار یا ظرف کی حیثیت رکھتا ہے جب وقت کا وجود مکلف کے اعتبار سے ہو جائیگا تب ہی وہ اس عبادت کا مخاطب ہو گا جہاں تک نفس وقت کا تعلق ہے وہ معدوم نہیں ہے بلکہ موجود ہے مثلاً مغرب کا وقت، غروب آفتاب پر شروع ہوتا ہے سورج کی رفتار کے اعتبار سے مغرب کا وقت دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں ضرور موجود ہوتا ہے مثلاً امریکہ میں جس وقت مغرب کے وقت کا تحقق اور وجود ہے اسوقت ہندوستان میں نہیں۔ ہندوستان کا مسلمان اسی وقت مغرب کی نماز کا مخاطب ہوگا جب اس کے اعتبار سے مغرب کا وقت ہو جائے گا

علم ریاضی نے طلوع وغروب اور سحر وغیرہ کے اوقات کی اطلاع اپنے نقشوں کے ذریعہ جودی ہے اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ رعایتی الفاظ میں خبر کے درجہ میں ہے مثلاً ریاضی داں نے فہرست دی کہ فلاں فلاں تاریخ کو اس وقت طلوع اور اس وقت غروب ہوگا اگرچہ احتمال جہت مخالف کا بھی ہے کیونکہ خبر کے اندر صدق وکذب دونوں احتمال موجود ہیں اس کو خبر صادق اس وقت کہا جائے گا جب تاریخ مقررہ پر خارج میں جو وقت موجود ہے اس سے مطابقت ہو جائے لیکن اگر مطابقت نہ ہو تو محض اس خبر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے بتلائے ہوئے وقت پر نماز ادا کرنا صحیح نہ ہوگا جب کہ وقت اس کے خلاف ہو اور یہ ظاہر ہے کہ دیانات وعبادات میں محض خبر واحد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا جبکہ اس کا مخبر بھی مجہول یا غلط ہو۔ اس کے باوجود مسجد میں ٹنگے ہوئے نقشوں کا استعمال کرنا ان کو تسلیم کرنا نہیں ہے اس لئے کہ استعمال اور چیز ہے اور تسلیم کرنا اور چیز ہے۔ ان کا استعمال ہم اس وجہ سے کرتے ہیں کہ یہ نقشے وقت بتلانے پر اعانت کرتے ہیں نہ یہ!

وقت بتلاتے ہیں علاوہ ازیں اگر یہ نقشے اور گھڑی گھنٹے اپنی کسی خامی اور کمزوری یا غلطی کی بنا پر وقت غلط بتلاتے ہیں تو آنکھیں وقت کو دیکھ کر فوراً تردید کر دیتی ہیں اور پھر عمل اس پر کیا جاتا ہے جو مشاہدہ ہوتا ہے علاوہ ازیں گھڑی گھنٹوں اور نقشوں کا استعمال سہولت کی وجہ سے ہے پھر غلطی کی صورت میں جلد ہی اس کی تردید ہو جاتی ہے یہ بات رویت ہلال کے متعلق نہیں ہے اس لئے کہ علم ریاضی نے جس تاریخ پر رویت کی خبر دی ہے اگر اسی کو تسلیم کرتے ہوئے اعلان رویت کر دیا جائے تو خارج میں اس کی تردید کے لئے کچھ موجود نہیں ہے اگر ہے تو معیار رویت ہوگی نہ کہ تقویم۔ تقویم زیادہ سے زیادہ خبر کی حیثیت رکھ سکتی ہے لہذا اس جگہ بھی تقویم کے استعمال سے اعانت حاصل کی جا سکتی ہے جو دوسرے قرائن اور اخبار کے ساتھ رویت کے لئے خبر مستفیض کے لئے مفید ہو سکتی ہے الحاصل انسان اپنے افکار کی تخلیقات کو استعمال کر سکتا ہے معیار نہیں بنا سکتا معیار وہی ہے جس کو خدا اور اس کے رسول نے معیار مقرر کر دیا ہے اور وہ ہے خارج میں وقت کا وجود یہ غلط ہے کہ ریاضی کی ان ایجادات کو ہم نے تسلیم کر لیا ہے۔ تسلیم نہیں کیا بلکہ ایک سہولت کے لئے ان ایجادات کو استعمال کرتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ مطابق للواقعہ نہ ہونے کی صورت میں اس کی تردید بھی کر دیتے ہیں اور اس کے خلاف پر عمل کرتے ہیں۔

رویت کے معنی

انسان کے پانچ حواس ظاہرہ ہیں اور پانچ حواس باطنہ ہیں۔ حواس خمسہ ظاہرہ کا نام اور کام جدا جدا ہے مثلاً ہاتھوں سے چھونا، زبان سے چکھنا، کان سے سننا، ناک سے سونگھنا آنکھ سے دیکھنا۔ حواس ظاہرہ کے ذریعہ سے انسانی دماغ میں اس کی صورت مرتسم ہو جاتی ہے پھر دماغ کے بھی مختلف حصے ہیں جن کے کام بھی مختلف ہیں۔ عربی ادب میں یہ قاعدہ ہے کہ وہ کلام میں حسن پیدا کرنے کے لئے تشبیہ

واستعارہ بھی استعمال کرتا ہے اسی قبیل سے مجاز مرسل بھی ہے جس کے تقریبًا ۱۶ طریقے ہیں اور بعض نے ۲۲ طریقے گنوائے ہیں جن کی بنا پر کبھی سبب بولتے ہیں لیکن مسبب مراد ہوتا ہے ایسے ہی لازم بولتے ہیں لیکن ملزوم مراد ہوتا ہے بایں ہمہ یہ بات ضرور ہے کہ فریقین میں ادنیٰ ملابست ضرور ہوتی ہے ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ ادنیٰ درجہ کی بھی ملابست نہ ہو اور مراد کچھ اور لے لیا جائے اس کے بعد اب ہم قرآن پاک سے اس لفظ کے معنیٰ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

رویت کے معنیٰ ادراک مرئی کے ہیں اور نفس کے مختلف قویٰ کے اعتبار سے اس کی مختلف قسمیں ہیں اول یہ ہے کہ آنکھ یا جو آنکھ کے قائمقام ہو دیکھنا۔ مثلاً:۔

لترون الجحیم ثم — تم دیکھو گے دوزخ کو پھر دیکھو گے
لترونھا عین الیقین — یقین کی آنکھ سے۔

یعنی بچشم سر دیکھو گے۔ اس جگہ عین الیقین سے دیکھنا سے مراد غالبًا وہ کیفیت ہے جو دیکھنے کے بعد ایقان واذعان کی حاصل ہوتی ہے اس کیفیت کے حصول کے بعد یہ ضروری نہیں ہے کہ شئے مرئی سامنے موجود ہو بلکہ یہ کیفیت حاصل ہونے کے بعد قلب کو مشاہدہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور مشاہدہ بھی ایک کیفیت قلبی کا نام ہے۔

فسیری اللہ عملکم — اب اللہ تمہارے عمل دیکھے گا۔

اللہ تعالےٰ اعضاء سے منزہ و پاک ہے لیکن چونکہ اعمال کے دیکھنے کا تعلق آنکھ سے ہے اسی مناسبت سے یہاں بھی لفظ رویت کا اطلاق ہو رہا ہے۔

ولو تریٰ اذ یتوفی الذین کفروا — اور اگر آپ دیکھیں جب مرتے ہیں کافر

یہاں دیکھنے سے مراد خیال کرنا ہے لیکن آدمی کو دم نکلتے دیکھنا یہ بھی شئے مرئی ہے اگرچہ اس وقت موجود نہیں ہے اس کی صورت خیالیہ تو موجود ہے اور اس کا تعلق رویت بالبصر سے ہے۔ غرض کہ الم تر' اَفرأیت' ماکذب الفواد ما رای، قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی یہ لفظ آیا ہے ایک جگہ بھی ایسی نہیں ہے کہ معنی مراد کا اپنے اصل سے کچھ جوڑ نہیں بلکہ بلا استثناء سب کا تعلق مرئیات سے ہے اگرچہ معنی خیال کرنا، سوچنا فکر کرنا وغیرہ ہیں اور اس کے لئے قرائن و اسباب ہیں۔ ایسا ناممکن ہے کہ معنی موضوع لہ سے ہٹ کر بلا وجہ مناسبت یا قرائن غیر موضوع لہ مراد ہوئے ہیں یہی حال رویت ہلال کا ہے ہلال از قبیل مرئیات ہے جس کا تعلق رویت بالبصر سے ہے رویت قلبی یا ذہنی سے اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ اگر معنی ثانی مراد لئے جائیں تو اس کے لئے کوئی قرینہ وجہ ضرور بیان کرنا ہوگی۔ حدیث شریف میں موجود ہے

صوموا لرویتہ و   چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند

افطروا لرویتہ   دیکھ کر افطار کرو۔

اور یہ چیز نہایت واضح ہے کہ غیر ماوضع لہ اسی وقت مراد ہوتے ہیں جہاں معنی حقیقی مراد لینا متعذر و دشوار ہوں لیکن جہاں معنی ماوضع لہ مراد لینے میں کوئی تعذر یا دشواری نہیں وہاں مجاز مرسل کے طریقوں کو جاری کرنا نا ممکن اور غلط در غلط ہے اس کے علاوہ کوئی مسئلہ یا حکم عبارۃ النص سے ثابت ہے تو کیا ضرورت ہے کہ اقتضاء النص سے اس کو ثابت کیا جائے اقتضاء النص تو بوقت تضاد مرجوح قرار دیدی جاتی ہے اس کے علاوہ ایک خاص بات یہ بھی سوچنے کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت صفائی سے ارشاد فرمایا ہے:۔

"ہم غیر پڑھی لکھی جماعت ہیں نہ حساب جانیں اور نہ لکھنا۔ مہینہ اتنے اتنے دنوں کا ہوتا ہے جب چاند بادل کی وجہ سے نظر نہ

آئے تو تیس دن پورے کر لیا کرو۔"

یہ حدیث صحیح ہے جس میں آپ نے امت کو حساب اور فکر کی زحمت سے بالکل نکال دیا ایسی صورت میں رویت کے دوائر کا معنی مراد لینا نصوص شرعیہ کے قطعاً خلاف ہے۔

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جن ذرائع سے یقین نہیں بلکہ غلبہ ظن حاصل ہو جائے حکم دیدیا جائے گا اور غلبہ ظن شریعت کے اصول کے مطابق دو طرح سے ہو جاتا ہے شہادت یا شہادت کے قائم مقام خبر مستفیض۔ اگر رویت نہ ہو تو پھر یہی دو طریقے ہیں ان دو ذرائع کے علاوہ کوئی بھی تیسری صورت غیر معتبر ہے اس لئے کہ شریعت نے اس کے لئے کوئی نشان دہی نہیں کی ہے اور تقویمات یا ریاضی کی پیش بینیاں نہ شہادت ہیں اور نہ خبر مستفیض اس لئے اسے غلبہ ظن حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس جگہ یہ بھی عرض کر دوں ابھی ۵ سال کے عرصہ میں ماہرین موسمیات اور ریاضی دانوں نے اس قدر غلط خبریں دی ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ پایہ اعتبار سے ساقط ہیں اخبارات کے وہ تراشے اور بیانات میرے پاس موجود ہیں جن سے ان کی تردید ہو رہی ہے بخوف طوالت ان سے گریز کرتا ہوں

الحاصل :۔

(۱) حکم شرعی یقین یا غلبہ ظن پر دیا جاتا ہے اور اس کے لئے خدا اور اس کے رسول نے جس چیز کو معیار مقرر کر دیا ہے وہی معیار ہے انسانی افکار معیار نہیں بن سکتے۔

(۲) یقین رویت سے حاصل ہو جاتا ہے اور اس پر حکم شرعی دیا جاتا ہے

(۳) رویت نہ ہونے کی صورت میں غلبہ ظن شہادت اور خبر مستفیض سے حاصل ہوتا ہے اور اس پر بھی حکم دیا جاتا ہے۔

(۴) تقویمات اور ریاضی کے نقشوں کا استعمال سہولت کے لئے ہے

جو رعایتی الفاظ میں خبر مستفیض کے دوسرے طریقوں کے ساتھ مل کر خبر مستفیض کے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔

(۵) تقویمات اور نقشوں کے استعمال کو تسلیم کرنا نہیں کہتے کیونکہ تسلیم کرنے اور استعمال میں فرق ہے۔

(۶) قرآن پاک میں لفظ "رویت" کا استعمال مختلف معنی میں مجاز مرسل کے طور پر ضرور ہے لیکن ملابست اور مناسبت ضرور ہے ایسا نہیں ہے کہ بلا مناسبت اس کا استعمال ہے۔

(۷) مسئلہ زیر نظر میں احادیث میں اس لفظ کے معنی بیان کرنے میں مجاز مرسل نہیں ہے بلکہ معنی ما وضع لہ مراد ہیں اور معنی غیر ما وضع لہ (فکر وغیرہ) مراد لینے کے لئے ادنی درجہ کا قرینہ بھی موجود نہیں ہے اور نہ کوئی تعذر ہے

(۸) شارع علیہ السلام کے منشا کے خلاف دوسری چیزوں کو معیار نہیں بنایا جا سکتا اور شارع علیہ السلام کے ارشاد میں کوئی رمز کنایہ موجود نہیں ہے جس سے تقویمات کو معیار بنانے میں مدد ملے۔

رویت ہلال اور ریڈیو

رویت ہلال کا معاملہ مثل دوسرے معاملات کے نہیں ہے کہ جن میں اولاً دعوی اور پھر ثبوت دعویٰ کے لئے نصاب شہادت شرط ہے ان معاملات میں شہادت کا درجہ شہادت ملزمہ کا درجہ ہے جس کے بعد حاکم فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے بخلاف رویت ہلال کے کہ اس میں دعوی شرط نہیں ہے اس لئے اس کی شہادت میں قدرے نرمی ہے کیونکہ یہاں علم قطعی مدار نہیں ہے بلکہ غلبہ ظن مدار ہے

قال العلامة عینی تحت قول صاحب الهداية يقع العلم الخ
واراد بالعلم الشرعی وھو غلبة الظن لا العلم القطعی
وايضا قال واراد بالعلم طمانينة القلب اذ حقيقة العلم
لا تتصور فيه اھ البنایة ص۱۳۱۲ مطبوعہ نولکشور

چنانچہ وہ معاملات جن میں دعویٰ شرط نہیں ہے جیسے "عتق الامة" طلاق حرہ " شہادة قابلہ ، وغیرہ ان میں شہادتوں سے غلبۂ ظن یا طمانینت قلب حاصل ہو جاتی ہے۔ یہی حال شہادت رویت ہلال کا ہے پس اصل بنیاد ثبوت رویت کے لئے حصول غلبۂ ظن یا طمانینت قلب ہے اسی بنیاد پر تمام مسائل و جزئیات متفرع ہوتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ۹ رمضان المبارک پائے جن میں سے دو رمضان المبارک ۳۰ کے ہوئے اور ۷ رمضان المبارک ۲۹ کے ہوئے ایک رمضان المبارک ایسا ہوا جس میں شہادتیں دوپہر کو

مہیا ہوئیں اور اگلے دن عید کی نماز ادا کی گئی۔ (مرقاۃ المفاتیح باب رویۃ الہلال)

رویت ہلال کے ثبوت کے لئے آیت مبارکہ فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ الآیۃ کے تحت رویت عامہ ہو یا شہود شہر کے لئے شہادت ہو تمام احادیث سے یہی تفسیر متحقق ہوتی ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں ہے کہ فقہاء کرام نے خبر مستفیض کی بھی ایک استثنائی صورت نکالی ہے اور عالم اسلام کا اس پر تعامل بھی ہے گو متعدد معاملات میں خبر مستفیض کا اعتبار کرتے ہوئے حکم جاری کرنے کی نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں

رویت ہلال کے بارے شمس الائمہ نے تحریر فرمایا ہے:۔

الصحیح من مذہب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اہل البلدۃ الاخریٰ یلزمہم حکم ہذہ البلدۃ الخ (ردالمحتار ص۱۰۲)

علامہ ابن عابدین نے شمس الائمہ کی تائید میں فرمایا ہے:۔

قلت وجہ الاستدراک ان ہذہ الاستفاضۃ لیس فیہا شہادۃ علی قضاء قاض ولا علی شہادۃ ولکن لما کانت بمنزلۃ الخبر المتواتر وقد ثبت بہا ان اہل تلک البلدۃ صاموا یوم کذا۔ لزم العمل بہا لان البلدۃ لا تخلوا عن حاکم شرعی فلابد من ان یکون صومہم مبنیا علی حکم شرعی فکانت تلک الاستفاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور وھی اقوی من الشہادۃ۔ بان اہل تلک البلدۃ راوا الہلال وصاموا لانہا لا تفید الیقین الی قولہ بخلاف الاستفاضۃ فانہا تفید الیقین لادینا فی ماقبلہ۔ ھذا ماظہر لی۔ اھ۔ ردالمحتار ص۱۰۲

علامہ شامی نے مذکورہ عبارت میں استفاضہ کی تعریف نہیں کی ہے جو باعث خلجان ہو جیسا کہ فاضل مستفتی کو علامہ حمتی کی عبارت کی وجہ سے ایک تضاد نظر آرہا ہے حالانکہ نظر فقیہہ میں بات بہت واضح اور صاف ہے لہذا!

ا۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک خبر مستفیض کا اعتبار ہے

ب۔ خبر مستفیض اگرچہ شہادت نہیں ہے لیکن پھر بھی اس سے یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے فرمایا ہے۔ فانہا تفید الیقین الخ۔

ج۔ یقین سے مراد غلبۂ ظن یا طمانیت قلب ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

د۔ علامہ موصوف نے استفاضہ کی تعریف نہیں کی بلکہ اس کے معتبر ہونے کے دلائل اور وجوہ بیان کئے ہیں۔ جیسا کہ ان کے الفاظ قلت وجہ الاستدراک سے ظاہر ہے

س۔ علامہ رحمتی نے استفاضہ کی تعریف نہیں کی یہ تفسیر فقہاء کی ان تصریحات سے ماخوذ ہے جو انہوں نے جمعٌ عظیمٌ کے تحت تحریر فرمائی ہیں اگر اس جگہ البنایہ ص ۱۳۱۴ مطبوعہ نول کشور، فتح القدیر ص ۲۸۵ مطبوعہ نول کشور، مراقی الفلاح مع حاشیہ طحطاوی ص ۳۹۶، مجمع الانہر ص ۲۳۶، عمدۃ الرعایہ ص ۳۰۹ کو ملاحظہ فرمالیا جائے تو انشاء اللہ اشکال دفع ہو جائیگا۔ شمس الائمہ کی عبارت ان الخبر اذا استفاض وتحقق الخ اتنی واضح ہے کہ محتاج بیان نہیں ہے۔ ترتیب عبارت سے واضح ہے کہ جب خبر مستفیض ہو جائے گی وہ تحقق کا درجہ اختیار کرلے گی۔ اگر عبارت کو یوں کردیا جائے اذا تحقق واستفاض الخبر تو یہ غیر فقیہانہ بات ہوگی الحاصل شمس الائمہ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بہت جامع ہے اور علامہ شامی نے اس کے حق میں دلائل دئیے ہیں علامہ رحمتی نے اس کی ایک صورت ذکر کردی ہے جس کی تردید نہیں کی بلکہ تحسین

کی ہے جن سے علامہ شامی کے دلائل اور وجوہ پر اثر نہیں پڑتا اور علامہ رحمتی کی تفسیر
اور تعبیر پر اکتفار کرنے سے مسئلہ کی اصل بنیاد حصول غلبۃ الظن یا طمانینت قلب
صرف اسی طریقہ میں مفید ہو جائے گی حالانکہ فقہار نے بیان کیا ہے ذلک یختلف
باختلاف الاوقات والاماکن وتتفاوت الناس صدقا۔ (مراقی ص۲۹۶)
لہذا خبر مستفیض کے قبول کرنے کا معاملہ بمسلک امام اعظم رح کے مطابق
رائے امام پر موقوف ہے۔ ملاحظہ فرمائیے مندرجہ بالا۔ حوالہ جات۔

آلات جدیدہ ریڈیو وغیرہ شہر عرب کی آبادی کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں
استفاضہ خبر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اسلام جب گنجان آبادیوں (عجم) میں
آیا اور ذرائع آمد و رفت کی سہولتوں کے ساتھ خبریں منتقل ہوئیں تو استفاضہ خبر کو
استحساناً جائز قرار دیا گیا ہے اور جیسا کہ مراقی الفلاح کی عبارت سے ظاہر ہے
کہ زمان، مکان، اور انسانوں کی تبدیلی سے خبر مستفیض کی حدود بھی مختلف ہو جائیں گی
موجودہ رسل و رسائل کے زمانہ میں ذرائع جس حد پر بھی پہونچ کر حصول
غلبۂ ظن یا طمانینت قلب کا فائدہ دینگے خبر مستفیض کہلائیں گے لیکن اصل بنیاد
خبر مستفیض کی رویتہ عامہ یا شہادت یا حکم حاکم ہی رہے گا۔ مثلاً کسی جگہ کی رویت
کے بارے میں ٹیلیفون بھی آگیا، تار سے بھی معلوم ہو گیا، خطوط بھی موصول ہو گئے
ریڈیو نے بھی پکار دیا، تو ان چیزوں سے خبر مستفیض بن جائے گی ملاحظہ فرمائیے
علامہ شامی کی عبارت اور علامہ رحمتی بھی یہی کہہ رہے ہیں لیکن تنہا ایک ہی چیز پر
خبر واحد رہے گی خبر مستفیض نہیں ہو گی۔

ریڈیو کا معاملہ ذرا کچھ مختلف ہے (اس جگہ مستفتی مدظلہ کو ۸ ستمبر ۱۹۶۷ء
جمعہ ایڈیشن میں اپنا مضمون اور ۲۹ ستمبر ۱۹۶۷ء جمعہ ایڈیشن میں راقم الحروف کا
مضمون ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ مختصراً عرض ہے۔

(۱) ریڈیو کی خبر اگر خبر محض ہے تو وہ ایسی ہے جس کو تعامل کی قوت حاصل

ہے کہ سیاسی پروپیگنڈہ کو چھوڑ کر عام طور پر ریڈیو کے ضابطہ کو دیکھتے ہوئے خبر غلط نشر نہیں ہوتی۔ اس خبر کی دو حیثیت ہیں ۱ خبروں کے عام بلیٹن کی طرح یہ بھی نشر ہو کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا اور اس خبر کا انتساب کسی طرف نہ ہو۔ ۲ رویت ہلال کی یہ خبر کسی کی طرف منسوب ہو (کما سیاتی) اس خبر کو خبر نہیں کہا جائے گا بلکہ یہ خبر اعلان ہوگی۔

ب۔ خبر ۱ کے لئے مسلم کی قید ضروری ہے اس لئے کہ دین کے معاملہ میں کافر کی خبر معتبر نہیں البتہ معتمد کی قید بلا ضرورت ہے جیسا کہ جمعیۃ علماء ہند کے فیصلہ میں ہے کیونکہ ریڈیو کے ضابطہ کے تحت اعتماد موجود ہے۔

ج۔ خبر ۱ اگر متعدد جگہ کے ریڈیو اسٹیشن نشر کریں۔ یا ایک جگہ کا ریڈیو اسٹیشن متعدد جگہ کی خبر اسی نوعیت کی نشر کرے یا متعدد ذرائع حصول خبر سے۔ ایک جگہ کی رویت یا فیصلہ ہلال کمیٹی کی تصدیق ہو جائے تو یہ خبر استفاضہ کی صورت اختیار کرلے گی بشرطیکہ نشر کرنے والا مسلمان ہو۔

د۔ خبر ۲ اگر ثقہ اور معتبر عالم کی طرف منسوب ہو کہ فلاں جگہ فلاں صاحب نے یا فلاں جگہ کی رویت ہلال کمیٹی نے رویت عامہ ہونے کی وجہ سے یا شہادت لے کر چاند کا فیصلہ کر دیا ہے۔

ا، ب، ج علامہ ابن عابدین کی عبارت فکانت تلك الاستفاضة بمنزلة نقل الحکم الخ سے خبر استفاضہ ۱ اور ۲ دونوں کی تائید ہو رہی ہے اگر ۲ پر کوئی نقص وارد ہو سکتا ہے تو اس کا دفعیہ علامہ ابن عابدین کی عبارت لان البلدة لا تخلوا الخ میں موجود ہے امید کرتا ہوں کہ اس جگہ مستفتی صاحب فقہی نص کا جو مطالبہ کیا ہے وہ پورا ہو گیا ہوگا۔

مستفتی صاحب نے جو یہ تحریر فرمایا ہے اگر متحقق قرار نہیں دے سکتے تو اس یقین کو کیسے ختم کریں الخ، مناسب نہیں اس وجہ سے کہ یقین کا پیدا ہونا خود متحقق ہونے پر موقوف ہے۔ تحقیق کے بعد ہی غلبہ ظن یا طمانینت قلب یا مستفتی کے الفاظ میں

یقین پیدا ہوتا ہے علاوہ ازیں لفظ قدرتی طور الخ خود یقین کے محکم ہونے پر دلیل ہے کہ یہ بہکائے سکھائے کا یقین نہیں ہے بلکہ یہ قدرتی طور پر یقین پیدا ہوا ہے یہ بات تو غالب ظن سے بھی آگے بڑھ کر ہے۔

الحاصل

اگر خبر ریڈیو سے نشر ہونے والی تبیل ۱ سے ہے تو نافذ العمل ہونے میں قضا اور فیصلہ کی محتاج ہوگی۔ اس لئے فیصلہ سے قبل روزہ توڑنا جائز نہیں ہوگا فیصلہ خلاف ہونے کی صورت میں صرف قضا لازم آئے گی کفارہ نہیں۔ اگر یہ قبیل ۲ سے اعلان ہے لیکن یہ اعلان یا تو کسی ثقہ عالم کی طرف سے ہو یا ثقہ ہلال کمیٹی کی طرف سے ہو اس اعلان کا دائرۂ عمل زمین کا اس قدر رقبہ ہے گا جس میں اختلاف مطالع ہو سکتا ہے (کما سیاتی) یہ اعلان ہونے پر اس رقبہ کے مرکزی شہروں کی ہلال کمیٹیاں اس اعلان کا اجرار کریں یہ بربنائے احتیاط اور انتظام ہے کیونکہ عوام اعلان اور خبر میں تمیز نہیں کر سکتے۔ میں عرض کرتا ہوں قبیل ۲ کیا ڈانس پر لاؤڈ اسپیکر سے ہونیوالے اعلان، شہر میں بھنگی کی منادی، گولوں اور توپ کے داغنے سے کم ہے؟ ہاں انتظاماً یہ بہتر ہے کہ ہر جگہ کے ثقہ علمار یا ہلال کمیٹیاں اجرار کریں۔ اعلان درست ہونے کی صورت میں قضا اور کفارہ کا سوال ہی نہیں۔

۸۔ ہندوستان میں حاکم شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہر شہر کے ثقہ اور اہل فقہ علمار اپنے اپنے علاقہ میں حاکم شرعی اور قاضی کے قائم مقام ہیں

العالم الثقه فی بلدة لا حاکم فیه قائم مقامه (عمدۃ الرعایۃ ص۳۹)

اس لئے ایسے علمار کا ان تمام معاملات میں فیصلہ نافذ العمل ہے جن میں قضار قاضی شرط ہے۔ اور اگر تراضی المسلمین بھی حاصل ہو جائے تو اور بھی زیادہ بہتر ہے ورنہ ہندوستان میں ثقہ قسم کے عالم و فقیہ قاضی شرعی کے قائم مقام ہیں

ہندوستان میں شرعی پنچایت، یا فسخ نکاح کمیٹیاں، یا رویت ہلال کمیٹیوں کا وجود، ہندوستان کے علماء کے موجودہ طرز حکمرانی سے متاثر ہونے کی ایک شکل ہے جس کی شریعت میں نظیر نہیں ہے اگر یہ کمیٹیاں مذکورہ اوصاف سے متصف عالم سے خالی ہوں یا کم از کم ایسے علماء کے مشورہ سے خالی ہوں وہ ہرگز قضاء کے قائم مقام نہیں ہوسکتیں۔ ہاں اگر ثقہ علماء اپنی مجلس شوریٰ منتخب کریں تاکہ ابہام اور سوءظنی سے محفوظ رہیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ میں تین شکلیں ہیں

(۱) یا تو سب مل کر امیر یا قاضی منتخب کریں

(۲) یا حاکم اعلیٰ منتخب کرے

(۳) یا امام اول کے انتقال کے بعد اپنی اہلیت کی بناء پر وہ قائم مقام ہو جائے اور پھر شرف قبول حاصل ہو جائے (ملاحظہ فرمائیے احکام السلطانیہ معین الحکام، ازالۃ الخفاء اور کتاب السنہ وغیرہ)

۴۔ جمعیۃ علماء ہند نے ۱۹۵۲ء میں جو قرارداد پاس کی ہے وہ ان قیودات کے ساتھ میرے نزدیک اعلان ہے البتہ اس اعلان کے لئے مسلم غیر ضروری ہے جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا ہے اور مسلم کی قید کے بارے میں فاضل مستفتی ۸ رستمبر ۱۹۶۷ء کے مضمون میں مجھ سے متفق ہیں۔ بیشک اعلان کرانے والے علماء یا جماعت معتمد ہوں۔

اگر جمعیۃ علماء ہند کی اس قرارداد کو خبر کہا جائے تو دیگر شہروں کے علماء کے لئے یہ خبر مستفیض کے درجہ میں اس وقت آئے گی جب اسی قسم کی خبروں کا تعدد ہوگا یا اسی خبر کی تائید دوسرے قرائن سے بھی ہوگی۔

ا۔ بیشک یہی بات ہے تفصیل اوپر آچکی ہے۔

ب۔ " " " " " " " " "

ج۔ میں اس سے متفق نہیں ہوں اس وجہ سے کہ میرے نزدیک یہ اعلان ہے خبر نہیں ہے۔

بیشک اگر ریڈیو پاکستان وہاں کے علماء کے فیصلہ کو نشر کرے تو مطلع متحد ہونے کی صورت میں (ملاحظہ فرمائیے علامہ ابن عابدین کی مذکورہ بالا عبارت)

۱۔ یہ شہادت یا خبر نہیں ہے اعلان ہے جسکو علامہ ابن عابدین نے نقل حکم حاکم شرعی قرار دیا ہے علامہ شمس الائمہ کا فرمانا درست ہے لیکن انتظاماً اس اعلان کے نفاذ کے لئے ہر جگہ مقامی ذمہ دار اعلان کریں۔ میں ان الفاظ سے شمس الائمہ کی تائید کر رہا ہوں جو میلزمهم الخ ہی کی عملی تفسیر ہے اور فقہ میں اس کے بہت نظائر ہیں۔

۲۔ بیشک میں اس سے متفق ہوں

۳۔ استفاضہ اور اعلان میں فرق کیجئے خبر مستفیض میں فیصلہ سے قبل افطار جائز نہیں ہے البتہ اعلان میں اگر افطار کر لیا اور اعلان بھی ٹھیک ہوا تھا تو افطار کرنے والا آثم نہیں۔ لیکن میں عرض کر چکا ہوں انتظاماً افطار میں توقف کرنا چاہیئے۔

۱، ۲، ۳، ۴، ٹیلیفون کی خبر مستفیض نہیں ہے بلکہ خبر محض ہے ہاں اگر ٹیلیفون پر متعدد حضرات خبر دیں یا متعدد حضرات سے بذریعہ فون تصدیق ہو جائے تو علماء کو طمانینت قلب حاصل ہونے کی صورت میں فیصلہ کرنے کا حق ہے۔ تعداد ان کی رائے پر موقوف ہے تعداد کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بہت واضح ہے اور وہی مفتی بہ ہے۔

(۵) دیہات کو اپنے دینی معاملات میں شہر سے ربط قائم رکھنا چاہیئے۔ وہ لوگ خبر اور اعلان میں فرق نہیں کر سکتے۔ ہندوستان کی گنجان آبادی میں دیہاتوں کا شہر سے ربط دشوار نہیں ہے۔ دیہات کے لئے تو

شہر کے گولے اور توپ بہت کافی ہیں۔ انکوان اعلانات کا انتظار کرنا چاہیئے

۶۔ محض ٹیلیفون کی خبر پر جبکہ کوئی فیصلہ بھی نہ ہوا ہو، روزہ توڑنے سے قضا لازم آئے گی اور اس خبر کی تصدیق نہ ہونے کی صورت میں غالباً کفارہ بھی۔

۷۔ تار ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے اس میں دلالت وضعیہ غیر لفظیہ ہے

اختلاف مطالع کے سلسلہ میں علامہ زیلعی اور دیگر علمائے احناف کا فیصلہ درست ہے جیسا کہ العرف الشذی میں مذکور ہے۔ فتح الملہم اور دیگر کتب میں بھی مذکور ہے یاد رہے ابھی گذشتہ دنوں میں ریڈیو کی خبر (مذکورہ بالا تصریحات کے بعد) کے متعلق راقم الحروف نے لندن کے استفتار کے جواب میں مراکش کے ریڈیو کی خبر کو لندن کے لئے قابل اعتماد قرار دیا ہے کیونکہ ان کا طول البلد متحد ہے علامہ یوسف بنوری نے اس کی تائید کی ہے۔ اور دو تین مہینہ پیشتر حضرت مولانا قاضی سجاد صاحب کے استفتار کے جواب میں بھی تحریر کر چکا ہوں یہاں بھی مجملاً ذکر کرتا ہوں۔ فقہ کی متعدد کتابوں میں اختلاف مطلع کی حد مسیرۃ شہر مذکور ہے فرماتے ہیں:۔ وحدہ علے ما فی الجواہر مسیرۃ شہر فصاعدًا بقصۃ سلیمان علیہ السلام فانہ ینتقل کل غدو و رواح من اقلیم الی اقلیم وبین کل منہما مسیرۃ شہر الخ (مجمع الانہر ص ۲۳۹ ج ۱)

اس طرح اختلاف مطلع کے لئے ۱۶×۳۰ = ۴۸۰ میل ہوتے ہیں اور اہل جغرافیہ اور موسمیات کے نزدیک ایک طول البلد میں ۷۰ میل کا فاصلہ ہوتا ہے اور ۴ منٹ کا فرق اس حساب سے ۷۰۰ میل سے زائد ہونا چاہیئے کیونکہ ۲۹ دن کا چاند افق پر صرف ۴۵ منٹ رہتا ہے گویا ہمارے اعتبار سے ۵۰۰ میل پر مطلع بدل جائیگا اور ان کے اعتبار سے ۷۰۰ میل پر۔ جہاں تک وحدت عید کا تصور ہے وہ غیر اسلامی تصور ہے اور ظاہر کے بھی خلاف ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے فتح الملہم ج ۲۔

۱۔ اولاً تمام عالم میں ایک ہی وقت میں وحدت یوم (یعنی وحدت تقریبات اسلامی) ممکن نہیں ہے کیونکہ اوقات میں اتحاد ممکن نہیں ہے۔

۲۔ وحدت یوم۔ یہ غیر مسلموں اور دہریوں کا نقطہ نظر ہے اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمارے یہاں فلاں دن منانا کوئی معنی نہیں رکھتا ہمارے یہاں تو ہر چیز میں عبادت کا تصور غالب ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب
کتبہ عزیز الرحمٰن غفرلہ
مدنی دار الافتاء
مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم۔ بجنور

اختلافی اصول

استحسان ــــ اور ــــ پہلی شریعتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم
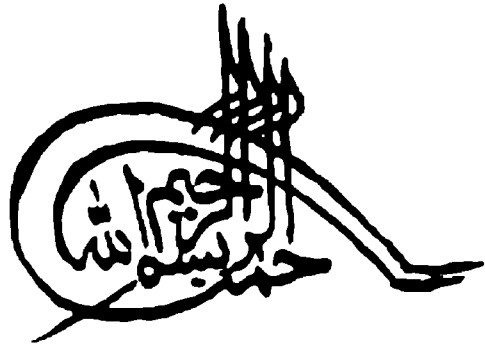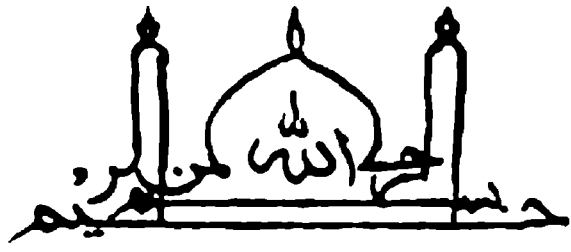
استحسان

تعریف | استحسان مستحسن جاننا ۔ اچھا جاننا کو کہتے ہیں۔ فقہاء میں اس کی تعریف میں بہت اختلاف ہے

۱۔ عوام اور خواص کی سہولت اور راحت کی وجہ سے قیاس جلی کو ترک کر دینا اور امر مستحسن کو اختیار کرنا[1]

۲۔ کتب اصول میں قیاس خفی کو استحسان کہتے ہیں۔ یعنی قیاس جلی کے مقابلہ میں جس کی علت اور وجہ بہت خفی ہو[2]

۳۔ ابوالحسن کرخی فرماتے ہیں کسی ضرورت شدیدہ کی بنا پر مفتی یا مجتہد اس کے مثل نظائر پر حکم بیان کرنے سے باز رہے[3] یعنی قیاس چاہتا ہے کہ اس مسئلہ میں یہ حکم ہونا چاہیئے لیکن کسی اثر (آیت، حدیث، قول صحابی، اجماع) کے معارض ہونے کی وجہ سے حکم نہ دیا جائے[4]

۴۔ ابن رشد کہتے ہیں وہ دلیل جس کا استعمال بکثرت ہو۔

۵۔ ابن عربی کہتے ہیں کہ استثنار یا رخصت کے طور پر دلیل کو ترک کر دینے کا نام استحسان ہے

۶۔ شمس الائمہ کہتے ہیں کہ قوی الاثر کو قیاس اور ضعیف الاثر کو استحسان کہتے ہیں[5]۔

---

[1] الجواہر ص۱۱۳ ج۲ [2] ثمرالاثمار ص۲۴۳ [3] ابوزہرہ ص۳۴۴ [4] ایضاً
[5] ایضاً

مثالیں استحسان کی بہت مثالیں ہیں۔

۱۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی سونے کے ظروف کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

ھی لھم فی الدنیا ولکم	یہ کافروں کے لئے دنیا میں ہیں
فی الآخرۃ [۱]	اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں
نھی عن الاکل والشرب	آپ نے چاندی سونے کے برتنوں
فی آنیۃ الذھب والفضۃ [۲]	میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے

ان آثار اور احادیث سے ثابت ہے کہ چاندی، سونے کے برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے لیکن فقہاء حنفیہ نے اس کی استثنائی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ چاندی والے برتن میں پانی پینا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ پینے والے کا منہ چاندی پر نہ لگے اور ہاتھ سے بھی وہ جگہ نہ پکڑی جائے۔ امام ابویوسفؒ نے اسکو بھی مکروہ قرار دیا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ امام صاحب نے فرمایا ہے کہ اس طرح حقیقتاً چاندی کا استعمال نہیں ہے بلکہ اس وقت تو چاندی والا حصہ تابع ہے اور استعمال والا حصہ اس وقت اصل ہے اور اصل کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ تابع کا۔

۲۔ یہ کہ بائع اور مشتری میں مقدار قیمت میں اختلاف ہے لیکن بیچنے والے نے قیمت پر اور خریدار نے سامان پر قبضہ نہیں کیا اور فروخت کرنے والا زیادہ قیمت کا مطالبہ کر رہا ہے لہذا بموجب حدیث شریف۔

البیّنۃ للمدّعی والیمین	مدعی پر گواہ اور منکر پر
لمن انکر	قسم ہے۔

چنانچہ مشتری سے قسم لی جائیگی کیونکہ وہی زیادتی کا انکار کر رہا ہے بلکہ دلیل استحسان کی رو سے یہاں دونوں سے قسم لی جائے گی کیونکہ ہر ایک ان میں سے مدعی اور مدعی علیہ ہے اس لئے قیاس جلی کو بدلیل استحسان

بوجہ حدیث شریف ترک کر دیا جائے گا۔

اذا اختلف المتبائعان	جب خریدار اور بیچنے والے میں اختلاف ہو
والسلعۃ قائمۃ تحالفا	اور سامان موجود ہو تو دونوں سے قسم لی جائیگی

کیونکہ اس صورت میں نقصان کسی کا نہیں ہے۔

۳۔ روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا پی لیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ قیاس کی رو سے روزہ ختم ہو جانا چاہیئے۔ مگر حدیث شریف میں موجود ہے

من نسی وھو صائم فاکل	جس نے بھول کر روزہ میں کچھ
وشرب فلیتم صومہ فانما	کھا پی لیا وہ روزہ پورا کرے اس
اطعمہ اللہ وسقاہ	کو اللہ ہی نے کھلایا پلایا ہے

اس جگہ قیاس حدیث کے معارض ہے اس لئے روزہ کے نہ ٹوٹنے کا حکم دیا ہے۔

۴۔ یہ کہ کوئی چیز کاریگروں سے بنوائی اور قیمت پیشگی طے کر لی جیسا کہ آجکل بکثرت ہوتا ہے لیکن استحساناً اجماع کی وجہ سے اس کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ ناجائز ہو۔

۵۔ یہ کہ ناپاک کنواں یا حوض کی دیواریں، ڈول، رسی سینچنے والوں کے ہاتھ کنوئیں سے آخری ڈول نکالنے کے بعد از خود استحساناً پاک رہینگے کیونکہ ناپاک قرار دینے میں حرج شدید ہے۔

یہ مثالیں اور وجوہات ہیں کہ جنکی وجہ سے استحسان کو دلیل کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ امام محمد رح فرماتے ہیں کہ قیاسات کے بارے میں امام صاحب اور آپکے شاگردوں میں مسلسل کئی کئی دن بحث جاری رہتی تھی لیکن جب امام صاحب فرماتے "استحسن"، تو سب خاموش ہو جاتے[۱]۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا:۔

الاستحسان تسعۃ اعشار العلم[۲]	استحسان علم کا ۹/۱۰ حصہ ہے

---

[۱] ابو حنیفہ ... [۲] ... ازالوزہرہ ص ۳۴۲

یہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے ارشاد فرمایا ہے

من استحسن فقد شرع — جس نے استحسان کو اختیار کیا اس نے شریعت کو اختیار کیا

اس وجہ سے بعض معترضین کا یہ اعتراض بیہودہ ہے

دلائل شرع کتاب، سنت، اجماع، قیاس ہیں یہ

پانچویں حجت استحسان کہاں سے آ گئی؟

ہمارے نزدیک معترض کا یہ خیال اس کے عجز کی نشان دہی کرتا ہے کیونکہ مذکورہ پانچ مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ استحسان کو اختیار کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ ان مذکورہ دلائل کے مقابلہ میں قیاس جلی بہت آسان ہے اس لئے معترض نے عاجز آ کر یہ بات کہدی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ استحسانی میں نص شرعی پر ہی عمل ہوتا ہے اور قیاس جلی کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ضرورت اور حرج کی وجہ سے استحسان کو اختیار کرنا مناسب نہیں ہے لیکن قواعد کلیہ میں یہ بات صاف ہو گئی ہے کہ ضرورت اور حرج حد نص سے ثابت ہیں اس لئے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد بالکل بجا اور درست ہے

استحسان دلیل شرعی ہے

گذشتہ سطور میں استحسان کا دلیل شرعی ہونا اگرچہ ثابت ہو چکا ہے۔ مگر یہاں ایک مثال کے ذریعہ سے اور ثابت کیا جاتا ہے مثلاً کسی آدمی نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی تو اس کے لئے جائز ہے کہ رکوع میں سجدہ کی نیت کر لے تو اس رکوع سے سجدہ تلاوت بھی ادا ہو جائیگا قیاس یہی کہتا ہے اور نص سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

خر راکعا واناب۔ الآیۃ — گر گیا رکوع میں متوجہ ہونے کے لئے۔

وجہ قیاس یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ دونوں آپس میں مشابہت رکھتے ہیں کیونکہ سجدہ سے مقصود خضوع اور اظہار عبدیت اور تسلیم عظمت خداوندی ہے اور یہ مقصد رکوع سے بھی حاصل ہے اور یہی مذکورہ آیت سے بھی ثابت ہے کیونکہ خر و در زمین پر

گر پڑنے کو کہتے ہیں۔ اس لئے یہاں رکوع بمعنی سجدہ ہے۔ کیونکہ اگر تسلیم کر لیا جائے
تو اس سے خرور کے معنی متحقق نہیں ہوتے ہیں کیونکہ مقصدیت میں دونوں برابر ہیں
اسلئے رکوع اور سجدہ دونوں برابر ہیں لہذا رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت درست
ہے اور اس سے سجدہ تلاوت ادا ہو جائیگا۔ دلیل استحسان کی رو سے رکوع میں
سجدہ تلاوت ادا نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ سجدہ کا امر صراحۃً ہے احتمال غیر کو نہیں چاہتا

وارکعوا واسجدوا — رکوع کرو اور سجدہ کرو۔

اس آیت سے رکوع اور سجدہ دونوں دو چیزیں ظاہر ہو رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے
کہ مذکورہ مثال کی رو سے اگر سجدہ صلوتیہ کی رکوع میں نیت کر لیں تو ہرگز ادا
نہ ہوگا لہذا سجدہ تلاوت بھی ادا نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہی اثر ظاہر ہے اور نظر دقیق
اسی کو پسند کرتی ہے اس لئے یہاں قیاس کو ترجیح حاصل ہوگی حاصل کلام یہ ہے
کہ اثر باطن کی وجہ سے قیاس اولیٰ اور نظر دقیق کے اعتبار سے استحسان اولیٰ ہے
لیکن اثر باطن، نظر دقیق کے مقابلہ میں قوی ہے اور یہ قاعدہ کلیہ کے تحت گذر چکا ہے
کہ قوت دلیل کو فوقیت حاصل ہوتی ہے لیکن اگر قیاس میں اثر باطن نہ ہو بلکہ وہ قیاس
جلی ہو یعنی بظاہر ثابت ہو تو۔ یہ ظہور نظر دقیق کے مقابلہ میں کمزور ہے اسوجہ سے
استحسان کو قیاس جلی پر فوقیت حاصل ہوگی اسی اعتبار سے علماء احناف نے استحسان
کی تعریف میں فرمایا ہے" استحسان قیاس خفی کا نام ہے" اور اس مسئلہ میں نظر
دقیق یہ ہے:

سجدہ قربت مقصودہ ہے اس لئے وہ خارج صلوۃ محض رکوع کر
ادا نہ ہوگا لیکن نماز میں رکوع قربت مقصودہ بن گیا ہے اسلئے
رکوع میں سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا اور سجدہ کا قربت مقصودہ
ہونا اس سے ثابت ہے کہ سجدہ کی نذر جائز ہے بخلاف رکوع کے
واللہ اعلم ۔[1]

اس بحث سے یہ ثابت ہو گیا کہ استحسان بھی قیاس کی ایک بہترین صورت ہے

جس کو مندرجہ بالا پانچ وجوہات کی قوت حاصل ہے۔ ان ہی وجوہات کے پیش نظر استحسان کی تین قسمیں ہیں

ا۔ استحسان بالنص۔ جس کو نص کی تائید حاصل ہو

ب۔ استحسان بالاجماع۔ جسکو اجماع کی تائید حاصل ہو۔

ج۔ استحسان بالضرورۃ۔ جس کو ضرورت عامہ کی تائید حاصل ہو۔ واللہ اعلم

گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی شریعت

اللہ تعالےٰ نے اس زمین پر انسانوں کی ہدایت اور بھلائی کے لئے مختلف زمان و مکان میں مختلف رسول بھیجے جس سے انسانیت پروان چڑھی اور اس کو بھلائی حاصل ہوئی وہ سب مقدس اور برگزیدہ اور معصوم ہیں ہمیں حکم ہے کہ ہم ان سب کا اکرام اور احترام بجالائیں اور کسی کا انکار نہ کریں

لا نفرق بین احد من رسلہ الآیۃ — ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہ کریں گے

جنکا نام ہمیں بتلادیا گیا ہے ہم ان پر نام بنام ایمان لائے ہیں اور جن کا نام نہیں بتلایا گیا اجمالاً ہم ان کا بھی اکرام کرتے ہیں

لکل قوم ھاد الآیۃ — ہر قوم کے لئے ہدایت دینے والا آیا ہے۔

ان انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے

اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ (الآیۃ) — یہی حضرات ہیں کہ جنکو اللہ تعالےٰ نے ہدایت دی ہے آپ ان کی ہدایت کی اقتدا کریں۔

اور اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ پہلی شریعتوں میں اس کے ماننے والوں نے اسی زمانہ میں بہت کچھ تحریف و تبدیل کر ڈالی تھی۔ قرآن شریف نے اس کی بھی ہمیں اطلاع دی ہے۔

یحرفون الکلم عن مواضعہ — انہوں نے کلمات کو ان کی جگہ سے بدلدیا ہے

لہذا آج جتنے آسمانی ادیان زمین پر ہیں ان میں سے کسی کے بارے میں صحیح طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بعینہٖ اسی طرح محفوظ ہیں؟ اور کتنے ادیان اور شریعتیں ایسی ہیں جو مٹ چکی ہیں اور ہم ان کے نام تک سے واقف نہیں اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں یہود و نصاریٰ کی شریعتوں کے تحریف کی خبر دی ہے اسلئے یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے جہاں انبیاء علیہم السلام کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور ان پر ایمان لائے ہیں آن کی شریعتوں کو قبول کریں یا نہ کریں؟ وہ ہمارے لئے قابل حجت ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں تفصیل ہے

(۱)۔ وہ احکام جو گذشتہ پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں میں موجود ہیں اور قرآن واحادیث میں ان کا ذکر نہیں ہے وہ احکام نہ ہمارے لئے قابل حجت ہیں اور نہ قابل عمل کیونکہ گذشتہ شریعتوں میں بہت تحریف اور ردّ و بدل ہوا ہے اور وہ صحیح طور پر محفوظ بھی نہیں ہیں۔

(۲)۔ وہ احکامات جن کا ذکر قرآن واحادیث میں موجود ہے لیکن نقل واقعہ کے بعد اللہ اور اس کے رسول نے یا تو صراحتًا ہمیں منع فرمایا ہے یا دلالۃً منع فرمایا ہے وہ بھی ہمارے لئے نہ قابل عمل ہیں اور نہ قابل حجت ہیں۔

(۳)۔ وہ احکام جو قرآن واحادیث میں نقل فرمائے ہیں اور ان کے بارے میں ہمیں منع نہیں فرمایا وہ ہمارے لئے قابل عمل ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رح کا مسلک ہے امام شافعی رح اس کا انکار کرتے ہیں۔ یہ تفصیل مثالوں سے اور بھی واضح ہوجائے گی

ا۔ وہ احکامات جو نقل واقعہ کے بعد ہمارے لئے ممنوع نہیں ہیں مثلاً:۔

فبظلم من الذین ھادوا — یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم
حرمنا علیھم طیبات ما — نے ان پر ان پاکیزہ چیزوں کو حرام

احلت لھم — کردیا جو اُن کے لئے حلال تھیں

اس کی تفصیل دوسری آیت میں اسطرح ہے :-

وعلی الذین ھادوا حرمنا — اور یہودیوں پر ہم نے ناخون والے
کل ذی ظفر ومن البقر — جانور حرام کردئے اور گائے بکری
والغنم حرمنا علیھم — میں سے ان کی چربی حرام کردی مگر
شحومھما الا ما حملت — وہ چربی جو ان کی کمر پر ہو یا آنتوں
ظھورھما او الحوایا او ما — پر ہو یا ہڈیوں پر لپٹی ہو اور یہ
اختلط بعظم ذلک — سزا ان کو ان کی بغاوت کی
جزینٰھم ببغیھم — وجہ سے دی ہے

چنانچہ وہ جانور اور چربیاں ہمارے لئے حلال ہیں کیونکہ آیت مذکورہ میں دلالۃً موجود ہے کہ ان چیزوں کی حرمت یہودیوں کے لئے سزا کے طور پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے تھی۔

ب ـ وکتبنا علیھم فیھا — ہم نے یہودیوں پر توریت میں
ان النفس بالنفس الآیۃ — جان کا بدلہ جان فرض کردیا الخ

چنانچہ قصاص ہمارے لئے بھی فرض ہے بلکہ اس کو صراحتاً قرآن پاک میں ہم پر فرض قرار دیا ہے۔

۱ ـ یاایھا الذین اٰمنوا کتب — ایمان والو! تم پر قصاص فرض
علیکم القصاص — کیا گیا ہے۔

۲ ـ ولکم فی القصاص حیاۃ — عقل والو! تمہارے لئے قصاص
یا اولی الالباب — میں زندگی ہے۔

۳ ـ لواطت۔ حضرت لوط علیہم السلام کی شریعت میں بھی حرام تھی اور احادیث سے صراحتاً ثابت ہے کہ وہ ہمارے لئے بھی حرام ہے [1]

ائنکم لتاتون الرجال — کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں

---

[1] یہاں تک تفصیل نورالانوار سے ماخوذ ہے

من دون النساء — کو استعمال کرتے ہو؟

عورتوں سے لواطت

یہی حکم عورتوں کے ساتھ لواطت کرنے کا ہے
عورتوں کے پچھلے حصہ میں وطی کرنا حرام ہے

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جائز ہے وہ غلط کہتے ہیں کیونکہ پچھلا حصہ محل نجاست اور غلاظت ہے اور اگلا حصہ تولد ولد کا مقام ہے یعنی مقام حرث ہے تمام مفسرین نے یہی بیان کیا ہے اور اسی پر اجماع ہے۔

قرآن پاک کی آیت مبارکہ میں " انی شئتم " سے مراد " کیف شئتم " ہے جس کے معنی ہیں کہ عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تم اپنی کھیتی میں جیسے چاہو آؤ اور آیت مبارکہ میں انی شئتم کے ساتھ حرثکم کی قید ہے جس سے واضح ہے کہ غیر محل پیدائش ولد آنے کی اجازت نہیں ہے۔

فان کلمة انیٰ مشترکة فی معنی کیف واین ولا یتصور ھھنا معنی این فانه تدل علی عموم المحل ومحل الحرث لیس الا واحدًا فتعین معنی کیف (الیٰ قوله) وبما قلنا من حرمة اتیان النساء فی ادبارھن قال ابوحنیفة واحمد و جمھور اھل السنة الخ[1]

اس لئے کہ کلمہ اَنیٰ کیفَ اور اَینَ دونوں کے معنی میں مشترک ہے این کے معنی یہاں مراد نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ محل کی عمومیت پر دلالت کرتا ہے اور محل حرث ایک ہی ہے اس لئے کیفَ ہی کے معنی مراد ہونگے — اور عورتوں کے دبر میں وطی کرنے کے بارے میں جو کچھ ہم نے کہا ہے وہی امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد اور جمہور اہل علم نے فرمایا ہے۔

حدیث شریف میں موجود ہے:

ملعون من اتی امرأة — جو آدمی عورت کی دُبر میں وطی کرے

---

[1] تفسیر مظہری صفحہ ۲۸

فی دبرھا۔ رواہ احمد، وہ ملعون ہے۔

ابوداؤد۔

بہر حال گذشتہ شریعتیں مندرجہ بالا تفصیل اور قیودات کے ساتھ ہمارے لئے قابل عمل ہیں اگر غور کیا جائے تو ان قیودات کی وجہ سے ان کو پہلی شریعت نہیں کہنا چاہیئے بلکہ وہ اب ہماری شریعت ہی کا ایک جز ہیں مثلاً قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں تھی اور اب ہماری شریعت میں بھی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے امر فرمایا ہے "یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔" قرآن پاک میں بھی موجود ہے:۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (الآیۃ) اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے" میرے لئے پوری زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے جس کو جہاں وقت ہو جائے نماز ادا کرے۔" اور میرے لئے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے۔" اور یہ حکم گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے لئے نہ تھا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں چور کی سزا اس کو غلام بنا لینا تھا لیکن ہماری شریعت میں اس کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے وہ سزا یعنی غلام بنانا منسوخ کر دی گئی ہے اس لئے اس سے استدلال کرنا غلط ہے۔

ایک جدید استدلال

ہمارے زمانے میں ایک جدید استدلال حضرت یوسف علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ سے کیا ہے جس کی تفصیل سطور ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔ ہوا یہ کہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب سے کسی نے استفتاء کیا کہ:

غیر اسلامی حکومتوں کی تائید و حمایت اور ان کی عدالتوں میں متنازعہ مسائل کا حل تلاش کرنا از روئے شرع کیسا ہے۔؟

اس سوال کے جواب میں حضرت مولانا مرحوم نے ۵ ستمبر ۱۹۶۳ء کے الجمعیۃ میں ایک طویل مضمون لکھ کر شائع کر دیا جس کا خلاصہ اور قابل اعتراض اقتباس یہ ہے

" توریت موجود تھی اور اس کی یہ عظمت بھی نظر انداز نہیں تھی کہ من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔ لیکن اس کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کے بارے میں دین ملک پر عمل کیا (سورہ یوسف) (الجمعیۃ ۵ ستمبر ۶۳ء)

اولاً تو اس میں یہی بات غلط ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں توریت موجود تھی۔ توریت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ حضرت یوسف علیہ السلام سے چار سو سال بعد کا زمانہ ہے۔ دوسری بات یہ بھی غلط ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دینِ ملک (فرعونی دستور) پر عمل کیا یا اس کے مطابق فیصلہ کیا۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ! یہ صراحتاً قرآنی آیت میں تحریف اور تبدیلی ہے اور ایک پیغمبر کے کردار کو غلط طور پر پیش کرنا ہے (العیاذ باللہ) اب قرآن پاک میں سورہ یوسف کی قرأت فرمائیے

قالوا فما جزاءہ ان کنتم	بولے کیا جزا ہے اس کی اگر تم
کاذبین قالوا جزاءہ من	جھوٹے ہو۔ کہا انہوں نے (یوسف کے
وُجِد فی رحلہ فھو جزاءہ	کے بھائیوں نے) جزا اس کی وہی ہے جس
(سورہ یوسف)	کے سامان میں وہ چیز نکلے۔

اب غور فرمائیے! مولانا نے ایک نبی مرسل پر کتنا بڑا بہتان باندھا ہے اور آیت قرآنیہ میں کتنا بڑا تصرف کیا ہے یہ تحریف نہیں تو اور کیا ہے۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ یہ ذہن و فکر قدیم ہے حضرت مجاہد ملت رح نے بھی یہی فرمایا تھا اور اس پر میں نے ان کو آگاہ کیا تھا اس کے بعد انہوں نے اس سے رجوع کیا یہ مراسلت مجاہد ملت نمبر میں شائع ہو چکی ہے ملاحظہ فرمائیے مجاہد ملت نمبر

۱

صفحہ ۳۷۵۔

مولانا نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کو ہم نے نص قرآنی کے خلاف قرار دیا ہے لیکن چونکہ مولانا نے ابتدا میں تحریر فرمایا ہے تفسیر بالرائے حرام ہے اور خود ہی مولانا نے اس کا ارتکاب کیا ہے اب مذکورہ آیت کے بارے میں تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیے علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں وہی بیان کیا ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

ای لم یکن له اخذہ فی	یعنی قانون مصر میں چور کا روک
حکم ملك مصر، قاله	لینا نہیں تھا اسی کو ضحاک نے
الضحاك [1]	بیان کیا ہے

حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؓ بیان فرماتے ہیں۔

کان حکم الملك ودینها	حکم بادشاہ اور اس کا دین یہ تھا کہ
ان یضرب السارق او	چور کو مارا جائے یا شئے مسروقہ
یغرم ضعفی قیمة المسروق [2]	کی دوچند قیمت وصول کی جائے

صاحب تفسیر مدارک نے اتنا اور بیان کیا ہے کہ چور کو پکڑ کر غلام بنا لینا دین ملک میں نہیں تھا اس کی تفسیر اکلیل میں ہے کہ دین ملک میں دوگنا جرمانہ یا کوڑے مارنا چور کی سزا تھی اور شریعت یعقوبی میں یہ سزا تھی کہ ایک سال کے لئے غلام بنا لیا جائے [3]

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دین ملک (فرعونی دستور) پر عمل نہیں کیا بلکہ شریعت یعقوبی کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔"

بہر حال مولانا مرحوم کا یہ استدلال گذشتہ انبیاء کی شریعت سے استدلال کا مسئلہ ہے جس کے شرائط اور قیودات پر ذکر ہو چکے ہیں۔ یہ بات الگ ہے کہ حضرت مولانا سے غلطی ہوئی جس سے انہوں نے بھی اور حضرت مجاہد ملتؒ نے بھی رجوع کر لیا تھا ملاحظہ ہو مجاہد ملت نمبر ص ۲۷۵ اور الجمعیۃ ۲۱ دسمبر ۱۹۶۳ء

---

[1] ابن کثیر ص ۴۸۹ ج ۲ [2] ص ۴۸۳ ج ۲ [3] اکلیل علی مدارک التنزیل ص ۴۶ ج ۳۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دستور اسلامی کا

تقابلی مطالعہ

امتیاز اور فرق

۱

ھدایات

زیرنظر باب میں دو قسم کے مسائل ذکر کئے گئے ہیں۔

ا۔ یہ کہ ایک ہی جنس کے دو مختلف ابواب میں کس قدر فرق ہے؟ اور کیا امتیاز ہے۔؟ جیساکہ پڑھنے سے معلوم ہوگا۔ اس کو ہم نے تقابلی مطالعہ قرار دیا ہے۔ اس عنوان کا میدان بھی بہت وسیع ہے اگر تقابلی مطالعہ کو وسعت دی جائے اور پھر مابہ الامتیاز کی وجوہات بیان کی جائیں اور ان پر دلائل قائم کئے جائیں تو اس میں شک نہیں کہ یہ گفتگو بہت بصیرت افروز ہوگی لیکن پھر اس کے لئے ایک کتاب علیحدہ ترتیب دینی ہوگی۔

ب۔ دوسرے عنوان کے تحت وجہ فرق کو بیان کیا ہے اس طرح یہ عنوان حیرۃ الفقہ بن گیا ہے۔ اس موضوع پر فقہاء کرام کی تصنیفات موجود ہیں اور آسانی سے مل جاتی ہیں اسوجہ سے یہاں بھی اختصار سے کام لیا ہے

س۔ یہ پورا باب الاشباہ سے ماخوذ ہے اسوجہ سے حوالہ کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

عزیزالرحمٰن غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقابلی ـــــــــ مطالعہ

امتیازات

وضو	غسل
۱- اختلاف مجلس کے بعد تجدید وضو مسنون ہے	۱- اختلاف مجلس کے بعد تجدید غسل مسنون نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے
۲- وضو میں مسح خفین پر جائز ہے	۲- خفین کا اتارنا ضروری ہے
۳- ترتیب مسنون ہے	۳- ترتیب مسنون نہیں ہے
۴- کلی اور ناک میں پانی دینا مسنون ہے	۴- کلی اور ناک میں پانی دینا فرض ہے
۵- مسح راس فرض ہے	۵- مسح راس فرض نہیں ہے

مسح خفین	پیروں کا دھونا
۱- مسح خف موقت ہے	۱- پیروں کا دھونا موقت نہیں ہے
۲- مسح تین مرتبہ کرنا مسنون نہیں ہے	۲- تین دفعہ پیر دھونا مسنون ہے
۳- پورے خف پر مسح واجب نہیں ہے	۳- پورے پیر کا دھونا واجب ہے۔

سر کا مسح	خفین کا مسح
۱- پورے سر کا مسح مسنون ہے	۱- پورے خفین کا مسح مسنون نہیں ہے
۲- اگر تین مرتبہ مسح کیا مکروہ نہیں ہے اگرچہ مندوب بھی نہیں	۲- اگر تین دفعہ خفین پر مسح کیا مکروہ ہے۔

وضو	تیمم
۱۔ وضو میں غسل چار اعضاء پر ہوتا ہے	۱۔ تیمم میں مسح دو اعضاء پر ہوتا ہے یعنی ہاتھوں اور منھ
۲۔ ×	۲۔ تیمم عذر کی حالت میں جائز ہے
۳۔ نیت ضروری نہیں صرف مسنون ہے	۳۔ نیت ضروری ہے
۴۔ تجدید اور تثلیث (۳ مرتبہ دھونا) مسنون ہے	۴۔ تیمم کی تجدید اور تثلیث (۳ مرتبہ) مسنون نہیں ہے
۵۔ نقض وضو مسنون نہیں ہے	۵۔ نقض تیمم مسنون ہے
	۶۔ تیمم حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں میں یکساں

مسح خف	مسح جبیرہ
۱۔ طہارت کاملہ پر پہننا شرط ہے	۱۔ وضو کرکے جبیرہ (پٹی) باندھنا شرط نہیں
۲۔ پیر کا دھونا اور مسح خف دونوں جمع نہیں ہو سکتے	۲۔ غسل (دھونے) کے ساتھ مسح جبیرہ بھی جمع ہو سکتا ہے
۳۔ پورے خف پر مسح واجب نہیں ہے	۳۔ پوری پٹی یا اکثر پٹی پر مسح واجب ہے
۴۔ بلا مسح کے نماز جائز نہیں	۴۔ ایک صورت میں ترک کرکے بلا مسح جبیرہ کے بھی نماز جائز ہے
۵۔ مدت مقرر ہے	۵۔ کوئی مدت مقرر نہیں ہے
۶۔ اگر خفین سے کوئی اتر جائے تو غسل واجب ہے	۶۔ بلا آرام ہوئے اگر پٹی گر جائے تو اعادہ مسح واجب نہیں
۷۔ جنابت کی وجہ سے خفین اتارنے پڑینگے	۷۔ جنابت کی وجہ سے پٹی نہیں کھولی جائیگی
۸۔ اگر خفین میں سے کوئی اتر جائے	۸۔ اگر کسی عضو پر دو جبیرہ (پٹیاں) ہوں پہلا

تو دونوں کو اتار کر پیر انکو دھونا پڑیگا	اور ایک گر جائے تو بلا مسح کا اعادہ کئے دوبارہ باندھ دو مسح کے اعادہ کی ضرورت نہیں

حیض	نفاس
۱۔ اقل (کم مدت) حیض محدود ہے یعنی تین دن	۱۔ اقل نفاس کی کوئی حد نہیں ہے
۲۔ اکثر حیض دس دن	۲۔ اکثر نفاس چالیس دن
۳۔ حیض سے بلوغ اور استبراء ثابت ہوتا ہے	۳۔ نفاس سے بلوغ اور استبراء ثابت نہیں ہوتا۔
۴۔ حیض کی وجہ سے روزہ کے ذریعہ کفارہ ادا کرنے میں متابعت (تسلسل) نہیں ٹوٹتا	۴۔ تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔
۵۔ عدت حیض سے پوری ہوتی ہے	۵۔ عدت نفاس سے پوری نہیں ہوتی بلکہ بچہ پیدا ہوتے ہی پوری ہو جاتی ہے
۶۔ حیض کی وجہ سے طلاق بدعت اور طلاق سنت میں فرق کیا جاتا ہے	۶۔ نفاس کی وجہ سے یہ فرق نہیں ہوتا۔

اذان	اقامت
۱۔ اذان کے بعد نماز میں تاخیر جائز ہے	۱۔ اقامت کے بعد نماز میں تاخیر جائز نہیں ہے
۲۔ اذان ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مسنون ہے	۲۔ اقامت جلدی جلدی پڑھنا مسنون ہے
۳۔ بے وضو کی اذان مکروہ نہیں ہے	۳۔ بے وضو کی اقامت مکروہ ہے۔
۴۔ تکرار اذان مکروہ نہیں ہے	۴۔ تکرار اقامت مکروہ ہے

سجدہ سہو	سجدہ تلاوت
۱۔ یہ دو سجدہ ہیں	۱۔ یہ ایک سجدہ ہے۔

۲ - یہ آخر نماز میں بعد سلام ہوتا ہے
۳ - اس میں تکرار ہے۔
۴ - اس کے لئے قیام نہیں ہے
۵ - اس کیلئے تشہد ہے اور سلام ہے
۶ - اس میں ذکر (سبحان ربی الاعلیٰ) مشروع نہیں ہے یعنی اگر ذکر نہ کیا جائے تو سجدہ ہو جائے گا

۲ - یہ نماز میں قبل سلام ہوتا ہے
۳ - اس میں تکرار نہیں ہے
۴ - اس کے لئے قیام ہے۔
۵ - اسکے لئے تشہد اور سلام نہیں ہے
۶ - ذکر مشروع ہے۔

سجدہ تلاوت

۱ - سجدہ تلاوت نماز میں داخل ہوتا ہے
۲ - یہ سجدہ واجب ہے

سجدہ شکر

۱ - سجدہ شکر نماز میں داخل نہیں ہوتا
۲ - یہ واجب نہیں صرف جائز ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ جائز ہی نہیں ہے۔

امام

۱ - امام کے لئے اپنی امامت کی نیت واجب نہیں ہے
۲ - امام کی نماز باطل نہیں ہوتی اگر مقتدی کی نماز باطل ہو جائے

مقتدی

۱ - مقتدی پر امام کی اقتداء کرنے کی نیت واجب ہے
۲ - اگر امام کی نماز باطل ہو جائے تو مقتدی کی بھی باطل ہو جاتی ہے۔

جمعہ

۱ - جمعہ فرض ہے
۲ - جمعہ کا وقت ظہر کا وقت ہے

عیدین

۱ - عید واجب ہے
۲ - عید کا وقت بعد طلوع شمس سے زوال شمس تک ہے۔

۳۔ خطبہ جمعہ کے لئے شرط ہے اور پہلے ہوتا ہے

۴۔ ×

۳۔ شرط نہیں ہے اور بعد میں ہوتا ہے

۴۔ عید الفطر میں عید گاہ جانے سے پہلے کچھ کھانا مستحب ہے بقرہ عید میں مستحب نہیں ہے

غسل میت

۱۔ میت کے غسل میں منہ سے ابتدا مستحب ہے

۲۔ مضمضہ اور استنشاق نہیں ہے

۳۔ پیروں کا دھونا موخر نہیں کیا جاتا

۴۔ میت کے غسل میں سر کا مسح نہیں ہے

غسل زندہ

۱۔ زندوں کے غسل میں ہاتھوں سے ابتدا مستحب ہے

۲۔ مضمضہ اور استنشاق مسنون ہے اور فرض بھی ہے

۳۔ پیروں کا دھونا موخر کیا جاتا ہے اگر جگہ نجس ہو

۴۔ زندوں کے غسل میں سر کا مسح ہے (صرف ایک روایت میں)

زکوٰۃ

۱۔ نصاب زکوٰۃ میں نمو (مال نامی ہونا) شرط ہے

۲۔ زکوٰۃ ذمی کو دینا جائز نہیں ہے

۳۔ زکوٰۃ کا کوئی وقت نہیں ہے

۴۔ مالک ہونے سے پہلے ہی ادا کر دینا جائز نہیں ہے

صدقۃ الفطر

۱۔ نصاب فطر میں نمو شرط نہیں ہے

۲۔ صدقۃ الفطر ذمی کو دینا جائز ہے

۳۔ وقت معین ہے تاخیر سے گناہ ہوتا ہے

۴۔ جائز ہے اگرچہ نصاب کا مالک نہ ہو۔

حج تمتع

۔ اس میں عمرہ سے حلال ہونا جائز ہے (اگر سوق ہدی نہ ہو لہ)

حج قران

۱۔ عمرہ سے حلال ہونا جائز نہیں ہے

لہ یعنی اگر کوئی آدمی اپنے ساتھ ہدی کے جانور لے جائے یہ مسئلہ [illegible]

۲۔ میقات سے تنہا عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے پھر حج کا احرام ہے

ہبہ

۱۔ قبول ہبہ شرط ہے
۲۔ رجوع ہو سکتا ہے

اجارہ

۱۔ اجارہ میں وقت مقرر کرنا جائز ہے
۲۔ اجارہ میں اجرت کا مالک اجارہ سے نہیں ہوتا
۳۔ اجارہ فسخ ہو جاتا ہے
۴۔ اجارہ عیب حادث کی وجہ سے فسخ ہو جاتا ہے
۵۔ اجیر یا مستاجر کسی ایک کے مرنے سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہے اگر کسی ذاتی کام کے لئے کیا ہے
۶۔ اگر اجرت معینہ قبضہ سے پہلے ہلاک ہو جائے تو اجارہ فسخ ہو جاتا ہے

زوجہ

۱۔ زوجہ کیلئے باری مقرر کرنا مستحب ہے

۲۔ حج اور عمرہ دونوں کا احرام میقات ہی سے باندھا جاتا ہے

ابراء (مطالبہ سے بری کر دینا)

۱۔ قبول ابراء شرط نہیں ہے
۲۔ رجوع جائز نہیں ہے [۱]

بیع

۱۔ بیع میں وقت مقرر کرنا ناجائز ہے
۲۔ بیع میں عقد بیع کے بعد عوض (بدل) کا مالک ہو جاتا ہے
۳۔ بیع فسخ نہیں ہوتی
۴۔ بیع عیب حادث کی وجہ سے فسخ نہیں ہوتی۔
۵۔ بیع فسخ نہیں ہوتی
۶۔ قبضہ سے پہلے اگر ثمن ہلاک ہو جائے تو بیع باطل نہیں ہوتی

باندی

۱۔ باندی کے لئے باری مقرر نہیں ہے

---

[۱] یعنی اگر کسی نے اپنا مطالبہ معاف کر دیا اور وہ پھر چاہے کہ مطالبہ بحال رکھے اور رجوع کرلے تو یہ جائز نہیں ہے

۲ ۔ تعداد زوجہ میں حصر ہے یعنی چار تک

۳ ۔ زوجہ کا نفقہ زوجین کے حال کے اعتبار سے ہے

۴ ۔ زوجہ کا نفقہ نافرمانی سے ساقط ہو جاتا ہے

۵ ۔ زوجہ کا مہر واجب ہے

۲ ۔ تعداد باندی میں حصر نہیں ہے

۳ ۔ باندی کے نفقہ کے لئے یہ معیار نہیں ہے۔

۴ ۔ باندی کا نفقہ نافرمانی سے ساقط نہیں ہوتا۔

۵ ۔ باندی کا کوئی مہر نہیں ہے۔

نفقہ زوجہ

۱ ۔ زوجہ کا نفقہ باعتبار حالت زوجین کے ہے

۲ ۔ نفقہ قضاءً مقرر ہونیکے بعد وقت گذر جانے پر ساقط نہیں ہوتا

۳ ۔ زوجہ کے نفقہ کے لئے اپاہج پن، غربت و تنگی شرط نہیں ہے ہر حال میں دینا ہوگا

نفقہ قریب (رشتہ دار)

۱ ۔ نفقہ بقدر کفایت اور گنجائش ہے

۲ ۔ ساقط ہو جاتا ہے۔

۳ ۔ اقارب کے نفقہ کے لئے تنگی اور اپاہج پن، اور دینے والے کی مالداری شرط ہے۔

مرتد

۱ ۔ مرتد کو جزیہ لیکر بھی ارتداد پر باقی نہیں رہنے دیا جا سکتا۔

۲ ۔ مرتد کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے

۳ ۔ ذبیحہ حلال نہیں، قتل معاف، ملکیت اور تصرفات موقوف، نہ وہ وارث ہو سکتا ہے نہ اس کا کوئی وارث ہو سکتا ہے کسی ملت کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جا سکتا۔

۴ ۔ ارتداد میں بچہ ماں باپ کے تابع نہیں ہوتا

اصلی کافر

۱ ۔ کافر جزیہ دیکر اپنے کفر پر باقی رہ سکتا ہے۔

۲ ۔ کافر بحالت کفر اپنے نکاح پر رہتا ہے

۳ ۔ ×

۴ ۔ کفر میں بچہ ماں باپ کے تابع ہوتا ہے

عتق

۱۔ الفاظِ طلاق سے عتق واقع نہیں ہوتا
۲۔ مباحات میں ابغض نہیں ہے بلکہ افضل ہے
۳۔ عتق کسی حال میں بدعت نہیں ہے

طلاق

۱۔ الفاظ عتق سے طلاق پڑجاتی ہے
۲۔ مباحات میں سب سے زیادہ ابغض (خراب) ہے
۳۔ بعض حالات میں طلاق بدعت ہے

عتق

۱۔ تعلیق (معلق ہونا کسی شرط پر موقوف ہونا) کو قبول کرتا ہے
۲۔ عتق رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔

وقف

۱۔ وقف تعلیق کو قبول نہیں کرتا
۲۔ اگر کسی خاص آدمی کو وقف کیا ہے تو رد کرنے سے رد ہوجاتا ہے۔

بیع فاسد

۱۔ بیع فاسد میں بائع مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد بھی لفظ عتق بول کر غلام کو آزاد کرسکتا ہے
۲۔ اگر مشتری نے بیع فاسد میں بائع سے کہدیا کہ اسکو آزاد کردے میری جانب سے تو بائع کی جانب سے آزاد ہوجائیگا
۳۔ بیع فاسد میں مشتری نے غلام کو آٹا پیسنے کا حکم دیا تو یہ بائع کے لئے ہوگا نہ کہ مشتری کے لئے ایسے ہی غلام کا ہر عمل بائع کے لئے ہوگا۔

بیع صحیح

۱۔ بیع صحیح میں ایسا نہیں کرسکتا
۲۔ اگر بیع صحیح میں مشتری سے کہدیا کہ اسکو آزاد کردے تو غلام مشتری کی جانب سے آزاد ہوگا۔
۳۔ بیع صحیح میں ایسا نہیں ہے

۴- بیع فاسد میں اگر بائع نے بعد فسخ بیع کے مشتری کو قیمت سے بری کر دیا پھر مبیع ہلاک ہو گئی تو مشتری پر قیمت لازم رہیگی

۵- بیع فاسد میں شفعہ نہیں

۴- بیع صحیح میں ایسا نہیں ہے

۵- بیع صحیح میں شفعہ ہے۔

امامت عظمیٰ

۱- امام کے لئے قریشی ہونا لازم ہے

۲- ایک ہی وقت میں تعدد امام جائز نہیں

۳- امام فسق سے معزول نہیں کیا جا سکتا

قضاء

۱- قاضی کیلئے قریشی ہونا لازم نہیں۔

۲- ایک ہی وقت میں ایک ہی شہر میں تعدد قاضی جائز ہے

۳- قاضی فسق سے معزول کیا جا سکتا ہے (ایک قول میں)

شہادت

۱- شہادت میں عدد شرط ہے

۲- حدود اور قصاص میں مذکر ہونے کی شرط ہے

۳- شہادت میں حریت کی شرط ہے

۴- اصل اور فرع کے لئے شہادت معتبر نہیں۔

۵- شہادت پر شہادت مقبول نہیں مگر اصل کی معذوری کی صورت میں معتبر ہے

۶- محدود فی قذف کی شہادت توبہ کے بعد بھی مقبول نہیں۔

روایت

۱- روایت میں عدد شرط نہیں ہے

۲- روایت میں مذکر ہونے کی شرط نہیں ہے۔

۳- روایت میں حریت کی شرط نہیں ہے

۴- اصل اور فرع کی روایت معتبر ہے

۵- روایت پر روایت معتبر ہے۔

۶- مروایت قابل قبول ہے۔

رہن

۱۔ رہن اگر غائب ہو جائے تو دین لینے سے پہلے مرتہن پر رہن کا حاضر کرنا ضروری نہیں

۲۔ مرتہن اگر راہن سے رہن کو عاریتہ لے تو روکنے سے اسکا حق باطل نہ ہوگا۔

۳۔ رہن میں اگر مرتہن دین کو کھوٹا پائے تو وہ اپنی چیز کو واپس لے سکتا ہے

مبیع

۱۔ اگر مبیع غائب ہو جائے تو مشتری پر ثمن سپرد کرنا لازم نہیں ہے۔

۲۔ بیع میں اگر بائع مبیع کو عاریتہ لے اور پھر روک لے تو اسکا حق باطل ہو جائیگا

۳۔ بائع نے مبیع پر قبضہ دینے کے بعد ثمن کو خراب پایا تو وہ ثمن واپس کر سکتا ہے مبیع واپس نہیں لے سکتا

وکیل بیع

۱۔ وکیل بیع ثمن سے بریت اختیار کر سکتا ہے اور ثمن کو کم کر سکتا ہے ضامن بھی ہو سکتا ہے

۲۔ وکیل بیع حوالہ قبول کرنے کا مجاز ہے

۳۔ وکیل بیع رہن رکھ سکتا ہے

۴۔ قبضہ کے بعد اس وکیل سے ضمان نہیں لیا جا سکتا۔

۵۔ بیع پر قبضہ کرنے کے بعد قبضہ کیلئے اس وکیل کی شہادت درست نہیں

وکیل قبضہ دین

۱۔ یہ حقوق وکیل قبضہ دین کو حاصل نہیں ہیں۔

۲۔ وکیل قبضہ دین حوالہ قبول کرنیکا مجاز نہیں ہے

۳۔ رہن کا اختیار نہیں ہے۔

۴۔ قبضہ کے بعد اس وکیل سے ضمان لیا جا سکتا ہے۔

۵۔ دین پر قبضہ کرنے میں اس وکیل کی شہادت درست ہے۔

نکاح

۱۔ بلا گواہوں کے صحیح نہیں

رجعت

۱۔ بلا گواہوں کے صحیح ہے

۲۔ نکاح میں عورت کی رضامندی ضروری ہے	۲۔ عورت کی رضامندی ضروری نہیں
۳۔ مہر لازم ہوتا ہے	۳۔ مہر لازم نہیں ہوتا۔
۴۔ نکاح عدت میں نہیں ہوتا ہے	۴۔ رجعت عدت میں ہوتی ہے۔

وکیل	وصی
۱۔ وکیل اپنے کو معزول قرار دے سکتا ہے	۱۔ وصی معزول نہیں کرسکتا۔
۲۔ وکالت میں قبولیت شرط نہیں	۲۔ وصی ہونے میں قبول شرط ہے
۳۔ موکل نے وکیل کو جس قدر مقید کیا ہے اسی قدر اس کی وکالت ہے	۳۔ وصی مقید نہیں ہے
۴۔ وکیل اپنے عمل کی اجرت کا مستحق نہیں	۴۔ وصی اپنے عمل کی اجرت کا مستحق ہے
۵۔ بعد موتِ موکل کے وکالت درست نہیں	۵۔ وصایت درست ہے۔
۶۔ وکیل کے لئے عقل کے علاوہ حریت اسلام کی شرط نہیں	۶۔ وصی کے لئے عقل، بلوغ، حریت، اسلام شرط ہے
۷۔ مقصد حاصل ہونے سے قبل اگر وکیل مرگیا تو قاضی دوسرا وکیل مقرر نہیں کرسکتا ہاں مفقود کی جانب سے مقرر کرسکتا ہے	۷۔ مقصد حاصل ہونے سے قبل اگر وصی مرگیا تو قاضی دوسرا وصی مقرر کرسکتا ہے۔
۸۔ خیانت یا تہمت کی وجہ سے قاضی وکیل کو معزول نہیں کرسکتا۔	۸۔ وصی میت کو قاضی خیانت کی وجہ سے معزول کرسکتا ہے۔

وصی	وارث
۱۔ وصی میت کا خلیفہ ہوتا ہے	۱۔ وارث میت کا خلیفہ ہوتا ہے مگر یہ ملکیت میں وصی کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوتا ہے

فروق کا بیان

طہارت کے مسائل

(۱) اگر پوری مینگن کنویں میں گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا اور اگر آدھی مینگن گر جائے تو ناپاک ہوجائے گا. یہی حال دودھ کے برتن کا ہے۔

وجہ فرق یہ ہے کہ مینگن پر چونکہ چکنی اور لیسدار ایک رطوبت چڑھ کر خشک ہوجاتی ہے. گویا ایک قسم کا پالش ہوتا ہے جو مینگن کے ٹوٹ جانے پر ختم ہوجاتا ہے اور مینگن سے نجاست آسانی کے ساتھ سرایت کر جاتی ہے۔

۲۔ مرد پر واجب نہیں کہ وہ اپنی بیمار بیوی کو وضو کرائے البتہ اگر غلام اور باندی بیمار ہوجائے تو ان کو وضو کرانا اس پر واجب ہے۔

وجہ فرق یہ ہے کہ باندی اور غلام اس کی ملکیت[۱] ہیں جن کی اصلاح کرنا اسکی ذمہ داری ہے عورت ملکیت نہیں ہے۔

۳۔ چوہا گرنے سے پورے کنویں کا پانی سینچنا نہیں پڑے گا اگر چوہے کی دم کٹ کر گر جائے تو سب پانی نکالا جائے گا

وجہ فرق یہ ہے کہ دم کٹی ہوئی ہونے کی صورت میں بہنے والا خون پانی میں سرایت کر جائے گا چوہے میں یہ احتمال موجود نہیں ہے[۲]

---

[۱] مصنف نے اس جگہ ملکیت کے اعتبار سے ایک قانونی رخ دکھلایا ہے لیکن جہاں تک مسئلہ کا اخلاقی پہلو ہے اسکے بارے میں حدیث شریف ہے: "خیرکم خیرکم لاھلہٖ" تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ بہتر ہے [۲] یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ چوہا زندہ یا بغیر پھولے پھٹے نکل آئے۔

نماز کے مسائل

۱۔ اگر نمازی نے نماز پڑھنے کی حالت میں قرآن شریف دیکھ لیا اور پڑھ لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اپنی عورت کی فرج کی طرف بنظر شہوت دیکھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

وجہ فرق یہ ہے کہ دیکھ کر قرآن شریف پڑھنے میں ایک قسم کی تعلیم اور تعلم ہے جو نماز میں جائز نہیں ہے۔ دوسری صورت میں یہ بات نہیں ہے اگرچہ قبیح ضرور ہے مگر مفسد صلوٰۃ نہیں

۲۔ اگر امام نے ایک مہینہ کے بعد کہا کہ میں مجوسی تھا یا کافر تھا تو لوگوں پر نماز کا اعادہ واجب نہیں اور اگر امام نے کہا میں نے بلا وضو نماز پڑھائی تھی تو لوگوں پر نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

وجہ فرق یہ ہے کہ پہلے کی خبر مستنکر ہے اور بعید ہے اور دوسرے کی خبر میں صرف احتمال ہے۔

۳۔ نفل شروع کرنے پر جماعت کی نماز کے لئے اقامت شروع ہوگئی۔ اس کو قطع نہ کرے اور اگر فرض شروع کر چکا تھا تو ان کو قطع کر دے اور گنہگار نہیں ہوگا۔

وجہ فرق یہ ہے کہ دوسری صورت اصلاح اور تکمیل عمل کے لئے تھی اور پہلی حالت میں ابطال عمل ہے [۱]

۴۔ دار الحرب میں کسی مردہ کی لاش اس حالت میں ملی کہ اس کے گلے میں زنار تھا اور بغل میں قرآن شریف تھا اس پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی اور اگر دار الاسلام میں ایسی صورت پیش آ جائے

---

[۱] قرآن پاک میں مذکور ہے لا تبطلوا اعمالکم اپنے عمل کو باطل نہ کرو۔ بظاہر ابطال عمل فرض میں بھی ہے لیکن فرض ایک وقت میں ایک ہی بار ادا کیا جاتا ہے اس وجہ سے اصلاح اور تکمیل والی دلیل کو [illegible]

تو نماز نہ پڑھی جائے گی۔

کیونکہ دارالحرب میں امن کے لئے بعض دفعہ ایسا کرنا پڑتا ہے، لہذا قرآن پاک کا اس کے پاس ہونا اس کے مومن ہونے کی علامت ہے اور زنار کا گلے میں ہونا ضرورت امن اور عذر کی وجہ سے ہے۔ دارالاسلام میں یہ عذر اور ضرورت مفقود ہے۔ وہ لوگ کم نصیب اور جاہل ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں حالات اور زمانہ کی رو رعایت نہیں ہے یا وہ حالات زمانہ سے ہم آہنگ نہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ
راست خواہی ہزار چشم چناں — کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہو سکتا ہے کہ اگر دارالاسلام کا کوئی مسلمان کسی حربی ملک میں کسی ضرورت سے جائے اور وہاں کی حکومت ایسا دستور رکھتی ہو کہ جو ناجائز اور حرام ہے اور بغیر اس کے ویزا نہ مل سکتا ہو تو مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ وہاں کے دستور کی پابندی کرے یا پھر نہ جائے۔ موجودہ زمانہ میں ویزا اور پاسپورٹ کے لئے فوٹو کی ضرورت اسی قبیل سے ہے۔ واللہ اعلم

زکوٰۃ

۵ــــ ملک نصاب کے بعد پیشگی زکوٰۃ دینا جائز ہے لیکن کھیتی کا عشر بونے کے بعد پیدا ہونے سے پہلے جائز نہیں ہے۔

وجہ فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ میں سبب وجوب موجود ہے، عشر میں سبب وجوب موجود نہیں ہے یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ بھی پیدا نہ ہو تو پھر عشر کس چیز کا؟

۶ــــ ادائیگی عشر یا زکوٰۃ کے لئے کسی کو وکیل بنا دیا وکیل کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے کسی قریب پر اس کو خرچ کر دے (اور اگر مستحق ہے تو اپنے اوپر بھی خرچ کر سکتا ہے) بخلاف بیع کے اگر کسی کو بیع کا وکیل کیا تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے کسی قریب کو بیچے یا

خود ہی خریدلے۔

وجہ فرق یہ ہے کہ صدقات میں ایک قسم کی نرمی اور سہولت ہے اور معاوضات میں ایک قسم کی تنگی اور سختی ہے۔

۷۔ زکوۃ سال گذرنے کے بعد بھی ادا ہی سمجھی جاتی ہے بخلاف نماز کہ وہ وقت گذرنے پر قضا ہوجاتی ہے۔

وجہ فرق یہ ہے کہ زکوۃ کے لئے پوری عمر وقت ہے اور نماز کے لئے وقت محدود اور مقرر ہے۔

روزہ

۸۔ ایک دن میں نذر کے دو روزے رکھنے کی نذر کی تو صرف ایک ہی روزہ رکھنا لازم ہوگا اور اگر ایک ہی سال میں دو حج ادا کرنے کی نذر کرلی تو واجب ہوجائیں گے۔

وجہ فرق یہ ہے کہ حج کے بارے میں یہ امکان ہے کہ وہ اپنا اور غائب کا حج کرسکتا ہے بخلاف روزے کے اس میں یہ امکان نہیں ہے۔

۹۔ رمضان شریف میں روزے کی حالت میں تھوڑا نمک چکھ لیا تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہونگے اور اگر بہت زیادہ نمک کھالیا تو کفارہ نہیں صرف قضا لازم ہوگی۔

وجہ فرق یہ ہے کہ تھوڑا نمک مصلح بدن ہے اور غذا ہے اور زیادہ نمک مضر بدن ہے نہ دوا ہے نہ غذا ہے اور کفارہ ان ہی چیزوں سے آتا ہے جو یا تو دوا ہوں یا غذا ہوں۔

۱۰۔ اگر تل باہر سے اٹھا کر نگل لیا تو قضاء اور کفارہ دونوں ہیں اور اگر چبا کر نگلا تو کچھ نہیں

وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں تل کا وجود اور حیثیت ہے اور چبانے

کی صورت میں وہ اپنے حقیر سے وجود کی وجہ سے اور بھی لاشئے محض بن جاتا ہے اور ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ کچھ نکلا ہی نہیں۔

حج

۱۰۔ اگر اونٹ کی مینگن سے جمرہ کی رمی کی تو جائز اور جواہر سے رمی کی تو ناجائز ہے۔

وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں شیطان کی تذلیل اور بے عزتی ہے اور دوسری صورت میں اعزاز ہے

۱۱۔ اگر محرم (احرام باندھ کر) شکار کرنے پر دلالت کرے تو اس پر شکار کی جزا ہے اور اگر قتل مسلم پر دلالت کرے تو نہیں۔

وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت صرف احرام کے منافی ہے حرام ہے اور دوسری صورت ہر حال میں حرام ہے۔ منافی احرام کرنے کی وجہ سے اس کی جزا دینی ہوگی اور دلالت قتل کا مسئلہ دوسرے قبیل سے ہے عدالت جو بھی سزا مقرر کرے۔

۱۲۔ اگر وقت وقوف عرفہ میں غلطی ہو جائے تو وقوف کا اعادہ نہیں البتہ روزہ اور قربانی کا اعادہ کرنا پڑے گا۔

وجہ فرق یہ ہے کہ حج کا تدارک دشوار بلکہ ناممکن اور محال ہے البتہ دوسری چیزوں کا تدارک ممکن ہے اور "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا" اللہ تعالیٰ بقدر وسعت اور طاقت ہی مکلف بناتا ہے۔ آدمی کے بس میں وقت کا واپس لانا نہیں ہے اور وقوف وقت کے ساتھ مقید ہے دوسری چیزیں قابل اعادہ ہیں اس لئے کہ وہ اختیار میں ہیں

اگر غلام کو بعد اس کے حج ادا کرنے کے آزاد کر دیا وہ حج فرض

پھر ادا کریگا اور اگر فقیر مالدار ہو گیا تو اس کو پہلا حج ہی کافی ہے
وجہ فرق یہ ہے کہ فقیر کے حق میں سبب انعقاد موجود ہے اور غلام کے
حق میں عدم اہلیت کی بنا پر سبب انعقاد موجود نہیں ہے اور یہی حال بچہ
کے بارے میں ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر کسی نے بلا حج فرض ادا کئے حج
بدل کیا تو اس کو اپنا حج پھر ادا کرنا پڑے گا جب بھی اس پر فرض ہو گا

۱۳۔ اندھا، اور اپاہج اور عورت بلا محرم کے مثل فقیر کے ہیں
یعنی اگر انہوں نے حج ادا کر لیا تو حج فرض ادا ہو جائے گا۔ جیسا کہ فقیر
کا حج ادا ہو جاتا ہے اور فرضیت کے بعد پہلا ہی حج کافی سمجھا جائیگا۔

نکاح

۱۴۔ نکاح مثل طلاق کے بدون دعویٰ کے ثابت ہو جاتا ہے اور
مبیع پر ملکیت بدون دعویٰ کے ثابت نہ ہو گی۔ یعنی طلاق اور نکاح
کو ثابت کرنے کے لئے دعوے دائر کرنے کی ضرورت نہیں ہے
وجہ فرق یہ ہے کہ نکاح اور طلاق میں حق اللہ موجود ہے یعنی اس کی قائم
کردہ حلت اور حرمت ہے، اور حلت، حرمت نص سے ثابت ہے جس کے
لئے دعویٰ کی ضرورت نہیں ہے۔ بخلاف ملکِ مبیع کے وہ حق عبد ہے اسکے
لئے دعویٰ کی شرط ہے

۱۵۔ عورت اگر باکرہ بالغہ ہو تو باپ کو حق حاصل ہے کہ اسکے
مہر پر قبضہ کر لے اگرچہ خاوند نے اس سے وطی نہ کی ہو البتہ شوہر
نے از خود جو چیزیں زوجہ کو ہبہ کی ہیں اس پر قبضہ کرنے کا حق
عورت کے باپ کو حاصل نہیں ہے
وجہ فرق یہ ہے کہ عورت مہر پر قبضہ کرنے میں عام طور پر حیا کرتی ہے لہذا
اِذن دلالۃً موجود ہے بخلاف شے موہوبہ کے قبضہ کرنے میں۔

۱۶ــ اگر کسی نے عورت کو شہوت کے ساتھ چھو دیا تو اس کے اصول اور فروع خاوند پر حرام ہیں اگر انزال نہیں ہوا تھا۔ اگر انزال ہو گیا تھا تو حرام نہیں ہیں

وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں جماع کے لئے داعی برقرار ہے اور دوسری صورت میں جماع کا داعی فرار ہے۔

۱۷ــ دبر کو چھونے سے حرمت مصاہرت پیدا ہو جاتی ہے اور دبر میں جماع کرنے سے نہیں۔

وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت داعی الی الولد ہے اور دوسری صورت داعی الی ولد نہیں ہے جیسا کہ بتلایا ہے

۱۸ــ باندی سے اس شرط پر نکاح کیا ہے کہ اس کے جو بچہ ہو گا وہ آزاد نکاح اور شرط دونوں صحیح ہیں اور اسی شرط پر اس کو خرید لیا تو بیع فاسد ہو گی۔

وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت شرط کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتی بخلاف بیع کے وہ شرط سے فاسد ہو جاتی ہے

طلاق

۱۹ــ مطلقہ رجعیہ سے وطی حلال ہے اس کے ساتھ سفر حلال نہیں ہے

وجہ فرق یہ ہے کہ وطی رجعت ہے اور سفر رجعت نہیں ہے

۲۰ــ معتدہ طلاق بائن (یعنی وہ عورت جو طلاق بائن کی عدت میں ہو) اس کے شوہر کے بیٹے نے (جو دوسری عورت سے تھا) اس کا بوسہ لے لیا تو یہ عورت اپنے شوہر کے لئے حرام نہیں ہوئی اور اس کے لئے نفقہ ہے اور اگر نکاح کی حالت میں بوسہ لے لیتا تو حرام ہو جاتی۔

وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں نکاح ختم ہو چکا ہے اور دوسری صورت میں نکاح موجود ہے

۲۱۔ نکاح، طلاق، ابرار، تدبیر، عتاق واقع ہو جاتے ہیں اگرچہ ان کے معنی معلوم نہ ہوں۔ بخلاف بیع، ہبہ، اجارہ، اقالہ کے یہ واقع نہیں ہوتے جب تک معنی معلوم نہ ہوں۔

وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی اشیاء الفاظ سے منعقد ہو جاتی ہیں چاہے مرضی نہ ہو اور دوسری چیزوں کے لئے الفاظ کے ساتھ رضا ضروری ہے کیونکہ مثلاً بیع مال کو، مال کے بدلہ طرفین کی رضامندی سے فروخت کرنے کا نام ہے یہ قید نکاح میں نہیں ہے یعنی اگر کسی کو الفاظ نکاح تلقین کئے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہو، قبول کیا میں نے یا نکاح کیا میں نے۔ شوہر کو اگرچہ ان الفاظ کے معنی نہ معلوم ہوں مگر نکاح ہو جائیگا۔

عتاق

۲۲۔ اگر کسی مولٰے نے غلام سے کہا: تیرا عتق مجھ پر واجب ہے تو یہ کہنے سے غلام آزاد نہ ہوگا بخلاف اس صورت کے کہ کسی نے اپنی بیوی سے کہا تیری طلاق مجھ پر واجب ہے تو طلاق ہو جائے گی

وجہ فرق یہ ہے کہ عتق ان الفاظ سے متصف نہیں ہوتا اور طلاق ان الفاظ سے متصف ہوتی ہے۔

نوٹ:۔ اس موضوع کو ہم اسی جگہ ختم کرتے ہیں فقہ کے یہ مسائل حیرت الفقہ کے نام سے بھی مشہور ہیں اور مطبوعہ ملتے ہیں۔ ان میں صرف فقہ کے دلائل اور نکات کو بیان کیا ہے۔ فقہ میں جس قدر بصیرت اور تجربہ حاصل ہوگا اسی قدر اس قسم کے جزئیات پر عبور حاصل ہوگا۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اصول فقہ پر عبور حاصل کیا جائے اس طرح مسائل

میں دور بینی اور باریک بینی پیدا ہو جائے گی اور مسائل کے جواب میں آسانی ہوگی علمائے سابقین نے اسی کو حکمت قرار دیا ہے جسکے بارے میں ارشاد ہے

من یوت الحکمة فقد — جس کو حکمت عطا ہوئی اس کو
اُوتی خیراً کثیراً — خیر کثیر عطا ہوئی۔

اسی کے بارے میں حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے

فقیہ واحد اشد علی — ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے
الشیطان من الف عابد — زیادہ بھاری ہے

یاد رکھو! یہ فقہ خدا کی بڑی نعمت اور اس کا بڑا انعام ہے جس کو حاصل ہو جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رہنما اصول

یعنی
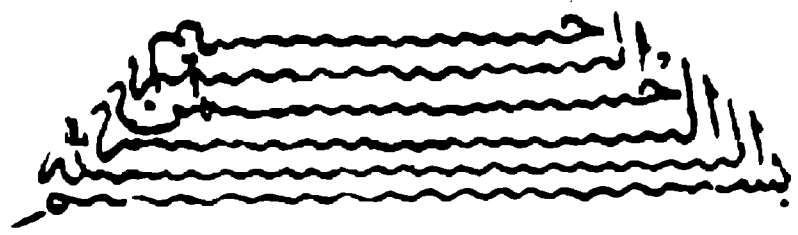
فقہ اسلامی کے قواعد کلیہ

اس باب کے اکثر قواعد الاشباہ سے ماخوذ ہیں اور جو دوسری کتابوں سے اخذ کئے ہیں ان کا حوالہ حاشیہ میں درج ہے۔ یہ وہ رہنما اصول ہیں کہ جن کے تحت ہر زمانہ میں ہزاروں پیش آمدہ مسائل کو قیاس کیا جا سکتا ہے

یہ اصول وہ چمکدار ستارے ہیں کہ جنکی چمک قرآن اور حدیث سے روشنی حاصل کر رہی ہے اس طرح اسلام کا دستور زمانے کے ساتھ نہیں بلکہ زمانہ کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

رہنما اصول —— یا —— قواعد کلیہ

تعارف علامہ ابن نجیم مصری صاحب الاشباہ والنظائر نے اپنی اس کتاب میں ایک شعر تحریر فرمایا ہے

وانی لا استطیع کنہ صفاتہا ÷ ولو ان اعضائی جمیعاً تکلم

یعنی میں فقہ کے صفات اور حقائق اور عجائبات کو بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اگرچہ میرے تمام اعضاء زبان بن جائیں۔

حقیقت حال یہی ہے کہ فقہ کی جس قدر خوبیاں بیان کی جائیں کم ہیں علامہ ابن نجیم نے الاشباہ میں ایک جگہ یہ بھی تحریر فرمایا ہے

انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی انسان نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے کیا ارادہ کیا ہے صرف فقہاء ہی جانتے ہیں۔ حدیث شریف میں مروی ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ رکھتا ہے اس کو فقہ فی الدین عطا کرتا ہے۔[1]

چنانچہ فقہ فی الدین ہی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ وہ کمال ہے کہ جس کے مثل کوئی کمال نہیں ہے دنیا اور آخرت کی عزتیں اس سے وابستہ ہیں۔ عجائبات فقہ اگر دیکھنے ہوں تو کتب اصول اور خاص طور سے فقہ کے قواعد کلیہ کو دیکھنا چاہیئے۔ علامہ ابن نجیم رہ نے فرمایا ہے:

"ان کے ذریعہ فقیہ درجہ اجتہاد پر فائز ہوتا ہے"

قواعد کلیہ کو پڑھنے سے شریعت کا جاہ و جلال سامنے آجاتا ہے۔ دنیا بھر کے دستوروں کا مطالعہ کر لیجئے اول تو اصول نہ ملیں گے اور اگر ملے تو کوئی

---

[1] الاشباہ ص۱۵

اصول ایسا نہ ہوگا جو مجروح نہ ہو کیونکہ جب ان کی تشریحات ہوتی ہیں تو ان اصولوں کی فروعات ہی انکو کاٹ دیتی ہیں۔ مگر اسلامی اصول اور قواعد کلیہ سے جتنے چاہے جزئیات بن جائیں ہر ایک قاعدہ اپنی جگہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط نظر آئے گا

بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے سترہ قواعد کلیہ امام محمد بن محمد بن سفیان ابو الطاہر دباس نے ترتیب دئے تھے (یہ علماء عراق میں سے ہیں اور عیسیٰ بن ابان کے شاگرد رشید ہیں) کہا جاتا ہے کہ ان کا حافظہ اور فقہ غضب کا تھا نابینا تھے لیکن قوت حس بہت بیدار تھی۔ ان کا طریقہ تھا کہ روزانہ رات کو جب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر چلے جاتے تو یہ کواڑ بند کر کے ان قواعد کی دگردان کی طرح) تکرار کیا کرتے تھے۔ ایک رات شافعی مسلک کے امام ابو سعید ہروی مسجد میں چٹائی سے لپٹ کر چھپ گئے۔ ابھی ابو طاہر سات قاعدوں کی گردان کرنے ہی پائے تھے کہ ان کو محسوس ہو گیا چنانچہ انہوں نے فوراً ہی ان کو مار کر نکال دیا اور اس کے بعد سے پھر رات کو مسجد میں بھی انکی تکرار بند کر دی کہا جاتا ہے ابو طاہر دباس علم کے معاملہ میں بہت بخیل تھے [1]

اس فن میں بہت سے علماء نے کتابیں لکھی ہیں مثلاً ابو طاہر دباس الامام الکرابیسی کی کتاب تلقیح المحبوبی علامہ قرانی مالکی کی انوار البروق فی انوار الفروق علامہ شوکانی کی ارشاد الفحول اور علامہ ابن نجیم کی الاشباہ والنظائر بہت مشہور ہیں علامہ قرانی مالکی نے اس فن میں ۵۴۸ قواعد کلیہ تحریر فرمائے ہیں تحریر فرمایا ہے،

> اسلامی شریعت کے اصولوں کی دو قسم ہیں، اصول فقہ۔ اور قواعد کلیہ جنکی تعداد بہت ہے وہ شریعت کے اسرار و رموز اور عجائبات کے سمجھنے میں بہت مدد دیتے ہیں ہر قاعدے کے تحت بیشمار فروعی مسائل ہوتے ہیں۔ یہ قواعد فقہ میں بہت اہم ہیں فقیہہ ان

---

[1] الاشباہ ص ۱۶، الجواہر المضیہ ج ۲ ص ۱۱۶

قواعد کا جسقدر احاطہ کرے گا اس کی قدر و منزلت زیادہ ہوگی
اور فقہ کی رونق نمایاں ہوگی۔ ان ہی قواعد کے ذریعہ فتاوے
کی راہیں کشادہ ہوتی ہیں علمار کا مقولہ ہے جو اصول فقہ کو
پیش نظر رکھے گا وہ منزل تک پہونچ جائے گا اور جو قواعد کو
پیش نظر رکھے گا وہ مقاصد میں کامیاب ہوگا[1]

راقم الحروف نے دستیاب کتابوں سے جس قدر ممکن ہوسکا ہے اس جگہ قواعد کلیہ کو جمع کر دیا ہے، تمام قواعد کا احصار دشوار تر ہے علامہ قرافی کے بہت سے قواعد کو میں نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ ایک ہی چیز کی بار بار تکرار سے تعداد میں اضافہ اچھا نہیں معلوم ہوتا میری رائے یہ ہے علامہ ابن نجیم رح کے جمع کردہ ۲۵ قاعدے سینکڑوں پر بھاری ہیں وہ بڑی جامعیت رکھتے ہیں

مومن کی نیت

قاعدہ ۱

"ثواب کا مدار نیت پر ہے"

یہ قاعدہ مشہور حدیث "انما الاعمال بالنیات" سے ماخوذ ہے۔ اعمال کا حکم نیت پر ہے اور حکم دو طرح کا ہوتا ہے حکم دنیوی (صحت و فساد) اور حکم اخروی (ثواب و عقاب) حکم دنیوی کے بارے میں بہت سے مسائل میں ہمارا اور امام شافعی رح کا اختلاف ہے، لیکن قاعدہ میں جس قدر مذکور ہے یعنی حکم اخروی، اس میں اختلاف نہیں ہے اس پر اجماع ہے ۔ نیت کے معنی قصد اور ارادہ کے ہیں علامہ تفتازانی نے فرمایا ہے

۱۔ کسی کام کو وجود میں لانے کے لئے طاعت اور ثواب کا ارادہ کرنا

قاضی بیضاوی نے فرمایا ہے:

ارادہ کا کسی فعل کی طرف متوجہ ہونے کا نام نیت ہے۔ اور لغت میں نیت یہ ہے کہ قلب کسی نفع کے حصول یا دفع ضرر حال

---

[1] مقدمہ انوار البروق

یا مآل کی وجہ سے کسی کام کی طرف حرکت کرے۔

ب ۔ نیت کی ضرورت اس وجہ سے ہے تاکہ عبادات اور عادات میں امتیاز ہو جائے یا ایک عبادت کو دوسری عبادت سے ممتاز کیا جا سکے مثلاً مسجد میں بیٹھنا آرام کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور ثواب کی نیت سے بھی یا کسی دنیوی غرض سے بھی اور چوری کی نیت سے بھی۔ ایسے ہی ذبح کرنا محض کھانے کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور قربانی و عقیقہ کے لئے بھی اور کسی امیر کے اعزاز میں اور کسی پیر کی نذر کے لئے بھی۔ آخری صورت حرام ہے اور پہلی صورت جائز اور مباح اور دوسری صورت عبادت اور ثواب ہے ایک ہی امر مباح میں ثواب کے بہت سے چشمے پھوٹ سکتے ہیں قلب جس قدر صالح ہوگا اور اس میں جس قدر عمدہ استعداد ہوگی اس کی نیت میں اسی قدر وسعت، تنوّع اور پھیلاؤ ہوگا[1]

ایک حدیث پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

نیت المومن خیر من عملہٖ	مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے

...... اور اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے

ان اللہ لا ینظر الیٰ صورکم	اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور
و اموالکم و لکن ینظر الیٰ	مالوں کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے
قلوبکم و اعمالکم (الحدیث)	دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

اس کی تائید قرآن پاک کی آیت مبارکہ سے ہوتی ہے

لَن یَنالَ اللہَ لحُومُھا وَلَا	اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا
دماؤھا و لکن ینالہ التقویٰ	گوشت اور خون ہرگز نہیں پہونچتا
منکم	اسکو تو تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے

غالباً یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں تحریر فرمایا ہے کہ

---

[1] الاشباہ، مظاہر حق از نواب قطب الدین خاں۔

* نماز شروع کرنے سے پہلے نیت کا تلفظ بدعت ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضؓ اور تابعین رحؒ سے نہ بطریق صحیح ثابت اور نہ بطریق ضعیف ثابت [۱]

لیکن صاحب ہدایہ نے الفاظ سے نیت کرنے کو مستحسن قرار دیا ہے کہ اس طرح فعل قلبی اور عمل جوارح کا اجتماع ہوجاتا ہے [۲]۔ نیت پر موقوف اور غیر موقوف مسائل امتیازات کے ذیل میں مذکور ہو چکے ہیں

قاعدہ ۲ تمام اشیاء اور تمام افعال پر حکم ان کے مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

یہ قاعدہ کوئی مستقل قاعدہ نہیں ہے بلکہ پہلے قاعدہ سے متفرع ہے، یہ بھی حدیث شریف سے ثابت ہے

لکل امرء مانوی فمن	ہر آدمی کے لئے وہی ہے جو نیت
کانت هجرته الی الله	کرتا ہے پس جس کی ہجرت اللہ اور
ورسوله فهجرته الی الله	رسول کی طرف سے اس کی ہجرت
ورسوله (الخ الحدیث)	اللہ اور رسول ہی کی طرف ہے
۱۔ مثلاً شیرہ انگور کی بیع اگر شراب بنانے کے لئے ہے تو حرام	اور اگر بغرض تجارت ہے تو حلال اور جائز
۲۔ یہی حال انگوروں کی کاشت کا ہے	
۳۔ ترک کلام مسلمان سے اگر ترک تعلق کے لئے ہے تو تین دن سے زیادہ حرام	اور اگر اس قصد سے نہیں ہے تو جائز خواہ برس گذر جائیں
۴۔ عورت کا شوہر کی موت کی وجہ سے ترکِ زینت (احداد یعنی سوگواری) حلال۔	اور غیر کی میت کے لئے ترک زینت سوگواری کی نیت سے حرام
۵۔ جنبی کا دعائے قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام	اور دعا کی نیت سے پڑھنا حلال اور جائز

---

[۱] فتح القدیر ص۲۵ [۲] مرقاۃ ص۴۲ ج۱

۶۔ مصلی (نمازی) کا قرأت قرآن اور جواب کی نیت سے کوئی آیت
نماز میں درست پڑھ دینا مفسد صلوٰۃ

۷۔ ایسے مواقع میں قرآن پاک کی آیت پڑھ دینا جہاں کلام انسان ہی مناسب تھا مثلاً کسی اجتماع کو دیکھ کر پڑھ دیا:۔
فجمعناھم جمعًا پس جمع کیا ہم نے ان کو جمع کرنا۔
یا جام شراب دیکھ کر پڑھ دیا " کاسًا دھاقًا " تو کفر لازم ہو جائے گا۔

ایسے ہی پہرہ دار یہ جتلانے کیلئے لا الٰہ الا اللہ (ذکر جہری) کرے کہ وہ بیدار ہے تو گنہگار رہے ایسے ہی کپڑا بیچنے والا مشتری کو کپڑے کی اچھائی جتلانے کے لئے پڑھے "صلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم" یا کہے سبحان اللہ تو یہ مکروہ اور ناجائز ہے۔ ایسے ہی سیکولر مجالس میں کوئی ایسی حرکت کرنا مثلاً کسی کافر کی میت کے قریب یا اس کی مجلس عزاداری میں تلاوت قرآن پاک ناجائز ہے لہ

نوٹ:۔ اہل اصول اور فقہاء کرام نے اس بحث کو بہت طویل کیا ہے اور اس قاعدہ کلیہ کے تحت بہت سے ضمنی ضابطے بھی تحریر کئے ہیں بحث کے خاتمہ پر صاحب الاشباہ والنظائر نے سب کو جامع ایک ضابطہ تحریر فرمایا ہے۔

قاعدہ ۲: یمین عام میں تخصیص کی نیت دیانۃً معتبر ہے قضاءً معتبر نہیں ہے اور امام خصاف نے فرمایا ہے کہ قضاءً بھی معتبر ہے

لہ سیاسی علماء کو اپنے طریقۂ کار پر نظر ثانی کرنا چاہیئے۔ ہرگز نہ رسی بکعبہ اے زنگی بہ کہ ایں رہ بطرف ترکستان است ۔ ۲ہ الاشباہ ص ۶۵ علامہ ابن نجیم نے بیان فرمایا ہے کہ ضابطہ وہ قاعدہ ہے جو ایک ہی باب کے مسائل کو مشتمل ہو اور قاعدہ اس سے عام ہے۔

اس قاعدہ کا تعلق بھی پہلے ہی قاعدہ سے ہے اور بالفاظ دیگر اس مبحث میں یہ پہلے قاعدہ کی تشریح ہے؛ یمین کے معنی لغتہً قوت اور طاقت کے ہیں داہنے ہاتھ کو یمین اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں نسبۃً دوسرے ہاتھ کے "گرفت" کی قوت زیادہ ہے۔ اصطلاح فقہاء میں یمین قسم کو کہتے ہیں یعنی کلام میں قوت پیدا کرنا یہ دو طرح پر ہوتا ہے: اللہ کا نام کلام میں داخل کر لیا جائے جس کو اردو میں قسم کھانا کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ کلام کو کسی چیز پر معلق کر دیا جائے اس طرح کلام میں ایک قسم کی قوت آجاتی ہے قاعدۂ زیر بحث میں قسم ثانی مراد ہے مثلاً

ا۔ کسی آدمی نے کہا ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں اسے طلاق" پھر اس نے کہا: میں نے فلاں شہر کی عورت کی نیت کی تھی تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس کا یہ قول معتبر نہ ہوگا اور اس عام میں تخصیص کی یہ نیت معتبر نہیں ہے۔ امام خصاف رح نے فرمایا ہے دیانتہً معتبر ہے۔

ب۔ کسی آدمی نے کہا: "ہر مملوک جس کا میں مالک ہو جاؤں وہ آزاد" اس کے بعد کہا میں نے مرد مراد لیئے ہیں عورتیں میری مراد نہیں ہیں۔ یہ قول دیانتہً معتبر ہے قضاءً معتبر نہیں ہے۔

قاعدہ ۴ قسم کھانے والا اگر مظلوم ہے تو قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا نہ کہ قسم کھلانے والے کی نیت کا جبکہ وہ ظالم ہو۔

یہ قاعدہ بھی پہلے قاعدہ کی تشریح ہے۔

قاعدہ ۵ یمین کا اعتبار الفاظ پر ہے اغراض پر نہیں ہے۔

مثلاً کسی آدمی نے قسم کھائی کہ میں فلاں آدمی سے پیسہ کی چیز نہ خریدونگا

اس کے بعد اس نے اسی آدمی سے ننو درہم میں کوئی چیز خرید لی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس جملہ سے غرض یہ ہے کہ بالکل نہ خریدا جائے لیکن الفاظ میں یہ ظاہر نہیں ہے۔

ب۔ کسی آدمی نے قسم کھائی کہ فلاں آدمی سے دس روپیہ کی چیز نہ خریدونگا پھر گیارہ روپیہ کی خرید لی یا نو روپیہ کی خرید لی تو حانث نہ ہوگا کیونکہ ظاہر الفاظ میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔

نوٹ:۔ "تکملہ بحث" ۔ نیابت کی صورت میں کس کی نیت کا اعتبار ہوگا؟ اگر کوئی مریض ہے اور اس کو دوسرا آدمی تیمم کرائے تو مریض کی نیت کا اعتبار ہے

ب۔ زکوٰۃ اگر کسی وکیل کے ذریعہ ادا کرائی جائے تو موکل کی نیت کا اعتبار ہے اگر وکیل نے بلا نیت کے کسی کو زکوٰۃ کی رقم دیدی تو نیت موکل ہی کافی سمجھی جائے گی۔

ج۔ حج بدل میں مامور (جو حج بدل ادا کر رہا ہے) کی نیت کا اعتبار ہے کیونکہ افعال حج ماموری کو ادا کرنے پڑتے ہیں اگر مامور نے اپنے حج کی نیت کرلی تو وہ ضامن ہوگا۔

اسلام میں یقین کا حکم

یقین شک سے زائل نہیں ہوتا

قاعدہ ۶

یہ نہایت عظیم الشان قاعدہ ہے اور فقہ کے بیشتر مسائل کو حاوی ہے۔ علامہ حموی نے شرح الاشباہ میں بیان فرمایا ہے کہ یہ قاعدہ فقہ کے ۳/۴ ابواب پر حاوی ہے فقہاء کرام نے اس قاعدہ کو اس حدیث سے مستنبط کیا ہے

اذا وجد احدکم فی بطنہ — جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں

شیئاً فاشکل علیہ اخرج منہ	(گڑگڑاہٹ) محسوس کرے اور اسکو
شیئاً ام لا فلا یخرجن من	شک ہو جائے کہ کوئی چیز خارج ہوئی
المسجد حتی یسمع صوتاً	ہے یا نہیں؟ تو مسجد سے نہ نکلے
او یجد ریحاً (رواہ مسلم)	جب تک کہ آواز یا بدبو محسوس نہ کرلے

میں کہتا ہوں اس قاعدہ کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے

ولا تقف مالیس لك بہ علم	جس چیز کے بارے میں تجھے علم نہیں
(بنی اسرائیل)	وہاں توقف مت کر

علم سے مراد فقہاء کی اصطلاح میں یقین ہوتا ہے وہ کبھی یقین بول کر غلبہ ظن مراد لیتے ہیں اور کبھی علم بول کر یقین مراد لیتے ہیں فقہاء کرام نے اسی قاعدہ کو بنیاد بنا کر اور دوسرے قاعدے بھی ترتیب دئے ہیں مثلاً

قاعدہ ۱ ہر چیز اپنی اصلی حالت پر برقرار رہتی ہے ۔۔۔ یعنی اگر اصل کے اعتبار سے کوئی چیز پاک ہے تو شک سے ناپاک نہ ہوگی اور اگر اصل کے اعتبار سے ناپاک ہے تو شک سے پاک نہ ہوگی یہی حال حلت و حرمت کا ہے مثلاً

ا ۔ اگر کوئی آدمی وضو سے تھا اور کچھ وقفہ گذرنے کے بعد اس کو خیال آیا معلوم نہیں وضو ہے یا ٹوٹ گیا تو اس شک سے اس کا وضو نہیں ختم ہوگا۔

ب ۔ گلی کوچوں میں جو مٹی اور کیچڑ ہوتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی زمین کی اصل طہارت ہے تو وہ محض اس گمان سے کہ ممکن ہے کہ یہاں کوئی نجاست گر گئی ہو ناپاک نہ ہوگی

ج ۔ اگر کوئی بچہ کسی جگہ پڑا ہوا مل جائے (یعنی لقیط) تو وہ آزاد شمار ہوگا کیونکہ آدمی کی اصل حریت ہے لہذا شک کی وجہ سے غلامی ثابت نہ ہوگی۔

د ۔ خاوند اور بیوی میں وطی کے بارے میں اختلاف ہوا ایک نے کہا وطی ہوگئی ہے دوسرے نے انکار کیا تو قول انکار کرنے والے کا معتبر ہے کیونکہ اصل اس

معاملہ میں عدم ظنی ہے۔

قاعدہ نمبر ۸ اصل یہ ہے کہ ہر آدمی بری الذمہ ہوتا ہے ۔ ۲

یہی وجہ ہے کہ کسی آدمی کو ذمہ دار قرار دینے کے لئے ایک گواہ کافی نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ قول مدعی علیہ کا معتبر ہوتا ہے کیونکہ اس کا قول اصل کے مطابق ہے اور گواہ مدعی پر ہوتے ہیں اس لئے کہ اس کا دعویٰ خلاف اصل ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ میں کسی مغصوبہ چیز کی قیمت یا ضائع شدہ چیز کی قیمت میں اختلاف ہوا تو اس بارے میں نقصان برداشت کرنے والے کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ زائد قیمت سے بری الذمہ ہے

قاعدہ نمبر ۹ اصل یہ ہے کہ ہر واقعہ کو اس کے قریبی وقت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ۔ ۳

مثلاً کسی آدمی نے اپنے کپڑے پر منی کا دھبہ دیکھا کہ دو تین مرتبہ سو چکا تھا تو اس احتلام کو آخری سونے کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

مثلاً کسی آدمی نے چند نمازیں پڑھنے کے بعد کپڑے پر نجاست دیکھی اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کب لگی ہے تو یہ آدمی وقوع نجاست کے آخری موقعہ کی طرف اس کو منسوب کرے اور اسی اعتبار سے نماز کا اعادہ کرے۔

قاعدہ نمبر ۱۰ جو چیز یقین کے ذریعہ ثابت ہوئی ہے اس کا ۔ ۴ حکم یقین کے ذریعہ ہی ختم ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ یقین سے مراد غلبۂ ظن ہے مثلاً امام اور مقتدیوں میں تعداد رکعات میں اختلاف ہوا اگر امام کو یقین ہے تو اعادہ نہ کرے اور اگر یقین نہیں ہے تو پھر مقتدیوں کے قول پر عمل کرے۔

مثلاً ایک آدمی نے ظہر کی نیت سے ایک رکعت ادا کی دوسری رکعت میں اس کو شک ہو گیا کہ وہ عصر کی نماز پڑھ رہا ہے اور تیسری رکعت میں شک ہو گیا کہ وہ نفل پڑھ رہا ہے تو فقہاء نے کہا ہے کہ اس کی نماز ظہر کی ہوگی اور اس کے شکوک

کا اعتبار نہ ہوگا۔

قاعدہ ص ۱۱ ہر چیز کی اصل معدوم ہے — ۵

اس قاعدے میں قدرے تفصیل ہے "ہر چیز کی اصل معدوم ہونا" یہ قاعدہ ان صفات میں جاری ہوگا جو صفات عارضہ ہیں لیکن جو صفات اصلیہ ہیں ان میں یہ قاعدہ ہے ۔ "ہر چیز کی اصل وجود ہے"

مثلاً کسی نے غلام اس شرط پر خریدا کہ وہ باورچی ہے یا کاتب ہے۔ پس اس وصف کا مشتری نے انکار کیا کہ وہ ایسا نہیں ہے تو اس میں منکر کا قول معتبر ہوگا کیونکہ صفت کتابت اور صفت خبازت عارضی ہیں اصلی نہیں ہیں لیکن اگر کسی نے باندی کو خریدا اس شرط پر کہ وہ باکرہ ہے" اور پھر بعد میں انکار کردیا کہ وہ باکرہ نہیں ہے اور بائع نے کہا وہ باکرہ ہے تو اس بارے میں بائع کا قول معتبر ہوگا کیونکہ یہاں صفت اصلیہ بکر ہے ۔ اس لئے اس کے وجود کا اعتبار ہوگا اور صفت عارضہ ثیبہ ہونے کا اعتبار نہ ہوگا اس قاعدہ کو ان ہی دو اعتبار سے دیکھنا چاہیئے

قاعدہ ص ۱۲ ہر چیز کی اصل اباحت ہے اگر عدم اباحت کی دلیل نہ ہو[1] — ۶

ہر چیز کی اصل تحریم ہے اگر عدم حرمت کی دلیل نہ ہو[2] ص

اصل ہر چیز کی اس قسم کے معاملات میں توقف ہے[3] ص

یہ ایک مختلف فیہ قاعدہ ہے جس میں امام شافعی، بعض حنفیہ اور اہل حدیث کا اختلاف ہے اور ہر ایک نے اپنے طے شدہ قاعدہ کے مطابق مسائل کو بیان کیا ہے صاحب البدائع نے فرمایا ہے۔ مختار یہ ہے کہ افعال کے شروع ہونے سے پہلے کوئی حکم نہیں۔ اسی اختلاف کی بنار پر یہ مسائل متفرع ہوتے ہیں مثلاً :-

---

[1] امام شافعی، امام کرخی کے نزدیک [2] شوافع اسکو امام ابوحنیفہ رح کی طرف منسوب کرتے ہیں اہل حدیث کا مسلک بھی یہی ہے [3] یہ اکثر احناف کا مسلک ہے۔ الاشباہ ص ۲۷

ؤ ۔ نہر جس کی ملکیت اور اباحت کے بارے علم نہیں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اصل اباحت ہے ان کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر دلیل سے معلوم ہو جائے کہ وہ کسی کی ملکیت ہے تو اجازت کی ضرورت پیش آئے گی[۱]

ب ۔ وہ مجہول گھاس جس کی سمیت معلوم نہیں ہے اس کے استعمال کا اسی اختلاف پر حکم دیا جائیگا

قاعدہ ۱۳

اصل بضاع (فرج، شرمگاہ) میں حرمت ہے ۔ اسی قاعدہ کے تحت فقہاء نے کہا ہے کہ "اصل نکاح حرمت ہے ضرورت کی وجہ سے اسکو مباح قرار دیا ہے[۲] اور یہی وجہ ہے کہ فرج کے معاملہ میں تحری (غور و فکر) کی اجازت نہیں ہے مثلاً ایک آدمی کے چار باندیاں ہیں اس نے ایک کو آزاد کر دیا لیکن یہ یاد نہ رہا کہ کس کو آزاد کیا ہے اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وطی کے لئے تحری کرے ایسے ہی یہ بھی جائز نہیں ہے کہ بیچنے کے لئے تحری کرے ۔ ایسے ہی چار عورتوں میں سے ایک کو تین طلاق دیدیں اور یہ یاد نہ رہا کس کو طلاق دی ہے ۔

اس جگہ علامہ ابن نجیم نے مختلف فقہاء کے حوالہ سے چند مسائل ذکر فرمائے ہیں مثلاً

ایک عورت نے ایک بچی کے منہ میں اپنی پستان دیدی اور یہ بات مشہور ہوگئی کہ اس عورت نے دودھ پلایا ہے ۔ لیکن اس عورت نے کہا بیشک میں نے ایسا کیا ہے لیکن اس وقت میری پستان میں دودھ نہ تھا (اور یہ بات ایسی ہے کہ اسی سے معلوم ہو سکتی ہے) لہذا اس عورت کا لڑکا اس لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا ہے کیونکہ شک واقع ہو گیا ہے ۔ اس قاعدہ کے تحت

---

[۱] یاد رکھنا چاہیئے یہ مسئلہ ان ہی مقامات پر جاری کیا جا سکتا ہے کہ جہاں پانی کی قلت ہے ورنہ پانی میں اصلاً اباحت ہے عام طور پر لوگ منع نہیں کرتے [۲] یعنی تقاضائے عقل یہ ہے کہ مرد اور عورت میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے مقام مخصوص کو استعمال نہ کرے لیکن بقائے نسل انسان کی ضرورت نے اسکو مباح قرار دیا اور اس کے لئے شریعت نے عقد نکاح کو مقرر کر دیا

بیان کیا ہے۔

اعلم ان البضع وان کان	بضع میں اصل اگرچہ حرمت ہے
الاصل فیہ الحظر یقبل	لیکن اس کی حلت میں خبر واحد
فی حلہ خبر الواحد (الاشباہ)	معتبر ہے

یعنی قاعدہ کلیہ ہونے کے باوجود اس میں یہ استثنائی صورت بھی موجود ہے

قاعدہ نمبر ۱۴ کلام میں اصل حقیقت ہے — ۸
یعنی جب تک ممکن ہو معنی حقیقی پر کلام کو محمول کیا جائے گا الا یہ کہ حقیقت متعذر ہو یا متروک ہو۔ یا ضرورت ہو تو معنی مجازی مراد لئے جائینگے۔

آیت مبارکہ ہے:

ولا تنکحوا ما نکح اباءکم	جن عورتوں سے تمہارے آباء نے
من النساء ۔ (الآیۃ)	وطی کی ہے ان سے نکاح نہ کرو

اس آیت میں نکاح سے مراد وطی ہے اسی بناء پر باپ کی مزنیہ سے بیٹا نکاح نہیں کر سکتا ہے (امام شافعی رح اس کے خلاف ہیں) اگر کسی حاکم نے فیصلہ صادر بھی کر دیا تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا اور مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہ ہوگا۔

ا۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں اس آٹے کو نہ کھاؤنگا اور اس نے آٹے کی بنی ہوئی روٹی، یا آٹے سے بنی ہوئی دیگر چیزیں مثلاً آٹے کا حلوہ کھالیا تو حانث ہو جائے گا۔

ب۔ اگر کسی نے کہا یہ چیز فلاں کے بیٹے کے لئے ہے تو اس سے مراد اس کا حقیقی بیٹا ہوگا پوتا نہیں اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ نماز نہ پڑھے گا تو جب تک پہلی رکعت کا سجدہ نہ کرے یا بقول دیگر پہلی رکعت کے سجدہ سے سر نہ اٹھائے حانث نہ ہوگا [1]

---

[1] الاشباہ ۱۳۰

اِستصحاب حال

قاعدہ ف ۱۵ امرِ محقق کے باقی رہنے کا حکم برقرار رہے گا ــــ ۹
جب تک اس کے عدم کا گمان نہ ہوجائے۔

بالفاظ دیگر اگر کوئی کام کسی وقت ثابت ہوچکا ہو تو دوسرے وقت بھی اس کے باقی رہنے کا حکم دیا جائیگا۔ فقہار نے اس قاعدہ کو استصحاب قرار دیا ہے اس کو شرعی حجت ماننے میں علمار کا اختلاف ہے علمائے احناف میں سے ابوزید، شمس الائمہ، فخر الاسلام نے اس کو مدافعت کے لئے حجت قرار دیا ہر اور بعض دیگر حضرات نے اثبات اور مدافعت دونوں حالتوں میں حجت تسلیم کیا ہے اور علامہ ابن نجیم نے فرمایا ہے یہ قاعدہ یعنی استصحاب کسی حال میں شرعی حجت نہیں بن سکتا کیونکہ موجب وجود موجب بقار نہیں بن سکتا کیونکہ قاعدہ کے تحت حکم بقا بلا دلیل ہے جو قابل اعتبار نہیں ہے۔ لیکن مذکورہ تینوں علمار نے فرمایا ہے:۔

استصحاب مدافعت کی دلیل بن سکتا ہے مگر حق کو ثابت کرنے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ مثلاً

ا ــــ یہ کہا جائے کہ فلاں کام زمانہ ماضی میں ثابت تھا لہٰذا زمانہ حال میں بھی اسے ثابت مانا جائے مثلاً مفقود الخبر کو زمانہ حال میں بھی زندہ تسلیم کیا جائے

ب ــــ جو چیز اس وقت موجود ہے اسکو زمانہ ماضی میں بھی موجود تسلیم کیا جائے مثلاً کسی عیسائی کی عورت نے اس کے مرنے کے بعد آکر کہا: میں اس کے مرنے کے بعد مسلمان ہوگئی ہوں اور اس کے وارث کہیں یہ اس کی موت سے پہلے مسلمان ہوئی تھی۔ تو اس بارے میں اس کے وارثوں کا قول معتبر ہے یعنی یہ چیز جواب موجود ہے وہ زمانہ ماضی میں بھی موجود تھی

ج۔ ایک گھر کا ایک حصہ فروخت ہوا اور شریک نے شفعہ کا دعویٰ کردیا۔

اگر اس موقعہ پر مشتری اس کی ملکیت کا انکار کردے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا (یہ مدافعت کی صورت ہے) البتہ شریک گواہوں سے ثابت کردے تو اس کے گواہ معتبر ہوں گے لہ

اسلام مشقت کو دور کرتا ہے

قاعدہ ۱۶ "جب مشقت آتی ہے تو آسانی بھی آتی ہے"۔
یہ قاعدہ قرآن پاک کی ان آیات سے ماخوذ ہے:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (الآیۃ) — اللہ تعالٰی تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا

اور دوسری آیت مبارکہ یہ ہے:

وما جعل علیکم فی الدین من حرج (الآیۃ) — اللہ تعالٰی نے تمہارے اوپر دین میں تنگی نہیں کی۔

حدیث پاک یہ ہے:

احب الدین الی اللہ تعالٰی الحنفیۃ السمحۃ — اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین سیدھا نرمی والا ہے

علماء کرام نے بیان کیا ہے کہ شریعت میں رخصت کے احکام اسی قاعدے سے ماخوذ ہیں (عوارضات کی بحث کی طرف رجوع کیا جائے) بطور فائدہ چند چیزیں پیش ہیں۔

مشقت کی دو قسم ہیں۔

۱۔ یہ کہ اس سے عبادت جدا نہ ہو سکے مثلاً روزہ کی مشقت گرمیوں میں، حج کے لئے سفر کی مشقت، سردیوں میں وضو کی مشقت یہ مشقتیں ایسی ہیں کہ کسی وقت بھی عبادت متعلقہ سے جدا نہیں ہوتیں اور نہ انکی وجہ سے یہ عبادتیں ساقط ہوتی ہیں۔

لہ الاشباہ ص ۳۰

ب :- وہ مشقت جو عبادت سے جدا ہے اس کے چند درجہ ہیں مثلاً مشقتِ خوف، یہ موجب تخفیف ہے اگر راستہ مامون نہیں ہے تو حج کی ادائیگی موخر ہو جائے گی۔ دوسری مشقت خفیفہ ہے مثلاً ادنی درجہ کا سر میں درد ہو یا ادنیٰ درجہ کا سوءِ مزاج ہو تو اس مشقت سے کوئی تخفیف نہیں ہوتی اس لئے یہ مشقت قابل لحاظ نہیں ہے

ج :- تخفیفات شرع کی بھی چند قسم ہیں جیسے تخفیفِ اسقاط۔ جیسے حیض اور نفاس کی وجہ سے نماز کا ساقط ہو جانا

۲ تخفیف تنقیص جیسے سفر کی وجہ سے قصر صلوۃ ۳ تخفیف ابدال جیسے غسل اور وضو کی جگہ تیمم، قیام کی جگہ قعود، رکوع اور سجدہ کی جگہ اشارہ، روزہ کی جگہ فدیہ ۴ تخفیف تقدیم جیسے جمع صلوۃ عرفات میں، پیشگی ادائیگی زکوۃ، پیشگی ادائیگی فطرہ ۵ تخفیف تاخیر جیسے جمع صلوۃ مزدلفہ میں، تاخیر صیام مریض اور مسافر کیلئے، تاخیر صلوۃ مریض کے لئے یا کسی ڈوبتے کو بچانے آگ بجھانے کے لئے نماز کو مؤخر کر دینا ۶ تخفیف ترخیص جیسے بلا پانی کے استنجا کئے نماز پڑھنے کی اجازت ۷ تخفیف تغییر جیسے صلوۃ خوف میں ترتیب صلوۃ میں تغیر آجاتا ہے۔

قاعدہ ۱۷

مشقت اور حرج کا اعتبار اسی وقت یا اسی موضع پر ہے جس کے لئے کوئی نص نہ ہو۔

ا :- اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ حرمتِ حرم کی وجہ سے وہاں کی گھاس کاٹنا، جانوروں کو چرانا جائز نہیں ہے لیکن امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ضرورت اور حرج کی وجہ سے اذخر کی اجازت دی ہے۔

ب :- امام ابوحنیفہؒ نے (مینگنی) میں نجاست غلیظہ تسلیم کی ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے

اِنَّهَا رِكْسٌ

وہ ناپاک ہیں

ج۔ امام ابوحنیفہ رح نے نص کی موجودگی میں ابتلائے عام کا اعتبار نہیں کیا جیسے آدمی کے پیشاب کی چھینٹیں، متاخرین علمائے احناف نے اس کی تفسیر مختلف اعتبارات سے کی ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ اس میں جنس مکلفین کا بھی لحاظ رکھا جائے گا۔

فقہاء کرام نے اس جگہ چند قاعدے اور ذکر کئے ہیں:۔

ا۔ جب تنگی آتی ہے تو آسانی بھی آتی ہے اور جب آسانی آتی ہے تو تنگی بھی آتی ہے بالفاظ دیگر جب کوئی چیز حد سے بڑھ جاتی ہے تو اپنی ضد کیطرف لوٹ آتی ہے۔

ب۔ جو چیزیں دوام امر کے لئے ضروری ہیں وہ ابتداء امر کے لئے ضروری نہیں ہیں اور ابتداء امر کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے بقاء امر کے لئے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے

قاعدہ ۱۸ | حتی الامکان ضرر کو دور کیا جائے گا۔
اس قاعدہ کی اصل یہ حدیث پاک ہے

لا ضرر ولا ضرار — نہ نقصان پہونچایا جائے اور نہ اسکے بدلہ نقصان دیا جائے۔

اس حدیث کو امام مالک رح نے موطاء میں اور حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی و دار قطنی نے حضرت ابوسعید خدری رض سے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ رح نے ابن عباس رض اور حضرت عبادہ بن الصامت رض سے روایت کیا ہے یہ قاعدہ بھی بہت سے ابواب فقہ کو مشتمل ہے اس کی تفسیر اس طرح بھی کی گئی ہے۔

کسی کو نہ ابتدائً نقصان پہونچاؤ اور نہ جزائً نقصان پہنچاؤ یعنی اگر کسی سے بدلہ لینا ہو تو بقدر نقصان

جزاءُ سیئۃٍ سیئۃٌ بمثلھا — برائی کا بدلہ برائی سے اسی قدر

اور اگر معاف کر دیا جائے تو یہ نہایت اعلیٰ اخلاق کی بات ہے۔ اسلام کے

اس قاعدہ میں حق و انصاف اور مساوات کی روح بول رہی ہے دنیا کی کوئی حکومت اور کوئی ازم اس مساوات کا نمونہ نہیں لا سکتا اسلام کسی حق ملکیت کو ختم کر کے مساوات کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام مزدور کا حق طے شدہ اجرت میں اور مالک کا حق کام میں مانتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کو اس کی اجرت عطا کر دو اسلام صرف لینے والے ذہن ہی کی تربیت نہیں کرتا بلکہ وہ دینے والے ذہن کو بھی ابھار دیتا ہے۔ خلافت اسلامیہ جو عہد رسالت کے بعد آئی ہے اس میں صرف یہی دعوت ہے تصور حکمرانی کہیں نہیں ہے یہ یاد رہے نفاذ احکام دعوت کے منافی نہیں ہے بلکہ نفاذ احکام عملی دعوت کا نام ہے اور اس میں بھی جبر و اکراہ نہیں ہے۔

لا اکراہ فی الدین — دین میں جبر و اکراہ نہیں ہے۔

اس قاعدہ کے مطابق چند مسائل درج ذیل ہیں

ا — خیار عیب۔ یعنی مبیع کو عیب نکل آنے کی وجہ سے واپس کر دینا

ب — اقالہ۔ بیع کو ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے بائع کا مبیع کو واپس لے لینا

ج — خیار رویت۔ بیع ہو جانے کے بعد مبیع کو دیکھ کر بیع توڑنے کا حق

د — خیار بلوغ۔ نابالغ لڑکی کا باپ دادا کے علاوہ اگر کوئی دوسرا نکاح کر دے تو اس کو بالغ ہونے کے بعد اس نکاح کو توڑ دینے کا حق

س — حق شفعہ۔ برے پڑوسی کی مضرت سے بچنے کے لئے پڑوسی کو حق شفعہ حاصل ہے۔

ص — اپنے مملوکہ پیڑ کو کاٹنے، چھتوں کی مرمت کے لئے اوپر جانے کے لئے آواز دینا اسی قبیل سے ہے۔

قاعدہ ۱/۱۹

ضرورت حرام چیز کو مباح کر دیتی ہے — ۱

یہ قاعدہ قرآن پاک کی اس آیت سے ماخوذ ہے

قد فصل لکم ما حرم علیکم — جو چیزیں تم پر حرام ہیں ان کو تم سے

الا ما اضطررتم الیہ (الآیۃ) مفصلاً بیان کر دیا گر جن چیزوں میں تم مضطر ہو
گذشتہ صفحات میں خون کے انجکشن کے تحت اس کی مفصل بحث گذر چکی
ہے اس قاعدہ کے تحت بہت سے مسائل ہیں مثلاً؛
ا۔ اگر کسی آدمی کے حلق میں لقمہ اٹک گیا اور شراب کے علاوہ کوئی ذریعہ
اس کے اتارنے کا نہیں ہے تو شراب کے گھونٹ سے اسکو اتارا جاسکتا ہے
ب۔ اگر کوئی جان بلب ہے اور مردار کے علاوہ کوئی چیز جان بچانے کو نہیں ہے
تو بقدر سدّ رمق مردار کھانا مباح ہے

قاعدہ ب ۲۰

جو چیز ضرورتاً مباح ہوتی ہے وہ بقدر حاجت اور ضرورت ہی مباح رہیگی یعنی اباحت حکم عارضی ہے

یہ قاعدہ پہلے قاعدہ کی شرح ہے اور مذکورہ آیت اور حرّم علیکم
المیتۃ الخ اس کا ماخذ ہے اور مندرجہ ذیل حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ
اس کی مثال بھی ہے اور اس سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔
ا۔ حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کا اقرار کیا تھا
حضرت عمرؓ نے اس کے رجم کا حکم صادر فرمایا حضرت علیؓ اس جگہ موجود تھے
انہوں نے فرمایا اس سے پوچھا جائے شاید کوئی عذر پیش کر سکے عورت سے
دریافت کیا تو اس نے بتلایا؛ میرا ایک پڑوسی تھا جس کے یہاں اونٹ پانی
دودھ تھا اور میرے یہاں یہ چیزیں نہ تھیں اس لئے میں پیاسی رہتی تھی۔
میں نے اس سے پانی مانگا اس نے پانی دینا اس شرط سے منظور کیا کہ وہ
میرے ساتھ حرام کرے۔ میں نے تین دفعہ انکار کر دیا مگر نوبت یہاں تک
پہونچی کہ جان نکلنے کا اندیشہ ہو گیا میں نے اس کی خواہش پوری کر دی
اس وقت اس نے مجھے پانی پلایا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اللہ اکبر جو چیز
مجبوری کی وجہ سے کی جائے اور اس کا ارادہ سرکشی کا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ
نہیں ہے اللہ تعالےٰ معاف کرنیوالا رحم کرنے والا ہے۔ اسی قبیل سے یہ بھی ہے

لہ جمع الفوائد والبدایۃ والحکمۃ از علامہ ابن قیم مطبوعہ پاک ص

ب ـــ طبیب کو مریض کا ستر عورت بقدر ضرورت ہی دیکھنا جائز ہے

ج ـــ شہید کا خون اس کے لئے پاک ہے اور دوسرے کے لئے ناپاک ہے

د ـــ مجنوں کو ایک عورت سے زیادہ شادی کرنا جائز نہیں ہے

قاعدہ ۲۱ ۳ ـــ جو چیز عذر کی وجہ سے جائز ہوتی ہے وہ عذر ختم ہوتے ہی باطل ہو جاتی ہے

یہ قاعدہ بھی پہلے ہی قاعدہ کی شرح ہے اور اس کا مآخذ بھی وہی آیات ہیں اور اسکی مثالیں بھی وہی ہیں۔ ان کے علاوہ ؛

ا ـــ وجہ جواز تیمم جب ختم ہو جائے تو تیمم خود بخود ٹوٹ جائیگا مثلاً پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا تھا تو جیسے ہی پانی بقدر استعمال مل جائیگا تیمم ٹوٹ جائیگا بشرطیکہ اس کے استعمال پر قادر ہو

ب ـــ اسی قبیل سے شہادۃ علی الشہادۃ ہے اگر اصل گواہ مریض تھا پھر وہ اچھا ہو گیا تو دوسری گواہی جو اس کے بدلہ میں دی گئی ہے ختم ہو جائیگی (ایک قول کی بنا پر)

قاعدہ ۲۲ ۴ ـــ ضرر کو ضرر سے یا نقصان کو نقصان سے دور نہیں کیا جائیگا

یہ قاعدہ بھی پہلے ہی قاعدہ کی شرح ہے مثلاً ایک بھوکا اور مجبور آدمی دوسرے بھوکے اور مجبور آدمی کا کھانا نہیں کھا سکتا۔ ایسے ہی کسی مولا کو غلام یا باندی کے نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا (پوری بحث اعضاء کی تبدیلی میں گذر چکی ہے)

قاعدہ ۲۳ ۵ ـــ خاص آدمی کا نقصان عام آدمیوں کے نقصان کے مقابلہ میں قابل انگیز ہوتا ہے

یہ قاعدہ بھی پہلے قاعدہ کی شرح ہے اس کی دوسری شرح یہ ہے

ضرر شدید کو ضرر خفیف سے دور کرنا جائز ہے۔

ا ـــ مثلاً اگر کسی کی دیوار شاہراہ عام کی طرف کو جھکی ہے اور گرنے کا اندیشہ ہے تو اسکو گرا دیا جائے آج کل کارپوریشن اور میونسپلٹیاں اسی قاعدہ کے تحت مکانات گراتی ہیں۔

ب۔ اسی قبیل سے مجنون اور پاگل قسم کے یا مالیخولیہ زدہ مفتی کو فتویٰ دینے اور جاہل طبیب کو علاج کرنے سے روکدینا ہے
ج۔ اسی قبیل سے ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکٹنگ کی ممانعت ہے کیونکہ اس میں ضرر عام ہے۔
د۔ اگر کسی کی مرغی نے کسی کا موتی نگل لیا تو دیکھنا چاہیئے کہ موتی کی قیمت زیادہ ہے یا مرغی کی۔ اگر موتی کی قیمت زیادہ ہے تو مرغی کو ذبح کر دینا چاہیئے
ص۔ ایسے ہی اگر کسی جانور نے دیگ میں منہ ڈال دیا اور منہ اس میں پھنس گیا تو جانور کو ذبح کر دینا چاہیئے یا اگر برتن کم قیمت ہے تو اس کو توڑ کر جانور کا منہ نکالدینا چاہیئے۔

قاعدہ ص ۲۴ ۶ — اگر کوئی دو خرابیوں میں مبتلا ہو جائے اور دونوں برابر درجہ کی ہوں تو جس کو چاہے اختیار کر لے اور اگر کوئی آسان ہے تو آسان کو اختیار کر لے۔

یہ قاعدہ بھی پہلے قاعدہ کی شرح ہے۔ مذکورہ حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے اس کے علاوہ:
ا۔ ایک زخمی آدمی ہے، یا کسی کے آپریشن ہوا یا آنکھ بنوائی ہے۔ اگر رکوع سجدہ سے نماز پڑھیگا تو ٹانکے ٹوٹ جائینگے اس کو چاہیئے اشارہ سے نماز پڑھے
ب۔ ایک آدمی کے پاس پورا کپڑا ناپاک ہے اسے اختیار ہے چاہے ننگے نماز پڑھے یا ناپاک کپڑے پہن کر ہی ادا کرے۔

قاعدہ ط ۲۵ ۷ — اگر کسی چیز میں خرابی بھی ہو اور اچھائی بھی ہو تو خرابی کو پہلے دور کیا جائے منفعت کو نہ اختیار کیا جائے

یعنی دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت مقدم نہیں ہے۔
یعنی برائی کے دفعیہ کو حصول نفع پر مقدم کیا جائے۔ یہ قاعدہ بھی پہلے ہی قاعدہ کی شرح ہے قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے آیت مبارکہ ہے

يسئلونك عن الخمر والميسر	آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں
قل فيهما اثم كبير ومنافع	دریافت کرتے ہیں فرما دیجئے ان دونوں میں
للناس واثمهما اكبر من	بہت گناہ ہے اور لوگوں کے لئے نفع بھی
نفعهما (البقرہ)	ہے لیکن انکا گناہ انکے نفع سے غالب ہے

اس لئے اگر کسی وقت مصلحت اور مضرت میں ٹکراؤ ہو جائے تو مضرت کو دور کرنا چاہیئے، اسی طرح ماموراتات کی تعمیل کے مقابلہ میں ترک منکرات بہتر ہے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اذا امرتکم بشئ فأتوا	جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں
منه ما استطعتم واذا	تو بقدر طاقت بجالاؤ اور جب کسی چیز سے
نهيتكم عن شئ فاجتنبوه[1]	منع کروں تو اس سے بنر و در رک جاؤ۔

یعنی رکنے کے لئے استطاعت کی قید نہیں ہے اس سے بھی مذکورہ قاعدہ کی تائید ہوتی ہے ایک دوسری حدیث ہے

الترك ذرة مما نهى الله عنه	ممنوعات خداوندی میں سے ذرہ برابر
افضل من عبادة الثقلين	کو ترک کر دینا جنات اور انسانوں کی
او كما قال ع[2]	عبادت سے افضل ہے

وجہ غالباً اسکی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ارتکاب حرام میں نافرمانی کے ساتھ حکومت خداوندی سے بغاوت اور ایک قسم کی مقابلہ آرائی ہے اور ماموراتات پر عمل نہ کرنے میں اگرچہ نافرمانی ضرور ہے لیکن وہ اتنی شدید نہیں ہے (واللہ اعلم)

اسی قاعدہ کے تحت یہ مسئلہ بھی ہے کہ جنبی کو غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے میں مبالغہ کرنا مسنون ہے مگر روزہ کی حالت میں مکروہ ہے اور موئے زیرناف تراشنا مسنون ہے لیکن حالت احرام میں ناجائز ہے۔ جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن کسی بڑے فساد کو روکنے کے لئے بولنا جائز ہے

---

[1] ۔ [2] الاشباہ ص ۴۶

قاعدہ ع ۲۶ حاجت بھی قائمقام ضرورت کے ہے خواہ حاجت عام یا حاجت خاص ہو — ۸

یہ قاعدہ بھی پہلے قاعدہ کی شرح ہے اس قاعدہ کے تحت بہت سے مسائل آتے ہیں۔

ا۔ کاریگروں سے کوئی چیز بنوانا (جسکو استصناع کہا جاتا ہے) (ردالمحتار ج ۵ ص ۳۵)

ب۔ فقیر اور محتاج کا نفع پر قرضہ لینا [۲]

ج۔ بیع الوفا کرنا۔ رہن دخلی اور معیادی۔

عرف عام

قاعدہ ع ۲۷ عرف اور عام دستور یا عام عادات کے تحت حکم دیا جاتا ہے۔

یعنی احکام میں عرف عام کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اہل فقہ نے اس کی تائید میں ایک حدیث پیش کی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے تحریر فرمایا ہے۔ امام احمد نے کتاب السنۃ میں ابن مسعود رض سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالے نے جب بندوں کے قلوب کی طرف دیکھا تو ان میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند فرمایا اور اپنی رسالت کے لئے ان کو منتخب کر لیا پھر دیکھا تو آپ کے صحابہ رض کو منتخب کر لیا چنانچہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انصار اور مددگار قرار دیا پس

فمارأه المسلمون حسناً فهو	پس جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں
عند الله حسنٌ وما رآه المسلمون	وہ عند اللہ اچھی ہے اور جس چیز کو
قبيحاً فهو عند الله قبيح	مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک
	بھی بری ہے

---

[۱] اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ اصطلاح فقہ میں ضرورت اور حاجت میں فرق ہے

[۲] بظاہر اس میں سود ہے مگر فقیر و محتاج کے لئے جائز ہے۔

ابن عابدین فرماتے ہیں یہ حدیث موقوف اور حسن ہے اسکو بزار، طیالسی طبرانی نے روایت کیا ہے[۱] اور علامہ ابن نجیم مصری نے بیان فرمایا ہے کہ علائی کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے اس کو میں نے حدیث کی کتابوں میں مرفوعاً نہیں دیکھا بلکہ یہ حضرت ابن مسعودرض کا قول ہے یعنی یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہیں ہے[۲]۔ عرف کے بارے میں تفصیلی کلام ہم نے اپنی کتاب حیات امام اعظم ابوحنیفہ میں کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

ا ــ الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعی[۳]	جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ چیز گویا دلیل شرعی سے ثابت ہے
ب ــ الثابت بالعرف کالثابت بالنص[۴]	جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ .... گویا نص سے ثابت ہے
ج ــ انہ دلیل حیث لا یوجد دلیل شرعی	جہاں دلیل شرعی نہ ہو عرف بھی ایک دلیل ہے

د ــ سہیل بن مزاحم نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رح کا مسلک تحریر فرمایا ہے

امام صاحب کا مسلک ثقہ کو اختیار، قبیح کو ترک کرنا ہے اور لوگوں کے معاملات میں غور کرنا ہے۔ جب تک امور کی اصلاح رہے گی تو ان کو قیاس پر پیش کیا جائے گا اور اس کے بعد استحسان پر اور جب کوئی بھی چارہ کار نہ ہو تو عرف عام اور تعامل کی طرف رجوع کیا جائے[۵]

عرف کی دو قسم ہیں عرف عام یعنی پورے ملک کا رسم و رواج اور چلن اور عرف خاص کسی خاص شہر یا طبقہ کا چلن۔ ابن عابدین نے فرمایا ہے کہ عرف عام مخصص بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کر دینا چاہیے[۶]۔ اہمیات عرف کی چند مثالوں سے واضح ہو جائے گی۔

---

۱ ردالمحتار ج۵ ص۳۷۵ ۲ الاشباہ ص۳۷ ۳ ایضاً ۴ ایضاً ۵ ابوزہرہ مصری ص۳۵۳، ص۳۵۱، ص۳۵۰
۶ ردالمحتار۔

قاعدہ ۲۸/ا کبھی معنی حقیقی کو عادت اور استعمال کی وجہ سے — ۱ بھی ترک کر دیا جاتا ہے

یہ قاعدہ عرف کی تفسیر یا شرح ہے۔ بعض علماء نے عادت اور استعمال کو ہم معنی قرار دیا ہے[۱] اور بعض حضرات نے اس میں فرق کیا ہے اس کی تین قسم ہیں عرفیہ عامہ، عرفیہ خاصہ، عرفیہ شرعیہ اس لحاظ سے الفاظ کے معنی حقیقی کو ترک کر دیا جائیگا اور اسی عرف کا اعتبار ہوگا جسمیں وہ الفاظ بولے جارہے ہیں اس جگہ صرف عرف شرعی کو بیان کیا جاتا ہے۔

ا — جاری پانی کی تعریف یہ ہے کہ جسکو دیکھنے والے جاری کہیں

ب — کنویں میں زیادہ مینگنوں کا ہونا جسکو دیکھنے والے کثیر قرار دیں

ج — اگر حیض دس دن سے زیادہ ہوجائے اور نفاس چالیس دن سے زیادہ ہوجائے تو ایام عادت کی طرف رجوع کیا جائے گا

د — عمل کثیر جو مفسد صلوٰۃ ہو وہ بھی عرف سے تعلق رکھتا ہے جسکو دیکھنے والے یہ خیال کریں کہ وہ نماز میں نہیں ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رہنا چاہیئے کہ یہ تمام احکام اسی صورت میں ہیں جب کوئی نص موجود نہ ہو لیکن اگر خلاف نص عرف اور عادت کو دلیل میں پیش کر دیا تو معتبر نہیں ہے، محمد بن فضل نے فرمایا کہ مرد کا سترِ عورت ناف کے نیچے سے بال اگنے کی جگہ تک نہیں یعنی پیڑو کو ستر عورت میں وہ جہلاء اور گنواروں کے عادات کی بناء پر شمار نہیں کرتے تو اس قول کا کسی نے اعتبار نہیں کیا بلکہ رد کر دیا[۲]

قاعدہ ۲۹/ب اسی عادت اور عرف کا اعتبار ہے جو اکثر ہو یا غالب ہو — ۲

ا — مثلاً مارکیٹ میں اشیاء کی خرید و فروخت پیسوں کے ذریعہ ہونا ابھی تھوڑے دن ہوئے کچھ عرصہ تک ہندوستانی مارکیٹ میں نئے اور پرانے پیسے جاری تھے اس میں غالب طور پر نئے سکے تھے یا جیسے آج کل ہیں تو پیسوں سے مراد نئے پیسے ہونگے اور اگر کوئی کہے کہ میری مراد پرانے

۱لہ الاشباہ ص۳۷ ۲لہ الاشباہ ص۳۷

پیسے ہیں تو وہ قابل قبول نہیں

ب۔ جیسے ہندوستان کی بعض مارکیٹوں (آگرہ وغیرہ) میں پرچی کے ذریعہ سے لین دین ہوتا ہے شاذونادر ہی کوئی نقد میں معاملہ کرتا ہے تو جب تک نقد کی صراحت نہ کی جائے مروجہ پرچی ہی مراد ہوگی۔

ج۔ معمار اور مزدوروں میں ہفتہ تقسیم ہونے کا رواج ہے۔ اگر کوئی مزدور صراحت نہ کرے تو وہ ہفتہ پر ہی اجرت لینے کا حقدار ہوگا اسی وجہ سے فقہاء نے بیان فرمایا ہے

المعروف کالمشروط — معروف، مشروط کے برابر ہے

خواہ شرط لگائی جائے یا نہ لگائی جائے۔

قاعدہ نمبر ۳۰

ایمان، نذر یا قسم کے بارے میں شریعت اور عرف میں تعارض ہو جائے تو معنی عرفی مراد ہونگے

ا۔ کسی نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا اور اس نے مچھلی کا گوشت کھالیا تو حانث نہ ہوگا اگرچہ قرآن پاک نے اس کو لحماً طریاً قرار دیا ہے

ب۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ دابہ پر سوار نہ ہوگا۔ اور کسی کافر کی پشت پر سوار ہو گیا تو حانث نہ ہوگا اگرچہ قرآن پاک نے کافر کو دابہ کے نام سے ذکر کیا ہے[۱]

ج۔ ایسے ہی اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں عورت سے نکاح نہ کرونگا تو اسکو عقد نکاح پر محمول کیا جائیگا نہ کہ وطی پر اگرچہ قرآن پاک میں نکاح کے معنی وطی کے ہیں[۲]۔ البتہ اگر بیوی سے کہا کہ میں تجھ سے نکاح نہ کروں گا تو اس صورت میں نکاح اپنے اصلی معنی میں محمول ہوگا یعنی نکاح بمعنی وطی۔ علامہ زیلعی نے شرح کنز میں تحریر فرمایا،

الایمان مبنیۃ علے العرف — ایمان عرف پر موقوف ہیں نہ کہ
لا علے الحقائق اللغویۃ[۳] — حقائق لغوی پر

---

[۱] ان شر الدواب عند اللہ الذین کفروا فھم لا یومنون الآیۃ۔ [۲] لا تنکحوا ما نکح اٰباءکم الآیۃ [۳] تبیین الحقائق کتاب الایمان

قاعدہ ۱۴ۡ — اشیاء کے بارے میں حکم وہی ہے جو اُن کے بارے میں عادت جاری ہے

ا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی ملک کے بازاروں کے ہوٹلوں میں عام طور پر ذبیحہ مستعمل ہوتا ہے تو وہاں یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ ذبیحہ کیسا ہے البتہ مغربی ممالک اور امریکہ وغیرہ میں چونکہ مشینری کا ذبیحہ چلتا ہے اس لئے وہاں پوچھنا لازم ہے کہ یہ کھانا حرام ہے یا حلال ہے

ب۔ عام طور پر لوگ دعوت کیا کرتے ہیں اگر یہ معلوم اور ظاہر ہے کہ اکثر کمائی حرام ہے تو دریافت کرنا چاہیئے اور اگر کمائی مشترک ہے تو بھی دریافت کرنا اچھا ہے فقہاء کرام نے اس قاعدہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

لا عبرة بالعرف الطاری[1] — عرف طاری اور عارضی کا اعتبار نہیں ہے

قاعدہ ۴۲ۡ — کوئی حکم عام کسی عرف خاص کے ذریعہ ثابت نہیں کیا جا سکتا ـــــ ۵

یہ قاعدہ پہلے کی تشریح ہے مثلاً

ا۔ بخارہ میں دستور تھا کہ کپڑا بننے کو سوت دیا جاتا اور اسکی اجرت میں وہی سوت ہوتا تھا جس کا اندازہ مقرر تھا یہ طریقہ دوسری جگہ اگر اختیار کیا جائے جہاں یہ طریقہ رائج نہ ہو وہاں جائز نہیں ہے صرف بخارہ کے لئے جواز کا فتویٰ ہے

ب۔ ہندوستان میں کھیتی کاٹنے کا طریقہ ہے جس کو بیسی (بیس گڈیوں پر ایک گڈی) کہا جاتا ہے وہ اسی پر قیاس کیا جائیگا اس کے بغیر مزدور کٹائی کیلئے آمادہ نہیں ہوتے۔ اسلئے یہ طریقہ یہیں جائز ہوگا امریکہ کیلئے جائز نہ ہوگا۔

ج۔ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں پگڑی کا طریقہ رائج ہے وہ اسی قبیل سے اگرچہ قیاساً ناجائز ہے لیکن اس شہر کے عرف کیوجہ سے اسکے جواز کا فتویٰ دینا مناسب ہے لیکن یہ طریقہ قصبات اور دیہات میں جائز نہیں ہوسکتا (واللہ اعلم) یہ مسئلہ علماء کے غور کیلئے ہے یہ نہیں کہ میں قیاس کرکے کوئی حکم دے رہا ہوں[2]

---

[1] الاشباہ ص۳۷ [2] تفصیل ملاحظہ فرمائیں الاشباہ ص۱۰۴

اجتہاد کا درجہ

قاعدہ ۳۳ | کوئی اجتہاد کسی دوسرے اجتہاد سے نہیں ٹوٹ سکتا[۱]

اس قاعدہ میں انقلابات سے حفاظت کی ضمانت اور دنیا کے امن وسکون کو برقرار رکھنے کی قوت ہے اگر ایک فیصلہ دوسرے فیصلہ کو کالعدم قرار دے تو پھر کوئی فیصلہ محفوظ نہیں ہے مثلاً

ا — اگر کسی آدمی نے اجتہاد کے ذریعہ قبلہ متعین کر کے نماز پڑھی اور درمیان صلوٰۃ میں ایک رکعت یا دو رکعت کے بعد اس کا اجتہاد بدل گیا اور اس نے اسی وقت رُخ تبدیل کر دیا تو بنار صلوٰۃ درست ہے یہ نہیں ہے کہ پہلی رکعت فاسد ہوئی اب پھر شروع سے نماز پڑھی جائے

ب — کسی عدالت نے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کیا اس کے بعد عدالت کو خیال ہوا کہ وہ اجتہاد درست نہیں تھا تو آئندہ وہ دوسرے اجتہاد پر عمل کرے پہلا فیصلہ بھی درست ہے صاحب ہدایہ نے اس کی دلیل یہ بیان کی ہے؛

> دوسرا اجتہاد اور پہلا اجتہاد دونوں برابر ہیں لیکن پہلے اجتہاد کو فیصلہ اور قضار کی تقویت حاصل ہوگئی ہے اس لئے وہ اپنی جگہ درست ہے

ج — چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کچھ فیصلے ... حضرت عمر رضؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس کے خلاف فیصلے دیئے لیکن پہلے فیصلوں کو برقرار رکھا۔

د — حضرت عمر رضؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں قضار کا کام ایک صحابی کے سپرد کر دیا تھا ایک دفعہ قاضی نے ایک آدمی کے خلاف فیصلہ کیا وہ آدمی حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت عمر رضؓ نے فرمایا اگر میں قاضی ہوتا تو یہ فیصلہ نہ کرتا۔ اس آدمی نے کہا۔ اب آپ اس فیصلے کو بدل دیجئے۔ فرمایا:

چونکہ اس معاملہ میں کوئی نص نہیں ہے اس لئے رائے رائے دونوں برابر

س۔ حضرت عمرؓ کا ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی خلافت کے پہلے سال فیصلہ کیا کہ سگے بھائی کو کچھ نہ دیا جائے جب دوسرا سال آیا تو سگے بھائی نے پھر عرض کیا کہ اخیافی بھائی جو اپنی والدہ کی وجہ سے (جو میری بھی ماں ہے) وارث بنے ہیں اس لئے میں بھی وارث ہوں کیونکہ بالفرض اگر میرا باپ پتھر تھا جو سمندر میں پھینک دیا گیا ہو تو کیا ہم سب کی ماں ایک ہی نہیں ؟ اس پر حضرت عمرؓ نے ان بھائیوں کے ساتھ اس کو بھی شریک کر دیا۔ لوگوں نے عرض کیا تو حضرت عمرؓ نے جواب دیا

وہ فیصلہ اسی کے مطابق تھا اب یہ فیصلہ اس کے مطابق ہے جو ہم کر رہے ہیں[۱]

اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے فرمایا ہے

حکم القاضی فی المسائل	مسائل اجتہادی میں قاضی کا حکم
الاجتہادیۃ لا ینقض[۲]	نہیں ٹوٹتا۔

قاعدہ ۳۴ | نص شرعی کی موجودگی میں اجتہاد (قیاس) جائز نہیں ہے۔

یہی امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے قیاس اور سنت شریفہ کی بحث میں اس پر تفصیلی کلام گذر چکا ہے، روایت ہے کہ قبیلہ ثقیف کا ایک آدمی حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ ایام منیٰ میں طواف زیارت (جو فرض ہے) کے بعد ایک عورت کو حیض آگیا کیا وہ کوچ کر سکتی ہے ؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا نہیں! اس آدمی نے عرض کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف حکم دیا تھا تو حضرت عمرؓ اس کو مارنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا جب تمہیں معلوم تھا تو پھر کیوں دریافت کیا[۳]۔ اسی قبیل سے یہ احکام بھی ہیں۔

أ۔ قاضی کا اجماع کے خلاف فیصلہ نافذ نہ ہوگا

ب۔ واقف کی شرط کے خلاف کرنا ایسا ہی ہے گویا نص کے خلاف کیا ہے[۴]

قاعدہ۔ ۳۵ | جب حلال اور حرام جمع ہو جائیں تو حرام کو غالب مانا جائیگا۔

---

[۱] تبع الفوائد [۲] الاشباہ صنہ[۳] تبع الفوائد کتاب المناسک [۴] [۵] الاشباہ ص۳

یہ قاعدہ دراصل ایک حدیث کا ترجمہ ہے جس کو عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں حضرت ابن مسعود رض سے موقوفاً روایت کیا ہے

ما اجتمع الحلال والحرام — جب حلال اور حرام جمع ہو جائیں تو
الا غلب الحرام الحلال [۱] — حرام حلال پر غالب ہوگا۔

علامہ زیلعی نے شرح کنز میں بھی اسکو ذکر کیا ہے اس قاعدہ کی تشریح دوسرے الفاظ میں اس طرح بھی کی گئی ہے:

جب حلال اور حرام سے متعلق دو دلیل میں تعارض ہو تو حرمت والی دلیل کو ترجیح حاصل ہوگی [۲]

ا۔ ایک حدیث شریف میں مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
من الحائض ما فوق الازار — حائضہ سے صحبت ازار کے اوپر سے ہو

ب۔ دوسری حدیث شریف ہے
اصنعوا کل شی الا النکاح [۳] — وطی کے علاوہ حالت حیض میں ہر چیز حلال ہے۔

ائمہ اربعہ کا یہی مسلک ہے اس کے تحت چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اگر کسی کتے نے بکری سے وطی کر لی اور اس سے بچہ پیدا ہوا تو اسکا کھانا حرام ہے

۲۔ اگر شکار میں دو کتے چھوڑے ایک سدھایا ہوا تھا اور ایک غیر سدھایا ہوا تھا اور دونوں نے شکار کر لیا تو وہ حرام ہے

۳۔ اسی طرح سے مشترکہ جاریہ (باندی) سے وطی حرام ہے۔

۴۔ اگر دو عورتوں کا دودھ مل گیا تو پینے والے بچہ کے لئے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

۵۔ اگر عورت اور بکری کا دودھ مل گیا تو غلبہ کا اعتبار ہوگا۔

قاعدہ ۳۶

جب مانع میں اور محرک میں تعارض ہو تو منع کو ترجیح حاصل ہوگی۔

یعنی بعض اعتبار سے تو کسی چیز کی ممانعت ہے اور بعض اعتبار سے اسی کی

---

[۱] ۔ [۲] الاشباہ ص۵

طلب اور تقاضہ ہے تو منع کو اختیار کیا جائیگا مثلاً مسلمان اور کافروں کی چند لاشیں ہیں لیکن کسی طرح یہ ثابت نہیں کہ کونسی لاش کافر کی ہے اور کونسی مسلمان کی تو ان پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی بلکہ غسل دیکر اور کفنا کر مشرکین کے قبرستان میں دفن کر دیا جائے گا۔

قاعدہ - ۲۷ حضرات شوافع نے فرمایا ہے کہ عبادات اور تقرب کے کاموں میں ایثار مکروہ ہے اور عبادات کے علاوہ میں محبوب ہے اور یہی شیخ عزالدین نے بھی فرمایا ہے۔

اس قاعدہ کی تائید اس آیت مبارکہ سے بھی ہو رہی ہے۔

ویؤثرون علٰی انفسہم ولو	وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے
کان بہم خصاصۃ . الایۃ	ہیں اگرچہ وہ انتہائی تنگی میں ہوں

لہٰذا ضروریات اور احتیاج انسانی کے علاوہ ثواب اور عبادات کے کاموں میں ایثار جائز نہیں ہے مثلاً

ا ــ وضو کا پانی . ستر عورت کے لئے کپڑا ، صف اول وغیرہ امور میں ایثار مکروہ ہے کیونکہ عبادات میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہوتی ہے اور ترک تعظیم جائز نہیں ہے یہ تو ہر ایک ہی کے لئے لازم ہے بخلاف اس کے کہ ایک بھوکا دوسرے بھوکے کو ایک پیاسا دوسرے پیاسے کو ترجیح دے سکتا ہے

ب ــ ایسے ہی کسی آدمی کو صف اول کے لئے جگہ دے اور خود پیچھے آجائے جائز نہیں ہے

ج ــ ایسے ہی قرأت علم (جسطرح درسگاہوں میں ہوتا ہے) میں ایثار مکروہ ہے

قاعدہ - ۲۸ تابع تابع ہی ہوتا ہے اس لئے وہ حکم میں تنہا نہیں ہوتا۔

ا ــ مثلاً حاملہ باندی کی بیع میں حمل داخل ہوتا ہے وہ بیع سے الگ نہیں ہوتا

ب ــ زمین کی بیع میں راستہ تبعاً داخل رہتا ہے۔

قاعدہ۔ ۳۹ تابع کا حکم متبوع کے حکم کے ساقط ہونے سے خود بخود ختم ہوجاتا ہے

ا۔ مثلاً۔ ایام جنون میں چند نمازیں فوت ہوگئیں تو فرائض کے ساتھ سنن بھی فوت ہوجاتی ہیں

ب۔ جس کا حج فوت ہوجائے وہ افعال عمرہ ادا کر کے احرام سے باہر آجائے اس پر سے وقوف عرفات کے ساتھ رمی اور وقوف مزدلفہ ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ یہ وقوف عرفات کے تابع ہیں

اس قاعدہ کو اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے "جب اصل ساقط ہوجاتی ہے تو فرع بھی ساقط ہوجاتی ہے

قاعدہ۔ ۴۰ تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوسکتا جیسے مقتدی امام سے آگے نہیں ہوسکتا

قاعدہ۔ ۴۱ جو چیزیں تابع کے لئے لازم ہوتی ہیں وہ دوسرے کے لئے لازم نہیں ہوتیں

اس کی شرح اس طرح بھی کی گئی ہے۔

قاعدہ۔ ۴۲ جو چیز ضمناً اور حکماً ثابت ہوتی ہے وہ قصداً ثابت نہیں ہوتی۔

قاعدہ۔ ۴۳ ابتداء میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے بقاء میں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی اور جن چیزوں کی بقاء میں ضرورت ہوتی ہے ان کی ابتداء میں ضرورت نہیں ہوتی

ان قواعد کو علامہ ابن نجیم نے اور علامہ قرافی نے قواعد ہی کے نام سے تحریر فرمایا ہے اگرچہ یہ اکثری قاعدے ہیں قاعدہ کلی نہیں ہیں تفصیل ملاحظہ فرمائیں الاشباہ ص ۴۸۔

سیاست اور حکومت

قاعدہ ۴۴ ہر شعبۂ حکومت میں ان ہی لوگوں کو مقدم کیا جائے جو اس کے حقوق اور مفادات کا زیادہ خیال رکھ سکتے ہوں [1]

چنانچہ قوم کی قیادت اور سیادت کا ان ہی کو حق حاصل ہے جو قوم کی سیاست اور شریعت سے زیادہ واقف کار ہوں حکومت اور قیادت کے لئے یہ نہایت جامع قاعدہ ہے۔ اس قاعدے نے حکام اور سیاست دانوں کی رہنمائی کی ہے جو حاکم یا سیاست داں قومی مفادات اور حقوق کا لحاظ نہیں رکھتے وہ انجام کار ناکام ہوتے ہیں۔

قاعدہ ۴۵ رعایا کے معاملات میں حاکم کو مصلحت بینی سے کام لینا چاہیئے۔

اس اصول میں حاکم وقت کو مکمل ہدایات دی گئی ہیں ۔اس کی بنیاد حضرت عمر رضؓ کا وہ ارشاد گرامی ہے جس کو سعید بن منصور نے براء بن عاذبؓ سے روایت کیا ہے حضرت عمر رضؓ نے ارشاد فرمایا:

> میں اللہ تعالیٰ کے اس مال و دولت کا اپنے کو ایسا ہی ذمہ دار سمجھتا ہوں جس طرح یتیم کا سرپرست ہوتا ہے جب مجھے ضرورت ہوتی ہے تو اسی قدر لے لیتا ہوں اور جب خوش حالی ہوتی ہے تو اس کو واپس کر دیتا ہوں اور جب غنی ہوتا ہوں تو اس سے پرہیز کرتا ہوں۔

اور امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں حضرت عمر رضؓ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ میں اعلیٰ صلاحیت کے لوگوں کو مختلف اعلیٰ مناصب پر مقرر فرمایا تھا۔

---

[1] انوار الفروق از قرافی

حضرت عمار بن یاسر رضہ سپہ سالاری کے لئے حضرت ابن مسعود رضہ کو عدالت اور خزانہ کیلئے، اور حضرت عثمان بن حنیف رضہ کو زمین کے بندو بست کے لئے مقرر فرمایا تھا اور ان کے روزانہ کا وظیفہ ایک بکری مقرر فرمایا اور فرمایا

میں اللہ کے مال میں ایسا ہی ہوں جیسا کہ یتیم کا سرپرست ہوتا ہے خبردار اس مال سے پرہیز کرتے رہنا اللہ تعالے نے فرمایا ہے

ومن کان غنیاً فلیستعفف — جو غنی ہو وہ پرہیز کرے اور جو فقیر ہو وہ

ومن کان فقیراً فلیاکل بالمعروف — دستور کے مطابق کھائے [۱]

علامہ زیلعی نے مسلمانوں کے بیت المال کے بارے میں حاکم وقت کے فرائض کو اس طرح بیان فرمایا ہے

ا۔ بیت المال کی چار قسمیں ہیں حاکم کو چاہیئے کہ ہر قسم کو جدا جدا رکھے ایک کو دوسرے کے ساتھ نہ ملاوے

ب۔ حاکم وقت کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالے سے ڈرے اور مستحق کو اس کی ضرورت کے مطابق اس کا حق دے نہ اس میں اضافہ کرے اور نہ کمی۔

ج۔ حاکم وقت کے لئے یہی لازم ہے کہ وہ بیت المال کی آراضی کو صرف عام لوگوں کی بھلائی کے لئے صرف کرے [۲]

قاعدہ - ۴۶

حاکم کا فعل جب مصلحت عام کے خلاف ہوتا ہے تو شرعاً اس کا حکم نافذ نہیں ہوتا ہے

علامہ قرافی نے اشباہ کے مذکورہ قاعدہ کو دوسرے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

ہر وہ شخص جو خلافت یا اس سے کم درجہ کے منصب پر قائم ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی کام ایسا کرے جس میں عوام کی بھلائی مدنظر نہ ہو یا ان کی خرابیوں کو دور نہ کیا گیا ہو [۳]

اس قاعدہ کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

---

[۱] الاشباہ ص۱۲۹ [۲] شرح اشباہ از حموی ص۱۵۷ [۳] الفروق از قرافی۔

لاتقربوا مال الیتیم (الآیۃ) تم یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

جو میری امت کے کاموں کا نگراں ہوا اور پھر اس نے ان کی بھلائی کے لئے کوشش نہ کی ہو تو جنت اس پر حرام ہے

قاعدہ - ۴۷ جب حقوق میں تصادم ہو تو تنگدست کو خوش حال پر اور فوری چیز کو تاخیر والی چیز پر اور فرض عین فرض کفایہ پر مقدم رکھا جاتا ہے [1]

۱۔ عبادات میں اسی قاعدہ کے تحت یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی آدمی قرآن شریف تلاوت کر رہا ہے اور اذان ہونے لگی تو اب اس کے جواب کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ اذان کا جواب اذان ختم ہونے کے بعد نہیں ہو سکتا تلاوت قرآن پھر بھی کر سکتا ہے۔

۲۔ اگر کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہے یا نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے اور اسی وقت کوئی آدمی یا اندھا کنوئیں میں گرنے والا ہے یا آگ میں جل جائیگا تو نماز کو چھوڑ کر اس کو بچائیے

۳۔ اسی قبیل سے فرض نماز کو جنازہ کی نماز سے مقدم کیا جاتا ہے۔

قانون جرم وسزا

قاعدہ - ۴۸ حدود شرعی شک وشبہ واقع ہوجانے سے ختم ہوجاتی ہیں۔ اس قاعدہ کو ہمارے فقہاء نے بہت جگہ جاری کیا ہے اس کی اصل مندرجہ ذیل احادیث ہیں

ادفعوا الحدود ما استطعتم حدود کو جہاں تک ممکن ہو دور کرو

اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رض اور ابن عباس رض سے روایت کیا ہے

---

[1] از قرافی

ادرءوا الحدود عن المسلمین	حدود کو مسلمانوں سے جہاں تک
ما استطعتم فان وجدتم	ممکن ہو دفع کرو اگر مسلمانوں کے
للمسلمین مخرجا فخلوا سبیلهم	لئے کوئی راہ نکل سکتی ہو تو ان کا راستہ
فان الامام لان یخطئ فی	چھوڑ دو اسلئے کہ امام کا معافی میں خطا
العفو خیر من ان یخطئ	کرنا عقوبت میں خطا کرنے سے
فی العقوبۃ	بہتر ہے

اس حدیث کو ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رض سے موقوفاً روایت کیا ہے

ادرءوا الحدود والقتل عن	اللہ کے بندوں سے حدود اور قتل کو
عباد الله ما استطعتم	جہاں تک ممکن ہو ٹالو

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیان فرمایا ہے کہ فقہاء امصار کا اس پر اجماع ہے کہ حدود شبہ کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہیں اور اس بارے میں حدیث متفق علیہ مروی ہے جس کو امت نے قبول کیا ہے۔ اور شبہ وہ ہے جو ثابت شدہ میں شبہ پیدا کر دے اور خود ثابت نہ ہو[1]۔ امام شافعی رح نے یہ اختلاف کیا ہے کہ شبہ قوی معتبر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر شبہ کو قوت ہو تو کس چیز سے؟ اگر شبہ کو قوت حاصل ہو گئی تو وہ ثابت کے درجہ میں آگیا حالانکہ شبہ ثابت کے مقابلہ میں آتا ہے۔ شبہ کی چند قسمیں ہیں جنکو یہاں ذکر کیا جاتا ہے

۱۔ فعل میں شبہ۔ اس کا نام شبہۃ الاشتباہ ہے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ کسی آدمی کو کسی چیز کے حلال و حرام میں شبہ ہوا اور وہ غیر دلیل کو دلیل سمجھنے لگے مثلاً وہ سمجھنے لگے طلاق مغلظہ والی عورت کے پاس عدت کی حالت میں بھی جایا جا سکتا ہے جیسا کہ طلاق رجعی کی عدت میں۔ یا وہ یہ سمجھنے لگے کہ اسکی بیوی یا باپ دادا کی باندی اس کے لئے حلال ہے اور وہ اس باندی سے وطی کر لے تو حد زنا جاری نہ ہوگی

---

[1] فتح القدیر کتاب الحدود۔ الاشباہ منہ

۲۔ موقع اور محل میں شبہ۔ یہ چھ مقامات میں ہوتا ہے مثلاً جس عورت کو الفاظ کنائی میں طلاق بائنہ دی ہو یا اپنے بیٹے یا پوتے کی باندی سے زنا کیا ہو تو حد جاری نہ ہوگی

۳۔ عقد میں شبہ۔ اگر کوئی محرم عورت سے عقد کرے اور اس سے وطی بھی کر لے امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں اگرچہ اس کو حرمت کا علم تھا پھر بھی وطی کرلی اس پر حد جاری نہ ہوگی اور صاحبین رح نے فرمایا اگر اس کو حرمت کا علم تھا تو حد جاری ہوگی اور اسی پر فتویٰ ہے [۱]

چونکہ شرعی حدود شبہ سے ختم ہو جاتی ہیں اس لئے انکار کی صورت میں مجرم سے قسم نہ لی جائے گی۔ انکار پر ہی چھوڑ دیا جائے گا

ف۔ مقدمات فوجداری میں عدالتیں۔ ثبوت میں ادنی درجہ کی کمزوری سے مقدمات کو خارج کر دیتی ہیں یہ حنفی فقہ ہی کا احسان ہے۔

قاعدہ ۴۸ / ا

۱ ــــ حدود میں ترجمان کا قول قبول کر لیا جائیگا۔

یعنی مجرم کسی دوسری زبان کا ہے اور عدالت اس زبان کو نہیں جانتی تو اس بارے میں ترجمان کا قول قابل قبول ہے معلوم رہے ترجمان بدل نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے قابل قبول نہ ہو کیونکہ زبان کو نہ جاننے کی وجہ سے ترجمان مقرر کیا جاتا ہے جیسا کہ شہادت اقرار نہ کرنے کی صورت میں ہوتی ہے

قاعدہ ۴۹ / ب

۲ ــــ شبہ سے دفع ہونے میں قصاص بھی حدود کی طرح ہے

یعنی معاملات قتل بھی شبہات سے دور ہو جاتے ہیں (عدالت فوجداری آج کل یہی کرتی ہے) مثلاً کسی نے سوتے ہوئے کو ذبح کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ میں نے تو مردہ سمجھا تھا، اس پر قصاص نہ ہوگا دیت واجب ہوگی بہرحال قصاص مثل حدود کے ہے مگر سات صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں

۱ ــــ اگر عدالت کو ذاتی طور پر معلوم ہو تو یہ علم قصاص میں معتبر ہے حدود میں نہیں

۲ ــــ حدود میں وراثت نہیں قصاص میں وراثت ہے

---

[۱] الاشباہ ص۱۸

۳۔ حدود میں معافی نہیں قصاص میں معافی ہے

۴۔ زمانہ ماضیہ کا قتل شہادت قتل کو مانع نہیں حدود میں شہادت ماضیہ معتبر نہیں

۵۔ قصاص. گونگے کے اشارہ اور کتابت سے ثابت ہو جائیگا حدود اشارہ سے ثابت نہ ہوگی

۶۔ حدود میں شفاعت جائز نہیں قصاص میں جائز ہے

۷۔ حد قذف کے علاوہ دیگر حدود دعویٰ پر موقوف نہیں لہ

نوٹ:۔ تعزیرات شبہ کے باوجود ثابت ہو جاتی ہیں لہذا جس طرح مال ثابت ہو جاتا ہے اسی طرح تعزیرات بھی ثابت ہو جاتی ہیں اور اس میں قسم بھی آتی ہے اور مدعا انکار کے باوجود بھی ثابت ہو جاتی ہیں

انسانوں کے حقوق واختیارات

قاعدہ۔ ۵۰ آزاد آدمی کسی کے قبضہ سے بالاتر ہے اس لئے آزاد آدمی کی بلیک میل سے ضمان بھی نہ آئے گا اگرچہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

بالفرض اگر کوئی آدمی فرار کر لیا گیا اور کسی خطرناک جگہ مقید کر دیا کہ وہاں اس کا انتقال ہو گیا تو غصب کا ضمان نہیں بلکہ اس کے ہلاک کا باعث بننے کا ضمان ہوگا اور اگر کسی غلام کے ساتھ ایسا ہو جائے تو دونوں صورتوں میں اسکا ضمان غاصب کو دینا ہوگا اور اگر غاصب بھی ہاتھ نہ آئے تو اس کے وارثوں کو ضمان دینا ہوگا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام کے نزدیک آزاد آدمی کو خواہ مخواہ محبوس نہ کیا جائے گا یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رح آزاد بیوقوف کو زیادہ سے زیادہ ۲۵ سال کی مدت تک مجور قرار دیتے ہیں اس سے زیادہ وہ بھی پابندی عائد نہیں کرتے ہیں لیکن آزاد عورت اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے. شوہر کا قبضہ اس پر تسلیم کیا گیا ہے اور وہ بھی اسکی عزت اور حرمت اور عصمت کی حفاظت کی خاطر ہے۔

قاعدہ - ۵۱

جب دو چیزیں ایک ہی جنس کی جمع ہو جائیں کہ مقصود دونوں سے ایک ہی ہو تو تداخل ہو جائے گا یعنی ایک دوسرے میں داخل شمار ہو گی۔

ا۔ کسی آدمی کو حدث (ناقض وضو بھی ہے اور جنابت (جس سے غسل واجب ہوتا ہے) یا حیض اور حدث ہے تو ایک ہی غسل کافی ہے

ب۔ کوئی آدمی مسجد میں آیا اور اس نے فرض نماز ادا کی یا سنتیں ادا کیں تو وہی تحیۃ المسجد کے لئے کافی ہیں۔

ج۔ کسی نے نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور تین آیات پڑھنے سے پہلے نماز کا سجدہ کرلیا تو سجدۂ تلاوت بھی ادا ہو جائے گا یا سجدہ تلاوت پڑھنے کے فوراً بعد ہی رکوع کرلیا تو یہی رکوع کافی ہو جائیگا

د۔ اگر کسی سے نماز میں کئی دفعہ سہو ہوا تو صرف ایک ہی سجدہ کافی ہوگا۔

ف:۔ ایک مرتبہ امام محمدؒ نے اپنے خالہ زاد بھائی امام کسائی سے دریافت کیا اپنی نحو کے ذریعہ بتلائیے! اگر کسی سے سجدہ سہو میں بھی سہو ہوگیا تو کیا کرے؟ فرمایا: "المصغر لا یصغر" تصغیر کی مزید تصغیر نہیں ہو سکتی [۱]

ص۔ کسی نے پہلے باکرہ سے زنا کیا اور پھر ثیبہ (شادی شدہ) سے زنا کیا تو صرف رجم ہی کافی ہو جائیگا یہ نہیں کہ کوڑوں کی سزا بھی دیجائے

قاعدہ - ۵۲

کلام کو با معنی قرار دینا اسکو مہمل اور بے معنی قرار دینے سے بہتر ہے

اس قاعدہ میں عاقل بالغ کو جہاں با معنی اور با سلیقہ بولنے کی ترغیب ہے ضمناً اسکو بیہودہ اور لغو کلام نہ بولنے کی بھی ہدایت ہے گویا انسان کی شرافت نفس کی حفاظت ہے اسی وجہ سے ہمارے فقہاء کرام نے فرمایا ہے:۔

"حقیقت اگر متعذر ہو تو معنی مجازی مراد لئے جائیں"۔ مثلاً کسی نے قسم کھائی میں اس پیڑ کو نہیں کھاؤں گا تو اس جملہ کے معنی حقیقی مراد لینا تو دشوار

---

[۱] البحر الرائق از ابن نجیم مصری

ہیں اس لئے جو چیز پیڑ سے حاصل ہوگی خواہ پھل ہوں یا قیمت ہو وہ مراد ہوگی کیونکہ معنی حقیقی مراد لینا تو دشوار تر ہیں اس لئے معنی مجازی مراد ہونگے

اسی طرح اس قاعدہ کے تحت فقہ کے تمام ابواب میں ہزارہا مثالیں موجود ہیں

قاعدہ - ۵۳ کلام میں تاکید تاسیس سے بہتر ہے

یہ قاعدہ بھی گذشتہ قاعدہ میں داخل ہے یعنی جب ایسا کلام بولا جائے کہ اس میں دو احتمال موجود ہوں تو اس صورت میں تاکید کے مقابلہ میں تاسیس (نیا مفہوم) مراد لینا بہتر ہے اسی قاعدہ کے تحت فقہا نے بیان کیا ہے اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کو کہا تجھے طلاق، طلاق، طلاق۔ یا کہا میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی (وغیرہ) تو اس صورت میں تاکید اور تاسیس دونوں کا احتمال ہے اس لئے تاسیس مراد لینا زیادہ بہتر ہے صاحب درمختار وغیرہ نے بیان کیا ہے

کرر لفظ الطلاق وقع الکل	اگر کسی نے لفظ طلاق مکرر کہا
وان نوی التاکید دین	تو (قضاءً) کل طلاق ہونگی لیکن
(درمختار)	اگر اس نے تاکید کی نیت کرلی تو
	یہ نیت دیانۃً معتبر ہوگی

آج کل ہندوستان کے قصبات اور دیہات میں جہلا مسلمان بہت زیادہ طلاق دیتے ہیں علماء کرام کو چاہیئے کہ جواب میں احتیاط سے کام لیں اور جہانتک ممکن ہو لوگوں کو بگاڑ اور فساد سے روکیں اور ایک طلاق کا حکم صادر فرمائیں (واللہ اعلم)

قاعدہ - ۵۴ الخراج بالضمان پیداوار کا نفع ذمہ داری پر ہے

دراصل۔ الخراج سے مراد کسی چیز کی پیداوار اور منافع ہیں اور ضمان سے مراد حق ملکیت ہے جانور کا منافع پیداوار (خراج) اس کا دودھ اور نسل، درخت کا خراج (پیداوار) اسکے پھل ہیں۔ غرض کہ ہر چیز سے حاصل شدہ

كلما خرج من شئ فهو خراجه)   ہر چیز سے جو کچھ نکلے وہ اس کا خراج ہے
یہ قاعدہ دراصل ایک حدیث ہے جس کو احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ
ابن حبان نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کیا ہے ایک آدمی نے غلام خریدا
وہ کافی عرصہ اس کے پاس رہا پھر اس کو غلام کا پہلا مالک مل گیا اس آدمی نے حضور
سے عرض کیا تب آپ نے اس غلام کو لوٹا دیا۔ اس نے عرض کیا حضور اس نے
میرے غلام کو استعمال کیا ہے تب آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ "الخراج بالضمان"
فخر الاسلام نے اپنے اصول میں بیان فرمایا ہے یہ حدیث جامع الکلم ہے
اسکو بالمعنی روایت کرنا جائز نہیں ہے چنانچہ وہ منافع یا پیداوار جو اصل سے
جدا ہیں اور اصل سے پیدا نہیں ہیں داخل نہ ہونگے اور ایسے ہی بیع فاسد کو
جب ختم کیا جائے تو اسی آمدنی بائع کے لئے واپس لینا جائز ہے وہ مشتری
کا حق نہیں ہے

قاعدہ - ۵۴

سوال جواب میں ضمناً داخل ہوتا ہے

ا۔ مثلاً کسی عورت نے اپنے خاوند سے کہا مجھے طلاق،
شوہر نے کہا ہاں! تو اس عورت پر طلاق پڑ جائے گی۔
ب۔ کسی آدمی نے دوسرے سے کہا میرے اوپر تیرے ایک ہزار ہیں اس
نے جواب میں کہا ہاں! تو یہ اقرار شمار کیا جائیگا اور اس سے ایک ہزار کا
مطالبہ کیا جائیگا

قاعدہ - ۵۵

خاموش کی طرف بات منسوب نہیں کی جاسکتی۔

ا۔ ایک آدمی نے دیکھا کہ زید اس کا سامان بیچ رہا ہے
وہ یہ دیکھ کر خاموش رہا تو اس خاموشی سے زید کو اس کا وکیل نہ سمجھا جائیگا
ب۔ اگر حاکم وقت نے دیکھا کہ فلاں آدمی کوئی چیز بیچ رہا ہے یہ دیکھ کر اس
نے کچھ نہیں کہا تو خاموشی سے بیچنے والا لائسنس دار نہیں سمجھا جائیگا
ج۔ ایسے ہی کوئی عورت اپنے نامرد خاوند کے ساتھ برسوں رہی لیکن اپنی

رضا کو ظاہر نہ کیا تو اس کا سکوت رضامندی قرار نہ دیا جائے گا۔
لیکن اس قاعدے کے باوجود بہت سے مسائل ہیں جہاں سکوت قائمقام رضامندی کے قرار دیا جاتا ہے مثلاً
ا۔ اجازت نکاح کے لیے باکرہ کا سکوت قائم مقام رضامندی کے ہے
ب۔ ایسے ہی باکرہ کا مہر پر قبضہ کرنے پر سکوت۔
ج۔ ایسے ہی باکرہ کا نکاح کی خبر معلوم ہونے پر سکوت۔
د۔ عدالت جب کسی سے گواہوں کے چال چلن کی تصدیق چاہے اور وہ اس پر خاموش رہے تو یہ بھی قائمقام رضامندی کے ہے۔
علامہ ابن نجیم نے تقریباً ۳۷ مقامات مذکورہ قاعدہ سے مستثنیٰ کیے ہیں۔

قاعدہ۔ ۵۶ | چند مسائل کے علاوہ فرض نفل سے افضل ہیں۔
وہ چند مسائل یہ ہیں۔
۱۔ تنگدست کو معاف کر دینا مستحب ہے لیکن مہلت دینا واجب ہے۔ اس جگہ بھی مستحب واجب سے افضل ہے۔
۲۔ ابتداء سلام مسنون ہے لیکن جواب واجب ہے۔ اس جگہ بھی یہ سنت واجب سے افضل ہے
۳۔ وقت سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے اور بعد وقت کے وضو واجب ہے یہاں بھی یہ مستحب واجب سے افضل ہے

قاعدہ۔ ۵۷ | جس چیز کا لینا حرام ہے اس کی طلب بھی حرام ہے
اس قاعدے کے تحت ہزاروں مثالیں آتی ہیں مثلاً:۔
رشوت، سود، زنا کی اجرت، اور بہت سی حرام اجرتیں اور حرام منافع سب اسی قاعدے کے تحت آتے ہیں

قاعدہ۔ ۵۸ | جو کام کرنا حرام ہے وہ طلب کرنا بھی حرام ہے۔
یہ بھی پہلے قاعدہ کی شرح ہے۔

قاعدہ - ۵۹ جو کوئی وقت سے پہلے کسی چیز کو لینا چاہے تو اس کی سزا اس سے محرومی ہے

اس قاعدہ کی تشریح میں علماء کا یہ مقولہ بھی ہے۔ جو کوئی حرام مقصد سے کوئی کام کرے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا مقصد پورا نہ کیا جائے اس قاعدہ کے تحت بہت سے مسائل ہیں۔

ا۔ اگر کوئی مرد مرض وفات میں عورت کو میراث سے محروم کرنے کے لئے طلاق دیدے تو وہ عورت محروم نہ ہوگی بلکہ اسکو ترکہ دیا جائیگا۔

ب۔ اگر کوئی اپنے مورث کو دولت پر قبضہ کرنے کے لئے قتل کر دے تو وہ میراث سے محروم رہے گا، لیکن اس کے باوجود علامہ ابن نجیم نے اس کے چند مستثنیات ذکر کئے ہیں

۱۔ اگر کوئی ام ولد اپنے آقا کو آزاد ہونے کی غرض سے قتل کر دے تو وہ آزادی سے محروم نہ ہوگی۔

۲۔ اگر کوئی قرضدار، قرض خواہ کو قتل کر دے تو اسکا قرضہ ساقط نہ ہوگا۔

۳۔ اگر کسی عورت نے حیض آور دوا پی لی اور اس کو حیض آگیا تو وہ نماز قضا نہ کرے گی

قاعدہ - ۶۰ جو کوئی اپنی طرف سے کسی تکمیل شدہ کام کو خراب کرنے کی کوشش کرے تو اس کی کوشش قابل قبول نہ ہوگی۔

اس قاعدے کی مثالیں معاملات اور دعووں میں بہت ہیں۔

قاعدہ - ۶۱ ولدیت خاصہ ولدیت عامہ سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ حاکم وقت ولی کی موجودگی میں یتیم بچہ یا بچی کا نکاح کا ولی نہیں بن سکتا۔

۲۔ ایسے ہی ولی اقرب کی موجودگی میں ولی بعید یعنی قریبی رشتہ دار کی موجودگی

میں دور کا رشتہ دار نابالغہ کا نکاح نہیں کر سکتا۔

قاعدہ۔ ۶۲ جس خیال کی غلطی ظاہر ہو گئی اس کا اعتبار نہیں۔

ا۔ کسی آدمی نے یہ خیال کر کے صبح کی نماز پڑھ لی کہ وقت ہو گیا ہے مگر ابھی رات تھی تو اس کو دوبارہ نماز فجر ادا کرنی ہوگی

ب۔ اگر کسی آدمی نے پانی کو ناپاک جانتے ہوئے وضو کر لیا، پھر ظاہر ہو گیا کہ وہ پانی پاک تھا تو دوبارہ وضو نہیں کرنا چاہیئے۔

ج۔ اگر کسی نے کسی کو مالدار جانتے ہوئے زکوٰۃ دیدی پھر ظاہر ہوا کہ وہ غریب تھا اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ صاحب اشباہ نے اس کے کچھ مستثنیات بھی ذکر کئے ہیں مثلاً

ا۔ کسی آدمی نے صبح کو رات جانتے کچھ کھا لیا وہ روزہ کی قضا کرے اس پر کفارہ نہیں ہے

ب۔ کسی سپاہی نے سیاہی کو دشمن کی فوج سمجھتے ہوئے صلوٰۃ خوف ادا کر لی پھر ظاہر ہوا کہ وہ فوج نہیں ہے نماز کا اعادہ کرنا ہوگا۔ وغیر ذلک

قاعدہ۔ ۶۳ ناقابل اجزاء چیزوں کا ذکر، کُل کے ذکر کے مترادف ہے۔

ا۔ اگر کسی نے آدھی طلاق دی تو اس سے پوری طلاق ہو گی

۲۔ قصاص سے بعض شرکا ء قتل کو معاف کر دیا تو اس سے کل شرکاء معاف ہو جائیں گے

۳۔ اگر کسی نے آدھے حج کا احرام باندھا یہ پورے حج کا احرام قرار دیا جائیگا

قاعدہ۔ ۶۴ جب کسی کام کا مرتکب اور اس کا مددگار دونوں جمع ہو جائیں تو وہ فعل مرتکب کی طرف منسوب ہوگا۔

ا۔ مثلاً کسی آدمی نے کنواں کھودا اور دوسرے نے اس میں کسی کو گرا دیا تو کنواں کھودنے والا مجرم ہے

۲۔ کسی نے چور کو چوری کا پتہ بتلا دیا تو چور مجرم ہوگا اور اس کے ہی ہاتھ

کاٹے جائیں گے۔ (اس قاعدہ میں ذرا تفصیل ہے)

قاعدہ - ۶۵ | اگر ناجائز کمائی ہو اور وہ حقدار کو واپس نہ کی جا سکتی ہو تو اسے خیرات کر دیا جائے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے ظلم یا رشوت سے مال جمع کیا اور وہ مر جائے تو اس کے وارث اس کا مال میراث میں تقسیم نہ کریں (اگرچہ قانوناً وہ اس کے وارث اور حقدار ہیں مگر اخلاقاً ان پر حرام ہے) بلکہ اس مال کو اگر ممکن ہو تو حقداروں کو واپس کر دیں ورنہ خیرات کر دیں[۱]

قاعدہ - ۶۶ | ہر وہ فعل جس کی نیکی اس کے بار بار کرنے سے بڑھتی رہتی ہو وہ حکم عین ہوتا ہے اور جس کی نیکی بار بار نہ بڑھتی ہو وہ حکم کفایہ ہوتا ہے۔

حکم عین کی مثال پنجوقتہ نمازیں ہیں اور یہی فرض عین ہیں۔ اور عینی مستحب کی مثال صدقات ہیں اور حکم کفایہ کی مثال ڈوبتے ہوئے کو بچانا ہے اس کے بعد اگر کوئی خواہ مخواہ تیرتا رہے تو اسے کوئی بھلائی نہیں ملے گی اسی طرح بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا بھی حکم کفایہ ہے[۲]

قاعدہ - ۶۷ | حرمت سے جواز کی طرف منتقل ہونے کے لئے اعلیٰ اسباب و مراتب کی شرط ہے مگر جواز سے حرمت کی طرف منتقل ہونے کے لئے معمولی سبب بھی کافی ہے[۳]

مثلاً مسلمان کے خون کی حرمت مسلم ہے حدیث شریف میں اس کو "قتالہ کفر" اس کا عمداً قتل کرنا کفر کے قریب قرار دیا ہے۔ مگر یہ حرمت شادی شدہ سے زنا کرنے کے جرم میں جب رجم کیا جائے، یا جب مرتد ہو جائے تو قتل کر دیا جائے حرمت جواز کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور یہ بہت بڑے اسباب ہیں لیکن قصاص میں جب معاف کر دیا جائے تو یہ جواز حرمت کی طرف آجاتا ہے اور معاف کرنا بہت معمولی سبب ہے ایسے ہی قزاق اور لٹیرے گرفتار ہونے سے پہلے اگر توبہ کر لیں تو

---

[۱] ردالمحتار ص۲۵۵ [۲] الفروق [illegible] قرافی ص۵۳ [۳] ایضاً

اب کا مباح القتل ہونا ختم ہوجاتا ہے اور ان پر حد جاری نہ ہوگی۔
دوسری مثال یہ ہے کہ عورت نکاح سے پہلے حرام ہے لیکن جب دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہوجاتا ہے تو وہ حلال ہوجاتی ہے لیکن معمولی سے الفاظ طلاق مغلظہ کے بولنے سے پھر حرام ہوجاتی ہے

قاعدہ - ۶۸ میراث کے اسباب تین ہیں۔ زوجیت، قرابت، آزاد کرنے کا حق (جس کو وِلا کہا جاتا ہے) لہ

اس کا ضابطہ یہ ہے کہ سبب یا تو ایسا ہو جسے ختم کیا جاسکتا ہو جیسے زوجیت یا ختم نہ کیا جاسکتا ہو یہ دو طرح پر ہے یا تو جانبین سے میراث کا سلسلہ جاری ہوتا ہو یا ایک جانب سے پہلا سبب قرابت داری ہے اور دوسرا حق وِلا ہے

قاعدہ - ۶۹ حقوق دو طرح کے ہیں۔ وارث کی طرف منتقل ہونے والے اور نہ منتقل ہونے والے ٢ه

پہلے کی مثال مال ہے اور دوسرے کی مثال مورث کا علم، عقل، خیالات، تقویٰ وغیرہ صفات ہیں اور کسی ذات کی صفات میں تقسیم جاری نہیں ہوسکتی اسی طرح وارث مورث کے فرائض منصبی کے بھی وارث نہیں بن سکتے مثلاً خطابت امامت، وکالت۔ اسی طرح حق شفعہ بھی منتقل نہیں ہوسکتا۔ ہمارے یہاں ہندوستان میں سجادہ نشینی، پیر کی جانشینی، شہر قاضی وغیرہ چیزیں اسی قبیل سے ہیں مگر برا ہو جہالت کا یہ چیزیں اتنی بڑی وراثت سمجھی جاتی ہیں اور اس پر اتنے بڑے فسادات کھڑے ہوجاتے ہیں کہ جن کے تصور سے لرزہ طاری ہوتا ہے اگر پیر کے انتقال کے بعد بیٹے کو کوئی جانشین یا سجادہ نشین نہیں مانتا تو بیٹا دنیا بھر کے مریدوں کی نسبت کے سلب کرنے کا مجاز ہوجاتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ اس طریقہ جاہلیت پر لعنت

قاعدہ - ۷۰ وکیل ان ہی امور میں بنایا جاسکتا ہے کہ جو امور موکل کے بغیر بھی انجام پاسکتے ہوں۔ لیکن جو امور بغیر موکل کے انجام نہ پاسکتے ہوں ان میں وکیل بنانا جائز نہیں ہے

لہ الفروق ماز علامہ قرافی ٢ه ایضاً

مثلاً نکاح یہ بغیر موکل کے بھی ہوسکتا ہے۔ عورت اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنادے تو نکاح ہوجائیگا

ب۔ اسی طرح تمام معاہدے اور دعوے بغیر موکل کے بھی ہو سکتے ہیں انمیں وکیل بنانا جائز ہے

ج۔ نماز روزہ میں وکیل نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ ان کا مقصد عبادت ہے اس لئے یہ موکل ہی کیلئے لازم ہیں

د۔ قسم کھانا۔ اگر کوئی وکیل قسم کھاکر دوسرے کی صداقت ثابت کرے تو یہ جائز نہیں اس لئے قسموں میں وکالت جائز نہیں ہے۔

س۔ اصل شہادت کے لئے بھی وکیل نہیں بنایا جاسکتا

ص۔ گناہوں اور معاصی میں بھی وکالت درست نہیں ہے [۱]

قاعدہ - ۷۱ اکثر وقوع پذیر واقعات اور حالات کو معتبر ماناجائے [۲]
مثلاً سفر، چونکہ کثیرالوقوع ہے اور اس میں اکثر مشقت ہوتی ہے اس وجہ سے قصر صلوٰت۔ روزے میں تاخیر کا حکم ہے

ب۔ حریفوں اور دشمنوں کی شہادت کو نہ قبول کرنا۔ کیونکہ اکثریت سے ناانصافی کا اندیشہ ہے لیکن اس قاعدہ میں استثنا بھی ہے مثلاً

ا۔ اقل مدت (چھ مہینہ) میں بچہ کی پیدائش کا نسب موجودہ شوہر کی طرف ورنہ غالب حالات میں ۹ مہینہ میں بچہ پیدا ہوتا ہے مگر لوگوں کی عزت اور آبرو کی حفاظت کے لئے یہ حکم ہے

قاعدہ - ۷۲ شہادت اسی وقت جائز ہے جب وہ ایسے طریقے سے ہو جس سے علم یا غلبہ ظن حاصل ہو سکے۔ [۳]

علم حاصل ہونے کے ذریعہ چار ہیں، عقل، حواس پنج گانہ، نقل متواتر، استدلال۔ ان ذرائع سے اگر یقین ہوجائے تو شہادت جائز ہے۔

---

[۱] الفروق از قرافی [۲] الفروق از قرافی، [۳] ایضاً

قاعدہ۔ ۳؎ وہ مفہوم جو عقل میں آسکے اس مفہوم سے افضل ہے جو منقولی ہے۔ (یعنی تعبدی)

نصوص شرعیہ دو قسم کی ہیں معقولی یعنی وہ احکامات جن میں کوئی نہ کوئی علت اور سبب ضرور ہے اور اللہ تعالےٰ نے اسکو کسی حکمت کے تحت مقرر فرمایا ہے اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جنکی علت اور وجہ اور حکمت الٰہی سمجھ سے باہر ہے وہ امر تعبدی کہلاتی ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ کون افضل ہے ایک جماعت قسم اول کو افضل قرار دیتی ہے اور ایک جماعت قسم ثانی کو [1]

قاعدہ۔ ۴؎ معاہدہ کی اصل یہ ہے کہ وہ لازم ہوتا ہے [2]

معاہدوں کی دو قسم ہیں لازم معاہدات جیسے نکاح، بیع، اجارہ۔ دوسرے معاہدات جیسے وکیل بنانا، ثالث بنانا، یہ معاہدات لازم نہیں ہیں غیر لازم ہیں اس لئے غیر لازم معاہدوں کے لئے یہ مفہوم بہتر ہے
غیر لازم معاہدے حصول مقصد کے لئے کسی ضابطہ کے پابند نہیں۔
ان معاہدوں کو وجہ اور بلا وجہ ہر وقت توڑنا جائز ہے۔

میزان عدل وانصاف

قاعدہ۔ ۵؎ کسی حکم کو ترجیح کثرت دلائل پر نہیں بلکہ قوت دلائل پر دی جائے گی [3]

یہ ترجیح کا ایک قاعدہ ہے چنانچہ ایک قیاس کو دوسرے قیاس پر مثلاً کسی جانب ایک قیاس ہو اور دوسری جانب دو قیاس ہوں تو دو قیاس کو ایک قیاس پر ترجیح حاصل نہ ہوگی۔

ب ــ ایک آیت کو دوسری آیت پر ترجیح حاصل نہ ہوگی کیونکہ وحی ہونے میں دونوں برابر ہیں

ج ــ ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح حاصل نہ ہوگی کیونکہ حدیث ہونے

---

[1] رد المحتار جلد ۱ ص ۳۱ [2] الفروق [3] ماخوذ از حسامی وشرح الحسامی۔

میں دونوں برابر ہیں۔
د۔ ایسے ہی دو شہادتوں پر چار شہادتوں کو ترجیح حاصل نہ ہوگی۔
بلکہ ترجیح قوت کی وجہ سے حاصل ہوگی مثلاً
۱۔ وہ استحسان جو صحیح اثر کی وجہ سے ہے وہ قیاس جلی اور فاسد اثر والے پر مقدم ہوگا۔
۲۔ وہ آیت جس کا حکم محکم اور قطعی ہے وہ اس آیت پر مقدم ہوگی جس کا حکم ظنی ہو
۳۔ وہ حدیث جو متواتر ہے خبر واحد پر مقدم ہوگی اگرچہ وہ بہت ہوں
۴۔ ایسے ہی ایک زخم والے پر بہت سے زخم والے کو ترجیح نہ ہوگی، اس طرح کہ اس کی دیت زائد اور کامل ہو اور دوسرے کی کم اور ناقص ہو۔ کیونکہ ہر زخم کی علت ایک ہی ہے اور یہ کوئی ایسا وصف نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ترجیح دی جاسکے لیکن اگر ایک زخم دوسرے سے قوی ہے مثلاً کسی کے ہاتھ پر زخم آیا اور کسی کی گردن پر زخم آیا تو گردن والے زخم کو ترجیح حاصل ہوگی کیونکہ اس زخم سے موت کے امکانات زیادہ روشن ہیں اسوجہ سے ہمارے فقہاء نے بیان فرمایا ہے: کثرت دلائل کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جاسکتی بلکہ قوت دلائل پر ترجیح دی جائے گی [۱]
غور کرنا چاہیئے کہ آج کل کیا معیار بن گیا ہے۔ اس لئے امن وسکون، عدل وانصاف کس طرح ہوسکتا ہے

قاعدہ۔ ۷۵

ساقط واپس نہیں ہوتا۔"
اس قاعدے کے تحت بہت مسائل ہیں
۱۔ فائتہ نمازوں میں ترتیب دوبارہ واپس نہ ہوگی ہاں اگر بھول ہوگئی تو ترتیب ساقط نہ ہوگی یاد آنے پر پھر برقرار ہوجائے گی۔
۲۔ چمڑہ جو دھوپ سے دباغت دیا گیا ہے وہ پانی میں گرنے سے پھر ناپاک نہ ہوگا

---

[۱] نامی شرح الحسامی ص ۲۰۰۔ معارضہ اور ترجیح کا بیان اصول کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ نجس زمین خشک ہو جانے کے بعد پاک ہو جاتی ہے وہ پھر پانی گرنے سے ناپاک نہ ہوگی۔
۴۔ پانی نکالنے کے بعد جب پانی کم رہ جائے تو کنواں زیادہ پانی ہو جانے پر نجس نہ ہوگا۔

قاعدہ۔ ۷۶ بہت سے مسائل میں سونے والا جاگنے والے کیطرح ہے

یہ قاعدہ حدیث کی ایک استثنائی صورت ہے اور اس میں ۲۵ مسائل ذکر کیئے گئے ہیں

۱۔ سوتے ہوئے کے منھ میں اگر پانی کی بوند جا پڑی تو روزہ ٹوٹ جائیگا
۲۔ سونے والی عورت سے اگر جماع کر لیا تو اس کا بھی روزہ ٹوٹ جائیگا
۳۔ سوتے ہوئے مُحرم کا اگر کسی نے سر مونڈ دیا تو جزا واجب ہوگی۔
۴۔ سوتے ہوئے عرفات سے گذر جانے میں حج ادا ہو جائیگا
۵۔ چارپائی پر سوتا ہوا اگر کسی چیز پر گر پڑے اور وہ ٹوٹ جائے تو اس پر ضمان آئے گا۔
۶۔ اگر کوئی آدمی سوتا ہوا اور اسی حالت میں عورت سے خلوت ہو گئی تو یہ خلوت صحیحہ نہ ہوگی
۷۔ سوتے میں اگر کسی بچہ نے عورت کا دودھ پی لیا تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی
۸۔ اگر کسی نے سوتے ہوئے سے آیت سجدہ سن لی تو سجدہ تلاوت لازم ہوگا۔
۹۔ مطلقہ رجعیہ عورت سے اگر سوتے ہوئے میں وطی کر لی تو رجعیت ہو جائیگی
۱۰۔ اگر کوئی آدمی ایک دو، دن یا اس سے زیادہ سوتا رہے تو نماز کی فرضیت اس سے ساقط نہ ہوگی

قاعدہ۔ ۷۷ واجب کی ادائیگی کے بعد جو چیز اس پر زیادہ ہو جائیگی تو کل واجب ہوگی

اس قاعدے میں اختلاف ہے ہمارے علماء نے فرمایا ہے اگر بقدر واجب قرأت پر جتنی زیادہ قرأت زیادہ ہوجائے گی وہ سب واجب شمار ہوگی۔ رکوع سجدہ تین تسبیحات سے زیادہ جتنا چاہے طول ہوجائے وہ بھی فرض شمار ہوگا البتہ مسح راس میں اختلاف ہے۔ چوتھائی سر کا مسح فرض اور پورے سر کا مسح سنت قرار دیا جائیگا۔ ایسے ہی ایک مرتبہ دھونا فرض اور تین تک تکرار غسل سنت اسی طرح قربانی، زکوۃ، فطرہ، وقوف عرفات، نفقہ زوجہ، اور دیگر عنوانات کے تحت متعدد مثالیں موجود ہیں۔

دنیا سے برائیوں کا اخراج

قاعدہ۔ ۸۷ | ہر وہ فعل جو خرابیوں سے پاک ہو مگر خود کسی خرابی کا سبب بن سکتا ہو ممنوع ہے

اس قاعدہ میں دنیا سے بگاڑ اور فساد کو دور کرنے کی تعلیم ہے مثلاً

ا۔ بلا محرم کے عورت کا سفر کرنا ناجائز ہے تاکہ عورت کی عزت اور آبرو محفوظ رہے

ب۔ اجنبی مرد کے ساتھ عورت کو تنہائی سے روکنا تاکہ زنا کا ارتکاب نہ ہوجائے

غرضیکہ برائیوں کے سدباب کے لئے یہ قاعدہ کلیہ ہے، اس قاعدے کی دوسرے الفاظ میں اس طرح شرح کی گئی ہے۔

جب اصل مقصد کا اعتبار جاتا رہے تو وسیلہ کا بھی اعتبار ختم ہوجاتا ہے [۱]

بالفاظ دیگر اسباب مقاصد کے تابع ہوتے ہیں (جیسا کہ گذر چکا ہے) اگر مقصد محمود ہے تو ذرائع بھی محمود اور پسندیدہ اور مقصد مذموم ہے تو ذرائع بھی مذموم اور ناجائز شمار ہونگے، مثلاً شراب پینا حرام ہے اس لئے شراب کو وجود میں لانے کی نیت سے جتنے ذرائع بھی ہونگے سب ناجائز ہونگے۔

---

[۱] الفروق از قرانی ص۳۲ ج ۲

ج — بیع بذات خود جائز اور مباح ہے لیکن جب وہ ادائیگی جمعہ میں رکاوٹ بنے تو وہی صاف ستھری بیع ناجائز ہو جائیگی، اسی وجہ سے شریعت نے اذانِ جمعہ کے بعد بیع کو بیع فاسد اور قابل فسخ قرار دیا ہے۔ علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں اور اعلام الموقعین میں اس قاعدہ کے تحت بہت عمدہ کلام کیا ہے چنانچہ تحریر فرمایا ہے

۱ — ایسا ذریعہ جو خود بھی حرام اور بہت بڑے بگاڑ کا سبب بن سکتا ہو مثلاً زنا حرام ہے اور نتائج کے اعتبار سے بے انتہا بگاڑ کا سبب بن جاتا ہے لہذا شریعت نے زنا کے تمام وسائل اور ذرائع کو ناجائز قرار دیا ہے

۲ — ایسا ذریعہ جو بذات خود مباح ہے مگر اسے کسی بری بات کا ذریعہ بنا لیا جائے مثلاً نکاح، مباح ہے لیکن حلالہ کی نیت سے کیا جائے جو مکروہ تحریمی اور گناہ ہے

۳ — کوئی ذریعہ بذات خود مباح ہے لیکن اس کا نتیجہ لامحالہ برائی کو پیدا کرتا ہے جیسے بیوہ عورت کا عدت کے دنوں میں زیب وزینت کرنا، اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھنا وغیرہ

۴ — جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہ کو تحفہ قبول کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ انجام کار اس میں سود کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔

۵ — حاکم وقت کو ہدایا اور تحائف قبول کرنے سے منع فرمایا کیونکہ انجام کار اس میں ناانصافی پیدا ہو جائے گی یا بیجا قسم کے منافع کا حصول لازم آئیگا۔

۶ — حضرت عثمان غنی رضؓ نے قرآن پاک کو صرف لغت قریش پر جمع وترتیب کو باقی رکھا اور باقی طرق کو منسوخ کر دیا تاکہ آئندہ چل کر شدید اختلاف اور تحریف نہ ہو جائے

۷ — جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبد القیس کو ان برتنوں کے استعمال سے بھی روک دیا تھا جن میں شراب تیار ہوتی تھی تاکہ شراب خوری کی بُری عادت پھر عود نہ کر آئے۔ ملخصاً

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فوائد علمیہ

سطور ذیل میں وہ فوائد پیش کئے جارہے ہیں جو قواعد کلیہ تو نہیں ہیں لیکن اپنی جامعیت کے اعتبار سے قواعد کلیہ سے کم اہم نہیں ہیں ان میں سے بیشتر فوائد الاشباہ سے ماخوذ ہیں اور دیگر کتابوں سے جو فوائد اخذ کئے گئے ہیں ان کا حوالہ دیدیا گیا۔ یہ فوائد علمیہ اس قدر ہیں۔ اگر ترتیب وار ان کو جمع کیا جائے تو نہایت ضخیم کتاب ہو جائے گی اور فوائد علمیہ اس پر بھی ختم نہ ہونگے اس جگہ تمام فوائد کا احصار مقصود نہیں ہے بلکہ نمونتہً چند کو ذکر کیا جارہا ہے تاکہ علماء اور طلبا کی بصیرت میں اضافہ ہو اور معترضین کو ہدایت نصیب ہو آمین۔ وما توفیقی الا باللہ العظیم

۱۔ علم کے چند مراتب ہیں:

ا۔ فرض عین۔ وہ علم جو ہر مکلف کے دین کے لئے ضروری ہے

ب۔ فرض کفایہ۔ وہ علم جو فرض سے زیادہ ہو اور دوسروں کا اس میں نفع ہو

ج۔ علم مندوب جیسے علم فقہ اور علم قلب (تصوف، تقویٰ)

د۔ علم حرام۔ جیسے علم فلسفہ، علم شعبدہ، علم نجوم، رمل، جوتش، سحر منطق، موسیقی وغیرہ۔

س۔ علم مکروہ۔ اشعار غزل، اشعار باطل

۲۔ جب کوئی ہم سے ہمارے مذہب اور مسلک کے بارے میں دریافت کرے تو یہ جواب دینا واجب ہے کہ ہمارا مذہب[1] اور مسلک حق ہے اس میں خطا کا احتمال ہے اور دوسرا مسلک غلط ہے صواب کا احتمال رکھتا ہے۔

---

[1] مذہب سے مراد فقہ ہے

۳۔ مفرد جب معرفہ کی طرف مضاف ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فلیحذر الذین یخالفون — ان کو ڈرایئے! جو اللہ تعالیٰ کے

عن امرہ۔ الآیۃ — اوامر کی مخالفت کرتے ہیں

اصول فقہ میں عموم کے تحت اسکی بہت مثالیں مذکور ہیں۔

۴۔ امام محمد رحمہ نے فرمایا تین عادتیں کمینہ پن کی ہیں۔ روٹی قرضہ میں لینا، حمام کے دروازہ پر بیٹھنا، حجام کا آئینہ دیکھنا۔

۵۔ حیوانات میں سے صرف پانچ حیوان جنت میں داخل ہونگے۔ اصحاب کہف کا کتا، حضرت اسماعیل ع کا ذبیحہ، حضرت صالح ع کی اونٹنی، حضرت عزیر علیہ السلام کا گدھا، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا براق

۶۔ مومن سے پانچ ظلمتیں دور رہتی ہیں۔ غفلت، شک، فتنہ، حرام خواہشات۔

۷۔ دارالاسلام میں اگر کوئی کنیسہ منہدم ہو جائے تو اس کا اعادہ جائز نہیں

۸۔ فسق، اہلیتِ شہادت اور اہلیتِ قضا کو مانع نہیں

۹۔ امامت کی متفق شروط آٹھ ہیں۔ اجتہاد، جنگی امور میں بصیرت، ترتیب لشکر میں مہارت۔ ہر اعتبار سے قوی ہونا، انصاف پسند۔ عادل اور متقی آزاد ہونا، مذکر ہونا۔ حکم کا نافذ کرنے والا ___ لیکن ہاشمی اور قریشی ہونے میں اختلاف ہے

۱۰۔ بادشاہ جب کسی نا اہل کو کسی کام پر ولی مقرر کردے تو اس کی تولیت جائز نہیں ہے کیونکہ بادشاہ کا فعل مصلحت عامہ کے ساتھ مشروط ہے اور نا اہل کو افسر مقرر کرنے میں شرط ختم ہوتی ہے اس لئے اس کی تولیت بھی ختم (آج کل کے لئے یہ فائدہ مشعل راہ ہے) یہی قاعدہ تمام معاملات جماعت سازی تک میں جاری ہو سکتا ہے (مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کے لیڈر غور فرمائیں)[1]

---

[1] علامہ ابن کمال نے فرمایا ہے فتوی اسی پر ہے اشباہ ص۱۵۶

۱۱۔ تین آدمیوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ وہ آدمی جسکی عورت بد اخلاق ہو اور وہ اس کو طلاق نہ دے۔ وہ آدمی جس نے کم عقل کے مال سپرد کر دیا ہو۔ وہ آدمی جس نے آپس میں قرضہ کا معاملہ کیا اور گواہ نہ بنایا۔

میں کہتا ہوں کہ وجہ غالباً اسکی یہ ہے کہ یہ عمل نص قطعی کے خلاف ہے آیت مبارکہ ہے: یا ایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمًی فاکتبوہ (الی قولہ) واستشھدوا .... شھیدین من رجالکم۔ (الآیۃ)

ایمان والو! جب تم ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو (الی قولہ) اور اپنے آدمیوں میں سے اس پر دو کی گواہی کر لیا کرو۔!

خیال فرمائیے! معاملات چونکہ آپس میں خلیج پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں اسلام نے کس طرح خلیج پیدا نہ ہونے کی ہدایت فرمائی ہے اس کے باوجود اگر جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں تو اسلام کا کوئی قصور نہیں اپنی بدنصیبی کا گلا کرنا چاہیئے

۱۲۔ قیامت میں علم کے علاوہ ہر چیز کے بارے میں سوال ہوگا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو اس کی زیادہ طلب کا امر فرمایا ہے۔

وقل ربی زدنی علماً — فرمائیے! الٰہی میرا علم زیادہ کر

۱۳۔ فقہاء کی اصطلاح میں اشبہ سے مراد روایتہً نصوص سے زیادہ مشابہ ہونا ہے اور ارجح سے مراد درایتہً ہے

۱۴۔ جب کوئی چیز باطل ہوتی ہے تو جو چیزیں اس کے ضمن میں آتی ہیں سب باطل ہوجاتی ہیں۔

۱۵۔ فاسد پر بنا فاسد ہوتی ہے

۱۶۔ جب دو حق جمع ہوجائیں تو اللہ کے حق پر بندوں کے حق کو ترجیح ہوگی کیونکہ بندہ زیادہ محتاج اور خدا غنی ہے۔ لیکن ایک مسئلہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ مُحرِم کے قبضہ میں اگر کوئی شکار ہو تو اس کو چھوڑوا دینا چاہیئے یہاں اللہ تعالیٰ کا حق حرمت احرام اور حرم کی وجہ سے بندے کے حق پر فوقیت رکھتا ہے۔

۱۷۔ مساجد میں سب سے افضل مسجد حرام، پھر مسجد نبوی پھر مسجد بیت المقدس پھر جامع مسجد، پھر مسجد محلہ، پھر راستوں کی مسجد پھر مسجد بیت ہے۔

۱۸۔ ملکیت اور حق میں یہ فرق ہے کہ حق ترک کر دینے سے باطل ہو جاتا ہے اور ملکیت ترک کر دینے سے ترک نہیں ہوتی

۱۹۔ مسلم اور کافر کے درمیان وراثت جاری نہ ہوگی، یہودی اور نصرانی کے درمیان وراثت جاری ہوگی۔

جنات کے بارے میں

۲۰۔ آدمی کا نکاح جنیہ عورت سے اور مسلمان عورت کا نکاح جن سے جائز نہیں ہے اگرچہ وہ آدمی کی شکل میں متشکل ہو جائیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا	اللہ تعالیٰ نے تمہارے نفوس ہی میں سے تمہارے جوڑے بنائے ہیں

اور حدیث شریف میں مروی ہے

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نکاح الجن	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات سے نکاح کرنے کو منع فرمایا ہے

اور حسن بصری، قتادہ، حاکم، اسحٰق بن راہویہ، عقبہ ابن الاصم سے بھی ممانعت ہی منقول ہے۔

۲۱۔ اگر جن کسی عورت سے وطی کرے تو فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اگر کوئی عورت یہ کہے کہ میرے پاس جن آتا ہے اور میرے ساتھ وطی کرتا ہے اور میں اس سے ویسی لذت محسوس کرتی ہوں جیسی اپنے شوہر سے تو اس پر غسل واجب نہ ہوگا۔ اور امام ابن ہمام نے فرمایا ہے یہ حکم اس وقت ہے جب انزال نہ ہو اگر انزال ہو گیا تو یہ احتلام کے حکم میں ہے

۲۲۔ جن کے ساتھ جماعت ہو جائے گی۔ حضرت ابن مسعود رضؓ نے جنات کے قصہ کے تحت روایت کیاہے کہ جنات میں سے دو شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور! آپ ہمیں نماز پڑھا دیجئے آپ نے ان دونوں کو کھڑا کیا اور نماز پڑھا دی۔ اسی کی مثل فرشتوں کی جماعت ہے علامہ سبکی نے بیان فرمایا ہے

الجماعة تحصل بالملائكة — جماعت فرشتوں کے ساتھ سے ہو جاتی ہے

اس لئے مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی نے صحرا میں اذان اور اقامت سے منفرداً نماز پڑھی اور قسم کھائی کہ اس نے جماعت سے نماز پڑھی ہے تو حانث نہ ہوگا

۲۳۔ علامہ زیلعی نے بیان فرمایا ہے کہ سفید سانپ کو نہ مارنا چاہیئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے،

وایاکم والحیة البیضاء — سفید سانپ کے قتل سے بچو

فانها من الجن — وہ جنات میں سے ہے۔

اور امام طحاوی رحؒ نے بیان فرمایا ہے کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ان کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ تھا کہ وہ آپ کی امت کے گھروں میں داخل نہ ہونگے اور اپنے کو ظاہر نہ کرینگے۔ لہذا جب انہوں نے عہد توڑ دیا تو حرمت قتل نہ رہی اور بہتر یہ ہے کہ پہلے تنبیہہ کی جائے اور تنبیہہ یہ ہے کہ کہے:

"تم اللہ کے حکم سے چلے جاؤ اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دو"۔!

اس پر اگر وہ نہ جائیں تو قتل کر دیا جائے۔

ابن ابی شیبہ نے روایت کیاہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے اپنے گھر میں سانپ دیکھا اور اسکو قتل کرا دیا جب صبح ہوئی تو ایک سو بارہ درہم فقراء پر تقسیم کرائے

۲۴۔ جن کی روایت قبول کی جائے گی

۲۵۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جنات میں سے کوئی نبی نہیں ہوا

۲۶۔ علمار کا اس پر اختلاف ہے کہ جنات کو ثواب ملے گا یا نہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ان کے لئے صرف نجات ہے لیکن امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں ان کو ثواب ملے گا۔

۲۷۔ ہمارے نزدیک محرم ابدی وہ ہے جس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو یہ حرمت نسب کی وجہ سے اور مصاہرت اور رضاع کی وجہ سے ہے، اور یہ حرمت وطی حرام سے بھی قائم ہو جاتی ہے۔ اور ان کے احکامات حرمتِ نکاح، جوازِ نظر، جوازِ خلوت، جوازِ سفر ہیں البتہ رضائی محرم کے ساتھ اور جوان سالی کے ساتھ خلوت مکروہ ہے۔

۲۸۔ نکاح اور عبادات میں باطل اور فاسد دونوں مترادف اور ہم معنیٰ ہیں

۲۹۔ گونگے کا اشارہ حدود اور قصاص کے علاوہ معتبر ہے اور اس کی شہادت معتبر نہیں ہے

۳۰۔ کسی چیز کی ملکیت یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے ابتداءً اس میں تصرف کا حق دیا ہو۔

۳۱۔ وراثت کے علاوہ کوئی چیز انسان کی ملکیت میں بغیر اس کے اختیار کے داخل نہیں ہو سکتی۔

۳۲۔ قرضہ اگر تجارت کے لئے ہو تو وہ وجوب صدقۃ الفطر کو مانع نہیں وجوب زکوٰۃ کو مانع ہے۔

۳۳۔ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے (تفصیل گذر چکی ہے)

۳۴۔ ہر نشیلی چیز حرام ہے۔ (الحدیث)

۳۵۔ ہر وہ عمل جس میں ہمارا حکم نہ ہو۔ مردود ہے (الحدیث)

۳۶۔ ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل ہو سود ہے۔ (الحدیث)

۳۷۔ ہر مسلمان کی جان و مال، عزت اور آبرو مسلمان کے لئے حرام ہے۔

۳۸۔ ہر آدمی اپنے مال کا سب سے زیادہ حقدار ہے

۳۹۔ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے

۴۰۔ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں موجود نہ ہو باطل ہے

۴۱۔ خالق کی نافرمانی کے لئے کسی مخلوق کی طاعت جائز نہیں۔

وصیت اور اقوال امام اعظم ابو حنیفہؒ

یہ وصیت امام ابو حنیفہؒ نے امام ابو یوسف کو آخری وقت میں فرمائی تھی، علامہ ابن نجیم نے اپنی مایۂ ناز کتاب الاشباہ والنظائر میں اس کو ذکر کیا ہے۔ اسی جگہ سے اس پورے وصیت نامہ کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ علامہ شبلی نے بھی اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں اس وصیت کو ذکر کیا ہے لیکن وہ وصیت نامہ مکمل نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا اے یعقوب (نام امام یوسف) بادشاہ کی عزت کر، اور اسکو بڑا سمجھ، اور بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولنے اور جا بے جا وقت اسکے پاس آنے جانے سے گریز کر، ہاں ضرورت کے وقت کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ کثرت آمد و رفت سے وہ تجھ سے بے پرواہی برتے گا اور تجھے حقیر سمجھے گا، تو اس سے اسطرح منتفع ہو جسطرح آگ سے (بقدر ضرورت انتفاع کیا جاتا ہے) اس وجہ سے کہ بادشاہ جیسا اپنے آپ کو سمجھتا ہے دوسرے کو خیال نہیں کرتا، اور بادشاہ کے سامنے کثرت کلام سے بھی گریز کرنا، کیونکہ وہ اس پر گرفت کر سکتا ہے۔ اس صورت میں وہ اپنے حاشیہ نشینوں کے تئیں اپنے کو اعلم اور تجھے مخطی اور کم درجہ کا ثابت کر دے گا، جسوقت بادشاہ کے پاس جائے تو یہ ملحوظ خاطر رہے کہ وہ تیرے اور غیر کے مرتبہ میں امتیاز کرنیوالا ہو، ایسے وقت نہ داخل ہونا کہ اسکے پاس ایسے اہل علم ہوں جو تیرے مقام سے نا آشنا ہیں، اگر وہ تجھ سے کم درجہ میں تو اپنے آپ کو بڑے درجہ کا ثابت کرینگے اور تجھے نقصان پہونچائیں گے اور تجھے بادشاہ کی نظر سے گرانے کی کوشش کرینگے

جس وقت بادشاہ اپنے معاملات میں سے کوئی معاملہ تیرے سامنے پیش کرے تو یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اس وقت اپنی رائے ظاہر کرتا کہ علم اور حکم میں وہ تیرے مذہب اور عقیدے کو پسند کرے ورنہ حکومت کے معاملے میں تمہیں غیر کے مسلک پر عمل کرنا پڑ جائیگا۔

بادشاہ کے احباب اور خدام سے دوستی قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں وقت ضرورت ان سے ملاقات میں کچھ حرج نہیں ہے، لیکن خداموں سے دوری ہی بہتر ہے اس طرح تمہارا وقار باقی رہے گا۔

عوام کے سامنے قطعاً کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہاں جتنا وہ تم سے دریافت کریں کیونکہ زیادہ کلام سے وہ یہ محسوس کرینگے کہ کہیں تم انکے اموال کی طرف تو راغب نہیں ہو، اور رشوت تو نہیں لینا چاہتے ہو؟ عوام کے سامنے زیادہ ہنسنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے۔ بازاروں میں بھی زیادہ نہیں جانا چاہیئے اور امرد لڑکوں سے بھی بات نہ کرو کیونکہ وہ فتنہ ہوتے ہیں ہاں بچوں سے کلام کرنے اور انکے سروں پر ہاتھ پھیرنے میں مضائقہ نہیں۔

مشائخ اور عوام کے ساتھ سڑکوں پر بھی نہ چلو، کیونکہ اگر تم ان سے آگے چلے تو انکی تحقیر اور وہ تم سے آگے چلے تو تمہاری تحقیر ہوگی، کیونکہ وہ تم سے عمر میں بڑے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا لیس منا — جس نے ہمارے چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم نہ کی ہم میں سے نہیں ہے۔

دیکھو! شاہراہ پر ہرگز نہ بیٹھنا ہاں اگر ضرورت ہو تو مسجدوں میں بیٹھو، بازاروں اور مسجدوں میں کھانے پینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ سقایہ سے سقوں کے ہاتھ سے پانی نہ پینا (کیونکہ معلوم نہیں کہ سقایہ میں کچھ پڑا ہو یا پانی زیادہ دنوں سے ٹھہرا ہو)

دیکھو! دوکان پر نہ بیٹھو اور زیورات اور ریشمین کپڑا نہ پہنو، کیونکہ اس سے رعونت پیدا ہوتی ہے۔

وقت نزاع اپنی بیوی سے زیادہ بات چیت نہ کرو، ہاں بقدر ضرورت مضائقہ نہیں اس سے زیادہ بوس وکنار بھی نہ کرو، ہاں اس سے صحبت کرو تو اللہ کا نام لیکر کرو اپنی عورت کے سامنے غیر عورت کا تذکرہ نہ کرو، کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ غیر مردوں کا تذکرہ تمہارے سامنے شروع کردیگی۔ بیوہ اور ماں باپ، بال بچے والی عورت سے

نکاح مت کرو، مگر اس کے ساتھ کہ اس کے اقارب تمہاری اجازت سے تمہارے گھر آجاسکیں (کیونکہ عام طور سے ایسی عورت کو دوسرے خاوند سے زیادہ ہمدردی نہیں ہوتی لہذا وہ اس کے گھر کا سامان اپنے ماں باپ اور اولاد کو چوری سے دے دیگی) اور حتی الامکان اپنی سسرال میں بھی نہ رہو۔ خبردار اپنی سسرال میں اپنی بیوی سے ہرگز صحبت نہ کرنا کیونکہ تم اس صورت میں پھنس جاؤ گے اور وہ اس سے فائدہ اٹھاکر تمہارا مال مفت میں اڑائیں گے۔ خبردار! اولاد والی عورت سے ہرگز شادی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا سب مال انکو کاٹ کاٹ کر دیدیگی، کیونکہ تم سے زیادہ اسے اپنی اولاد محبوب ہوگی۔

ایک گھر میں دو سوکنوں کو بھی نہ رکھنا، اس وقت تک نکاح نہ کرنا جب تک تم اس قابل نہ ہو جاؤ کہ اسکی تمام ضروریات زندگی پوری کر سکو۔ پہلے علم طلب کرو پھر حلال طریقہ سے مال جمع کرو پھر شادی کرو۔ اسلئے کہ اگر تم نے تحصیل علم کے وقت مال فراہم کرنا شروع کر دیا تو تحصیل علم سے رک جاؤ گے۔ اپنے مال سے باندیاں غلام نہ خریدو کیونکہ پھر تم ان کی ہی الجھنوں میں پھنس جاؤ گے اور تمہارا وقت ضائع ہوگا اور علم سے کورے رہ جاؤ گے۔ عنفوان شباب میں فارغ القلب ہو کر علم حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اور ادائے امانت اور ہر خاص وعام کو نصیحت کرنا اپنے اوپر لازم کرلو، کسی انسان کو ذلیل اور اپنے کو باعزت نہ سمجھو عوام سے زیادہ اختلاط نہ رکھو البتہ بقدر تعلیم وتعلم کچھ حرج نہیں اس لئے کہ اگر کوئی ان میں سے اہل ہے تو تحصیل علم میں لگ جائیگا ورنہ تم سے محبت کرنے لگے گا، عوام سے امور دینیہ میں مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جب کبھی تم سے کوئی فتویٰ دریافت کرے تو بقدر سوال جواب دو، ضرورت سے زیادہ نہ بتلانا، اگر تم دس سال بھی غریب اور فاقہ مست رہو تو علم سے ہرگز اعراض نہ کرو، کیونکہ اس صورت میں تمہاری زندگی تنگ ہو جائے گی، جو طلبا تم سے فقہ حاصل کریں ان سے اولاد کی طرح برتاؤ کرنا کیونکہ اس سے انکی رغبت فی العلم زیادہ ہوگی عوام اور بازاری لوگوں سے ہرگز جھگڑا

نہ کرو، اس سے تمہاری عزت ریزی ہوگی حق بات کہنے سے بادشاہ کے سامنے بھی نہ چوکو۔ جب تک تم دوسروں سے زیادہ عبادت نہ کرو، اپنے نفس پر مطمئن نہ ہونا اس لئے کہ عوام تمہیں زیادہ کرتے نہ دیکھیں گے تو خیال کرینگے تمہیں اپنے علم سے اتنا فائدہ نہ ہوا جتنا انہیں اپنے جہل سے ہوگیا۔

جب تم اہل علم کی بستی میں جاؤ تو اس بستی کو اپنے لئے مخصوص نہ کرلینا کہ تم ہی تنہا اس میں صاحب اقتدار ہو بلکہ ادر اہل علم کی طرح رہو تاکہ وہ خیال کریں کہ تم کو ان کے مراتب سے کوئی غرض نہیں ہے ورنہ وہ سب مل کر تمہیں نکالنے کی کوشش کرینگے اور تمہارے مسلک میں طعن کرنا شروع کر دینگے اور تم بلاوجہ مطعون ہوکر رہ جاؤ گے اگر تم سے وہ استفتا کریں تو جواب بلا دلیل بیان نہ کرو۔ ان کے اساتذہ میں بھی عیب نہ نکالو۔ عوام سے پرہیز اور اللہ تعالٰے سے ظاہراً و باطناً یکساں معاملہ رکھو، کیونکہ ایسا کرنے سے تمہارے اندر قابلیت علم پیدا ہوگی

بادشاہ تمہارے سپرد جب کوئی کام کرے تو اس وقت تک اسکو قبول نہ کرو جب تک اسکی قابلیت تمہارے اندر نہ ہو۔ جہاں نظر لگنے کا اندیشہ ہو کلام نہ کرو کیونکہ اگر نظر لگ گئی تو کلام میں خلل پیدا ہوجائیگا اور زبان بوجھل ہوجائے گی۔ کثرت ضحک سے پرہیز کرو کیونکہ اس سے قلب مرجاتا ہے۔ راستہ میں وقار اور طمانینت سے چلو، امور میں جلدبازی نہ کرو جو تمہیں پیچھے سے پکارے جواب نہ دو کیونکہ چوپاؤں کو پیچھے سے پکارا جاتا ہے۔ جب کلام کرو تو چیخ کر اور بلند آواز سے نہ کرو اور نہ زیادہ حرکت ہی کرو (جیسا کہ عام طور پر واعظین کی عادت ہاتھ پھینکنے کی ہوتی ہے)

لوگوں کے درمیان کثرت سے ذکر اللہ کرو، نماز کے بعد بھی کچھ وظیفہ پڑھا کرو خصوصاً تلاوت قرآن، ہر حال میں اللہ تعالٰی کو یاد رکھو اور اس کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں صبر اور شکر اور دوسری نعمتیں عنایت فرمائیں ہیں ہر مہینہ چند دن روزے بھی رکھا کرو تاکہ لوگ تمہاری اتباع کریں، نفس سے محاسبہ کرتے رہو، دوسروں کی حفاظت کرو

تاکہ وہ تمہاری دنیا اور آخرت سے نفع اندوز ہوسکیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کے یہاں تم سے سوال ہو جائے گا۔ اپنے آپ کو سلطان کا مقرب ظاہر نہ کرو کیونکہ اس صورت میں لوگ اپنی ضرورتوں کا تمہارے پاس ڈھیر لگا دینگے۔ اگر تم ان کے پورا کرنے کی سعی کروگے تو تمہاری توقیر ہوگی اور اگر نہ پوری کر سکے تو لوگ تمہارا تمسخر کرینگے۔

خطا میں لوگوں کی اتباع مت کرو بلکہ صواب میں کرو، جب یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص شریر ہے تو اس کے سامنے شر کا تذکرہ مت کرو، خیر کا تذکرہ کرو، ہاں دین کے معاملہ میں تم لوگوں کو خبردار کردو تاکہ لوگ اس سے بچنے لگیں اور اس کی اتباع نہ کریں جناب رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے

اذکر والفاجر بما فیہ حتی	فاجر میں جو عادتیں ہوں اس کو ظاہر کردو
یحذرہ الناس وان کان	تاکہ لوگ اس سے پرہیز کریں اگرچہ وہ فاجر
ذا جاہ و منزلۃ	صاحب اقتدار ہی کیوں نہ ہو

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور دین کا ناصر و مددگار ہے اگر ایک مرتبہ ایسا کردیا تو فجّار تم سے ڈرنے لگیں گے اور کوئی بھی اظہار بدعت پر دلیری نہ کرسکے گا جب تم اپنے بادشاہ سے اپنے علم کے خلاف امر دیکھو تو اسکی اطاعت ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے بیان کردو، کیونکہ اس کا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے قوی ہے۔ یوں بیان کرو کہ آپ حاکم ہیں ہم آپ کے تابع ہیں لیکن میں آپ کی ایک خصلت دیکھتا ہوں کہ جو علم دین کے موافق نہیں معلوم ہوتی ہے پس اگر ایک مرتبہ بھی کہدیا ہے تو کافی ہے ورنہ بار بار ٹوکنے کی وجہ سے وہ تم پر غصہ ہو جائیگا جب تم ایک دو مرتبہ روک ٹوک دوگے تو امر بالمعروف میں تم کو حریص سمجھے گا، اس سے زیادہ اگر روک ٹوک کرنا چاہتے ہو تو تنہائی میں اسکے پاس جاکر نصیحت کرو، اگر اس کا رجحان طبع بدعت کی طرف مائل پاؤ تو کچھ مہلت دو اور کتاب سنت سے متعلق تمہارے پاس جو علم ہے اس پر پیش کردو اگر وہ تم سے قبول حق کرلے تو فبہا اور اگر انکار کردے تو اللہ سے سوال کرو کہ وہ تمہاری حفاظت کرے۔

موت کو یاد رکھو، اپنے استاذ کے لئے استغفار کرتے رہو، تلاوت قرآن پر

مداومت اور مقابر اور متبرک مقامات کی زیارت اکثر کرتے رہو۔ عوام الناس میں سے جو رویا ءِ صالحہ دیکھیں یا خواب میں رسول اللہ صلعم کو دیکھیں اسکو رد نہ کرو۔ فساق و فجار کے پاس نہ بیٹھو ہاں تبلیغ دین کے لئے مضائقہ نہیں ہے کھیل کود اور سب و شتم سے پرہیز کرو۔ جب مؤذن اذان دے تو مسجد کے لئے تیاری کرو تاکہ عوام تم سے اس معاملہ میں سبقت نہ لے جائیں۔ بادشاہ کے پڑوس میں مکان نہ بنانا، پڑوسی کی عیب پوشی کرنا، لوگوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر نہ کرنا، جو تم سے مشورہ طلب کرے تو اپنے علم کے مطابق دینا۔

(حضرت امام اعظمؒ نے) فرمایا! میری وصیت کو قبول کرو، اس کے ذریعہ سے موجودہ اور آنے والوں کو فائدہ پہونچیگا (انشاءاللہ تعالیٰ) فرمایا بخل سے پرہیز کرو اس کے سبب سے مبغوض ہو جاتا ہے، جھوٹا اور لالچی نہ بنو بلکہ اپنی مروتوں کا تمام امور میں خیال رکھو، سفید لباس پہنو، اپنے کو حریص نہ ہونے کیلئے اپنے آپ کو ہر وقت غنی ظاہر کرو اگرچہ تم فقیر ہی کیوں نہ ہو۔ صاحب ہمت بنو اسلئے کہ دون ہمت کا مرتبہ کمزور ہوتا ہے جب راستہ میں چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو بلکہ نظر کو زمین پر قائم رکھو۔ جب حمام میں داخل ہو (یا مزدوروں سے کوئی کام کراؤ) تو اجرت میں اور لوگوں کی مساوات نہ کرو بلکہ دستور سے کچھ زیادہ دو تاکہ تمہاری شرافت ظاہر ہو اور وہ تمہاری عزت کریں، کوئی چیز پیشہ ور اور دستکار کے سپرد نہ کرو بلکہ اس کے پاس رکھو جس پر تمہیں اعتماد ہو، غلہ وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی نہ کرو۔ درہم و دنانیر کو نہ تولو، روپیہ پیسہ کو شمار نہ کرو بلکہ دوسروں پر اعتماد رکھو دنیا کی اہل علم سے لئے تحقیر کرو اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کے پاس جو کچھ ہے بہتر ہے اپنے امور میں دوسروں کو شریک کرو تاکہ علم حاصل کرنے کے لئے کچھ وقت بچ جائے خبردار! بیوقوفوں اور جو فن مناظرہ سے واقف نہ ہوں اور اہل علم کے دلائل کو نہ سمجھیں۔ طلب جاہ کے لئے کوشاں ہوں اور تمہارے شرمندہ کرنے کے لئے مسائل یاد کریں ان سے ہرگز بات نہ کرو، اس لئے کہ اگر وہ تمہیں حق بجانب سمجھیں گے تب بھی پرواہ نہ کرینگے جب رؤسا کے پاس جاؤ تو ان سے بلند اور بالا جگہ نہ بیٹھو، جب تک تم کو وہ اس جگہ

نہ بٹھائیں جب کسی قبیلہ میں پہونچو تو جب تک وہ تمہیں امام نہ بنائیں نماز نہ پڑھانا شام میں تسبیح اور دوپہر کو داخل نہ ہو تفریح گاہ میں نہ جاؤ۔ مظالم سلطان پر حاضر نہ ہونا ہاں جب یہ یقین ہو کہ تمہاری بات سن لی جائے گی تو مضائقہ نہیں۔ خبردار مجلس میں غضبناک نہ ہونا، عوام میں قصہ گوئی نہ کرنا، اس لئے کہ قصہ گو جھوٹ سے نہیں بچ سکتا۔ جب کسی اہل علم کے اعزاز میں کوئی مجلس علم منعقد کرو تو اس کے استقبال کے لئے بہ نفس نفیس خود حاضر ہونا، اور جو کچھ معلوم ہو بیان کرنا ورنہ نہیں تاکہ تمہاری وجہ دگی کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں اور آنے والے کو تم جیسا عالم تصور کریں حالانکہ وہ اس صفت سے موصوف نہ ہوگا جس کے تم مالک ہو کسی آدمی کو مسند درس پر نہ بٹھاؤ تاکہ وہ تمہارے سامنے درس دے بلکہ اپنے شاگردوں کو اس کے پاس چھوڑ دو تاکہ وہ اس کے علم کا امتحان لے سکیں، مجلس وعظ اور اس مجلس میں جیسے تیرے اعزاز یا تیرے تزکیہ یا تیرے متعلقین کے تزکیہ کے لئے منعقد کیا ہو نہ جانا (کیونکہ اس صورت میں صرف وہ آدمی ریا اور نمود کے لئے اور اظہار شیخیت کے لئے ایسا کر رہا ہے اس سے فائدہ نہ ہوگا) نکاح کے معاملات کو اپنے محلہ کے نکاح خواں اسی طرح نماز اور جنازہ کی نماز کو اس کے مستحق کیلئے چھوڑ دو (کہ وہی نماز پڑھائے) جو آدمی تمہارے لئے دعا کرے اس کو فراموش نہ کرنا، میری اس نصیحت کو قبول کرو جس کو میں نے تمہاری اور تمام مسلمانوں کی مصلحت اور فائدے کے لئے کہا ہے۔

دیگر زریں نصیحتیں

۱۔ جس وقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کیلئے تیار ہو جاؤ

۲۔ روزہ اور تلاوت قرآن کی عادت ڈالو۔

۳۔ کبھی کبھی قبرستان کیطرف نکل جایا کرو۔

۴۔ لہو ولعب سے پرہیز کیا کرو۔

۵۔ پڑوسی کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو۔

۶۔ تقوے اور امانت کو فراموش نہ کرو

۷۔ جس خدمت کے انجام دینے کی قابلیت نہ ہو اسے ہرگز مت قبول کرو۔

۸۔ اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو تو اس کی غلطی کا اعلانیہ اظہار کرو تاکہ عوام کو اس کی تقلید کی جرأت نہ ہو سکے۔

۹۔ تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھو

۱۰۔ جو آدمی کچھ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دیدو اپنی طرف سے کچھ اضافہ مت کرو۔

۱۱۔ شاگردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرو کہ دیکھنے والے ان کو تمہاری اولاد خیال کریں۔

۱۲۔ جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکو[1]

بعض صحابہ رضہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں ایسی طب نہ بتلاؤں جسمیں اطبار کو اختلاف نہ ہو اور ایسا علم نہ سکھاؤں جسمیں علمار کو اختلاف نہ ہو اور ایسی حکمت نہ تعلیم کروں جس میں حکمار کو اختلاف نہ ہو عرض کیا، ضرور فرمائیے! تو آپ نے ارشاد فرمایا:

۱۔ طب یہ ہے کہ دستر خوان پر بھوک کی حالت میں بیٹھو! اور جب کچھ بھوک رہ جائے تو اٹھ جاؤ

۲۔ علم یہ ہے کہ جب کوئی دریافت کرے اور تمہیں معلوم نہ ہو تو کہدو واللہ اعلم

۳۔ حکمت یہ ہے کہ اگر تم لوگوں کے درمیان ہو اگر وہ کسی خیر میں لگے ہیں تو تم بھی اس میں شریک ہو جاؤ اور اگر وہ شر میں لگے ہیں تو تم ان سے علیحدہ ہو جاؤ۔

متقدمین میں سے ایک صاحب جن کی عمر بہت طویل تھی ان سے دریافت کیا

---

[1] مقدمہ مسند امام اعظم مطبوعہ کراچی۔ از مولانا سعد حسن

آپ کی عمر اتنی کیوں ہوئی ؟ فرمایا جب ہم پکاتے ہیں تو خوب پکاتے ہیں اور جب چباتے ہیں تو خوب چباتے ہیں اور پیٹ کو خوب نہیں بھرتے، اور امام زہری نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ پانچ چیزوں سے نسیان پیدا ہوتا ہے۔

۱۔ کھٹا سیب کھانے سے، ۲۔ رکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے، ۳۔ گدی کے پیچھے سینگی لگوانے سے، ۴۔ جوئیں مٹی پر ڈال دینے سے، ۵۔ چوہوں کا جھوٹا پانی پینے سے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قبروں پر جو کتبہ لگا رہتا ہے اسکے پڑھنے سے اور عورتوں کے درمیان رہنے سے، دو اونٹوں کے درمیان چلنے سے بھی نسیان پیدا ہو جاتا ہے۔

یزید رقاسی نے کہا یہ پانچ چیزیں پانچ آدمیوں کیلئے مناسب نہیں ہیں۔

۱۔ جھوٹ امیروں کے لئے ۲۔ حرص زاہدوں کے لئے۔

۳۔ نادانی نگہبانوں کے لئے ۴۔ بخل مالداروں کے لئے

۵۔ مالدار ہونا فقیروں کے لئے۔

اور حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی، اے بیٹے !

۱۔ ضروریات کو اچھے طریقے سے حاصل کرنا نصف علم ہے۔ ۲۔ دوستوں سے محبت کرنا نصف عقل ہے۔ ۳۔ اور معاش میں تقدیر پر بھروسہ کرنا نصف کسب ہے۔ ۴۔ اور فرمایا اے بیٹے ! جب تم کسی قوم کے پاس قاصد بھیجو تو عقلمند کو بھیجو یا پھر خود جاؤ۔ اور آٹھ آدمی ایسے ہیں کہ اگر انکی توہین ہو جائے تو انکو اپنے اوپر ہی ملامت کرنا چاہیئے

۱۔ بلا بلائے کسی کے دسترخوان پر پہونچ جانا۔ ۲۔ صاحب خانہ پر حکم کرنے والا

۳۔ دشمنوں سے خیر کی امید رکھنے والا۔ ۴۔ ذلیل آدمی سے بھلائی کی امید رکھنے والا

۵۔ بادشاہ کو ذلیل سمجھنے والا۔ ۶۔ ایسی مجلس میں شریک ہونیوالا جس کا اہل نہیں ہے

۷۔ ایسی بات کو سننے کے درپے ہونا کہ جسکو سنانا نہیں چاہتے۔

۸۔ دو آدمیوں کی باتوں میں دخل دینے والا۔ (یہ سب نصائح بستان ابوالليث سمرقندی سے ماخوذ ہیں۔ یہ بہت ضخیم کتاب ہے اسکا ترجمہ ہم نے کیا ہے جو عنقریب اسلامی علوم اور معاشرت کے نام سے شائع ہوگا۔)

شکر کہ ایں نامہ بعنواں رسید ٭ پیشتر از عمر بپایاں رسید

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط

فہرست مضامین

تالیفات مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری

۱- سیرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم

سیرت پاک پر عربی، انگریزی، فارسی، اردو ہر زبان میں بیشمار کتابیں ہیں جو دنیا کے چپہ چپہ پر ملتی ہیں یہ سلسلہ قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا ہماری کتاب سیرت رسالتمآب میں جو خصوصیات ہیں ہندوستان اور پاکستان کی اردو زبان میں کسی کتاب کو وہ خصوصیات حاصل نہیں ہیں (۱) یہ کتاب سن کے اعتبار سے مرتب ہے ہر سن کو مستقل ایک بڑے باب کی صورت دیگئی ہے (۲) ہر سن میں جس قدر واقعات ہوئے ہیں انکو ترتیب وار لکھ دیا گیا ہے (۳) ہر واقعہ کو مستند حوالہ کے ساتھ لکھا گیا ہے (۴) جو مباحث بحث طلب ہیں ان پر سیر حاصل بحث کیگئی ہے (۵) حاشیہ میں قرآن پاک کی بہت سی سورتوں کا سن نزول لکھ دیا گیا ہے (۶) حالات حاضرہ اور جدید مسائل پر سیرت پاک کی روشنی میں رہنمائی کی گئی ہے۔ غرضیکہ یہ کتاب بہت سی خوبیوں کی حامل ہے صفحات ۶۷۲ جلد نہایت خوشنما قیمت مجلد ۳۰ روپے

۲- سیرت اصحاب النبیؐ

یہ سیرت رسالتمآبؐ کا دوسرا حصہ ہے کہ جسمیں اولاً فضائل صحابہ پر اتنا بیش قیمت مقدمہ ہے کہ آج تک آپ نے ملاحظہ نہ کیا ہوگا۔ یا بارتن ہندی صحابی ہیں یا نہیں اس کی پوری تفصیل۔ خلفاء اربعہ کے تفصیلی حالات اور ان پر اتنے مؤدب پیرایہ میں تبصرہ ہے کہ موافقین و مخالفین ہر مسلک کا آدمی بے اختیار داد دیتا ہے۔

طباعت دیدہ زیب صفحات ۸۰۰ یہ اس وقت زیر طبع ہے عنقریب شائع ہوجائیگی۔

۳- حیات امام اعظم ابو حنیفہ رح

یہ کتاب امام اعظم ابو حنیفہ رح پر ایک کامیاب ریسرچ ہے علمائے ہند نے فرمایا ہے کہ یہ کتاب ابو زہرہ، مصری اور شبلی نعمانی کی کتاب سے بہت زیادہ بہتر ہے دنیا کے بیشتر ملکوں میں پہونچ چکی ہے اور اب تک متعدد اڈیشن ختم ہو چکے ہیں۔ قیمت :- دس روپے۔

۴- تذکرہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب امیر تبلیغ

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سابق امیر تبلیغ کی زندگی کے تفصیلی حالات انگلینڈ، چین، جاپان اور امریکہ میں اشاعتِ اسلام اور تبلیغی عمل کی برکات اب تک متعدد اڈیشن ختم ہو چکے ہیں۔ سیکڑوں اخبارات نے اسی کتاب سے اخذ کر کے مضامین کو شائع کیا ہے۔ اب اضافوں اور جدید ترتیب کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ قیمت : دس روپے

۵- ولی کامل شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب کی زندگی کے تفصیلی حالات بے انتہا مقبول کتاب متعدد اڈیشن ختم ہو چکے ہیں قیمت : ۶/۵۰

۶- مخدوم صابر کلیری حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیری کے تحقیقی حالات متعدد اعتراضات کے جوابات۔ صابر صاحب کے سلسلہ میں مستند اور حرفِ آخر کتاب۔ ہدیہ تین روپے

۷- تفسیر رشیدی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے تفسیری افادات، ملاجیون کی تفسیر احمدی کی طرح قرآن پاک کے معرکۃ الآرا مسائل پر تفسیری ترتیب کے ساتھ لاجواب کتاب ہدیہ : تین روپے

۸- زاد المعاد کا اردو ترجمہ یہ کتاب سترہ سو صفحات پر مشتمل ہے سیرت خیر العباد کے نام سے شائع ہو چکی علامہ ابن قیم کے قلم سے سیرت پاک پر بہترین کتاب دو حصہ طبع ہو چکے ہیں۔
ہدیہ : ۳۶/- روپیہ

۹- اسلامی علوم اور معاشرت

امام فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی کتاب بستان (۳۷۳ھ) کا ترجمہ اور اس پر عالمانہ اور محققانہ حواشی۔ یہ قلمی کتاب تھی جس کو اردو کا لباس پہنایا گیا ہے اسلامی علوم اور معاشرت پر اتنی نئی اور عجیب و غریب معلومات آپ کو سینکڑوں کتابیں پڑھنے کے بعد بھی حاصل نہ ہونگی۔ علماء طلباء اور عوام ہر ایک ہی کے لئے مفید اور لاجواب کتاب ہے۔ کتابت عکسی فوٹو آفسیٹ پر جلد خوشنما حسین۔ صفحات ۴۰۰، زیر طبع ہے عنقریب منظر عام پر آجائے گی۔

۱۰- تاریخ الاحکام

قرآن پاک کی تمام سورتوں کا سنِ نزول اور پھر اسلام کے تمام ابواب فقہ اور حدیث کی تاریخ سیرت، اور قرآن پاک، احادیث اور فقہ پر اور فقہ کے تمام مسائل کی تاریخ اور پھر ان کی تاریخی ترتیب، اس موضوع پر اسلام میں سب سے پہلی کتاب ہے۔ زیر طبع ہے ابھی انتظار فرمائیں۔ صفحات تقریباً چار سو سے زائد۔

ملنے کا پتہ

مدنی دارالتالیف۔ بجنور یوپی